تذکرہ

خواجہ شمس الدین عظیمی

تحقیق وتدوین: شہزاد احمد عظیمی

کمپوزنگ : عمران خان/ماجد علی عظیمی

پروف ریڈنگ : منیر احمد عظیمی

سرورق : محمد طارق عظیمی/ماجد علی عظیمی

سن اشاعت : ۲۷ جنوری ۲۰۱۰ء

ناشر : الکتاب پبلی کیشنز۔ A-645 بلاک H نارتھ ناظم آباد، کراچی۔



انتساب

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کے نام
جن کا فیض اور جن کی برکتیں میرے اوپر محیط
ہیں۔



دیباچہ

ایسا لگتا ہے کہ جیسے کل کی بات ہو، جون ۱۹۹۶ء میں مرکزی لائبریری۔ مرکزی مراقبہ ہال کی کتب کی فہرست مرتب کرنے کے دوران میرے ذہن میں مرشد کریم کا ہمہ جہتی تعارف، الٰہی مشن کی ترویج اور حالات زندگی سے متعلق ضروری معلومات کی پیشکش اور ریکارڈ کی غرض سے شعبہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی قائم کرنے کا خیال آیا۔

ابتدائی منصوبہ کے دوران نومبر ۱۹۹۶ء کی ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ سے ان کے انٹرویو کے لئے درخواست کر رہا ہوں۔ آنکھ کھلتے ہی سب سے پہلا خیال آیا کہ مرشد کریم کو خواب سناؤں۔ صبح سویرے حاضر خدمت ہو گیا۔ مرشد کریم اس وقت اخبار کا مطالعہ فرما رہے تھے اور قریب ہی ایک پلیٹ میں نیم کی نبولیاں رکھی ہوئی تھیں جس میں سے کچھ آپ نے مجھے کھانے کے لئے عنایت فرمائیں۔ خواب بیان کرتے وقت میں نے دیکھا کہ غیر محسوس انداز میں آپ نے اخبار کو اپنے چہرہ کے سامنے کر لیا لیکن اس دوران آپ کی مسکراہٹ میری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں رہی۔

آپ نے شفقت فرمائی اور میری درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اس طرح ۱۳ نومبر ۱۹۹۶ء سے شعبہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا جو کہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ میں قابل اعتبار ذرائع سے مرشد کریم کی زندگی کے بارے میں معلومات جمع کرنا تھیں اور دوسرے حصہ میں الٰہی مشن کی ترویج کے لئے آپ کی کاوشوں کا مکمل ریکارڈ مرتب کرنا ہے۔

تنہا آدمی کبھی بڑا کام نہیں کر سکتا۔ بڑا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مطلوبہ کام کی پشت پر کئی افراد کی صلاحیتیں کارفرما ہوں۔ اس معاملے میں، میں خود کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں کہ اس منصوبے کے آغاز سے ہی مجھے ایسے دوستوں کی رفاقت میسر آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل، مرشد کریم کی نظر کرم سے الحمد للہ! منصوبہ کا پہلا حصہ احسن طریقہ سے پایۂ تکمیل کو پہنچا اور تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی بصد احترام و ادب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

روحانیت کے بارے میں لوگوں کا عمومی یہ نظریہ ہے کہ روحانیت کا مطلب کشف و کرامت ہے۔ دوسری بات جو معاشرے میں حقیقت کے خلاف بیان کی جاتی ہے کہ تسخیر کائنات یا روحانی علوم حاصل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان دنیا بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے۔ یہ تذکرہ قارئین پر آشکار کرے گا کہ مرشد کریم نے

نہایت مصروف زندگی گزاری ہے ۔جس کے ذریعے آپ نے رہبانیت کومکمل مسترد کیا ہے ۔بحیثیت استاد آپ نے اپنے شاگردوں میں اس جذبہ کو راسخ کیا ہے کہ انہیں دینی اور دنیاوی اعتبار سے علوم وفنون میں ماہر ہونا چاہئے ۔آپ کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ اگر انسان زندگی اور حیات کو ہم آہنگی کا ادراک کر لے تو اس پر حیات ابدی کا راز منکشف ہوجاتا ہے ۔

تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی مرتب کرنے کے لئے میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ مرشد کریم کے جملوں کا استعمال کیا جائے تا کہ طرز تحریر کو روایتی رکھ رکھاؤ سے دور رکھ سکوں ۔اس کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ قارئین الفاظ کا صحیح تاثر قبول کریں گے ۔

مسودہ مرتب کرنے کے دوران میرے سامنے ایک بات تھی کہ کسی طور پر اس کو مکمل کرنا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے میں شوق اور دیگر فرائض کے درمیان توازن برقرار نہیں رکھ سکا۔میں اپنے اہل خانہ سمیت احباب کا تہہ دل سے مشکور رہوں کہ انہوں نے میری کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے میری بھر پور حوصلہ افزائی فرمائی ہے ۔بالخصوص میں اراکین سلسلہ عظیمیہ ،نگراں مراقبہ ہالز، لائبریرین برائے عظیمیہ روحانی لائبریریز کا ممنون ہوں کہ انہوں نے مرشد کریم کے حوالے سے معلومات کی فراہمی میں میرے ساتھ بھر پور تعاون کیا۔

اس کام کے دوران میں نے شدت سے محسوس کیا ہے کہ مرشد کریم کے افکار ونظریات اور راہ حق پر چلنے کی دعوت متوسلین وسالکین کے لئے مشعل راہ ہے ۔مختلف نشستوں میں آپ کے لیکچرز ،خطابات انسان کو غور وفکر کی طرف راغب کرتے ہیں ۔اجتماعی اور انفرادی تربیت کے لئے آپ کے لکھے ہوئے مضامین ،مکتوبات ایسی بارش ہے جو روحانی پیاسوں اور متلاشیان حقیقت کو ابد تک سیراب کرتی رہے گی ۔مرشد کریم کی تحریریں، تحریریں صرف ایک قوم یا گروہ کے لئے مخصوص نہیں ہیں ۔یہ سرمایہ پوری نوع انسانی کے لئے ورثہ ہے اور اس علمی سرمایہ کو یکجا کرنے کے لئے شعبہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کے کارکنان تازہ دم ہیں ۔

ہم مرشد کریم کے خادم مسرور ہیں کہ آپ کی سرپرستی ہمیں حاصل ہے اور تائید ایزدی ہمارے شامل حال ہے ۔

مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی نے ایک خط میں امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاءرحمتہ اللہ علیہ سے اپنے وجدانی تعلق کی بنا پر صاحب خط کو تحریر فرمایا ہے کہ ”محبوب کے وصل کی لذت آج بھی میرے اندر زندہ ہے اور یہی وہ وصل ہے اور لذت ہے جو مجھے دن رات بے قرار کئے ہوئے ہے ۔میں اس لذت کی تلاش میں کہاں کہاں نہیں پہنچا۔

میں نے جنت کا ایک ایک گوشہ دیکھا۔ آسمانوں کی رفعتوں میں فرشتوں کے خوشنما صفاتی پروں کا جمال دیکھا۔ ملائے اعلیٰ کے قدسی اجسام میں تجلی کا عکس دیکھا۔ دوزخ کے طبقات میں گھوم کر آیا۔ موت کو دیکھا۔ موت سے پنجہ آزمائی کی۔ وہ کچھ دیکھا جن کے لئے الفاظ نہیں ہیں کہ بیان کر دیا جائے لیکن مرشد کے وصل کی لذت نہیں ملی۔ ہر لمحہ مرنے کے بعد اس لئے جیتا ہوں کہ مرشد سے قربت ملے گی۔ جینے کے بعد ہر آن اس لئے مرتا ہوں کہ مرشد کا وصال نصیب ہو گا۔ اندر جھانکتا ہوں مرشد نظر آتے ہیں۔ باہر دیکھتا ہوں مرشد کی جھلک پڑتی ہے۔

ہائے! وہ کیسی لذت وصل تھی کہ زمانے گزرنے کے بعد بھی روح میں تڑپ ہے، اضطراب ہے، انتظار ہے۔ اس یقین کے ساتھ زندہ ہوں، اس یقین کے ساتھ مروں گا، اس یقین کے ساتھ زندہ ہوں، اس یقین کے ساتھ مروں گا، اس یقین کے ساتھ دوبارہ زندہ ہوں گا کہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ مجھے ایک بار اپنے سینے سے لگائیں گے اور مجھے اس طرح اپنے اندر سمیٹ لیں گے کہ میرا وجود نفی ہو جائے گا اور کوئی یہ نہیں جان سکتا کہ مرشد اور مرید دو الگ الگ پرت ہیں۔

روحانی راستہ کے مسافر، میرے فرزند! میں آپ کو چند سطریں لکھنا چاہتا تھا مگر میرے اندر مرشد کریم کی محبت کا رکا ہوا طوفان برملا ظاہر ہو گیا اور میں داستان جنون لکھتا گیا۔ خدا کرے میرا جنون آپ کا جنون بن جائے۔ آمین''

دنیا میں بہت کم مواقع ایسے ہوتے ہیں جب کچھ کام کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی نظر کرم ہے کہ آپ نے مجھے یہ سعادت بخشی ہے کہ میں شعبہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی پر کام کرسکوں لہٰذا میں اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ مجھے یہاں اور وہاں مرشد کریم کی رفاقت نصیب ہو۔ آمین

شہزاد احمد عظیمی

۱۲ دسمبر ۲۰۰۷ء

تاریخی وفکری پس منظر

اتر پردیش کی تاریخ بہت قدیم اور دلچسپ ہے۔قدیم ہندو تحریروں میں اس کا نام برہم رشی دیش یا مدھیہ پردیش لکھا گیا ہے۔عہد قدیم کے بہت سارے علماء نے اتر پردیش میں ہی ترقی کی منزلیں طے کیں۔ آریاؤں کی بہت ساری متبرک کتابیں بھی یہیں لکھی گئیں۔ رامائن اور مہابھارت جیسے دو عظیم رزمیئے (جنگ نامے) بھی اتر پردیش میں ہی تخلیق کئے گئے۔ رامائن میں کوسالہ کے شاہی خاندان کا بیان ہے۔جب کہ مہابھارت کا تعلق ہستناپور کے شاہی خاندان سے ہے جو کہ دونوں اتر پردیش میں واقع ہیں۔چھٹی صدی قبل مسیح میں اتر پردیش کا دو نئے مذاہب جین مت اور بدھ مت سے واسطہ پڑا۔کہا جاتا ہے کہ جین مت کے بانی ''مہاویر'' نے اپنی آخری سانس اتر پردیش کے شہر ڈورہ میں ہی لی تھی۔بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے بھی اتر پردیش کے شہر سارا ناتھ میں ہی اپنا پہلا وعظ دیا تھا اور وہیں اپنے سلسلے کی بنیا د رکھی۔

بدھ مت کے آغاز سے پہلے اتر پردیش کے بہت سارے شہروں مثلاً ایودھیہ، پریاک، ویرانسی اور متھرا وغیرہ نے علمی مراکز کے طور پر شہرت حاصل کر لی تھی۔ عظیم ہندو مصلح شری شنکرا چاریہ نے بھی اتر پردیش کے شہر ''بدری ناتھ'' میں ایک آشرم قائم کر لیا تھا۔قرون وسطیٰ میں اتر پردیش مسلمانوں کی حکمرانی میں چلا گیا جس کے نتیجہ میں ہندو اور مسلم تہذیبوں کے ملاپ سے ایک نئی تہذیب تشکیل پانے کا راستہ نکل آیا۔رامانداور اس کے شاگرد کبیر، تلسی داس، بیربل اور کئی دوسرے صاحب علم و دانش لوگوں نے ہندی اور اردو زبانوں کی ترقی کے لئے بہت کام کیا۔

انگریز دور حکومت میں بھی اتر پردیش جیسے مردم خیز خطہ نے عقل و دانش میں اپنی برتری کو برقرار رکھا۔انگریز دور حکومت میں آگرہ اور اودھ کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا جس کا نام ''یونائیٹڈ پروفنسز آف آگرہ اینڈ اودھ'' رکھا گیا تھا۔۱۹۳۵ء میں یہ نام مختصر کر کے ''یونائیٹڈ پروفنسز'' کر دیا گیا جس کا مخفف ''یو۔پی'' ہے۔ہندوستان کی آزادی کے بعد جنوری ۱۹۵۰ء میں ''United Provinces'' کا نام بدل کر ''اتر پردیش'' رکھ دیا گیا، جس کا مخفف بھی ''یو۔پی'' ہی بنتا ہے۔اس صوبہ میں واقع ضلع سہارن پور کے مغرب میں دریائے جمنا اور مشرق میں دریائے گنگا بہتے ہیں۔۲۱۶۵ مربع میٹر پر پھیلے سہارن پور کی بنیاد ۱۳۴۰ء میں ایک مسلمان صوفی درویش ''شاہ ہارون چشتی'' نے رکھی۔یہ ضلع دہلی کے قرب میں واقع ہونے کی وجہ سے اکثر حملہ آوروں جنگجو افواج کے ہاتھوں تخت و تاراج ہوتا رہا ہے۔

۱۸۳۰ء میں مرہٹوں کے خلاف شروع ہونے والی کامیاب جنگ نے اس ضلع پر انگریزوں کو قابض

کر دیا تھا۔ اس ضلع کا قصبہ ''انبہٹہ'' فیروز تغلق بادشاہ کے زمانے میں آباد ہوا۔ ہندوستان میں یہ خاندان تغلق میں تیسرا بادشاہ ہوا ہے۔ فیروز تغلق کے سپہ سالار سعد اللہ بیگ نے ۷۷۴ ہجری میں اس قصبہ کو آباد کر کے اسے فوج کا کیمپ قرار دیا اور بادشاہ کے نام پر اس کا نام ''فیروز آباد'' مشہور کیا۔ جب آبادی کے سبب گردونواح میں زراعت بکثرت ہونے لگی تو اس کا نام ''انبانا'' رکھا۔ قصبہ کے چار اطراف باغات ہیں۔ ان میں زیادہ تر آم کے باغات ہیں۔ بعض محققین کے نزدیک ''انبہٹہ'' اصل میں ''آم ہٹہ'' کا بگڑا ہوا نام ہے یعنی اس قصبہ میں بہترین آم بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۰۰۰ ہجری کے آخر میں حضرت سید شاہ ابوالمعالی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ اس قصبہ میں رونق افروز ہوئے۔ ان کے نور ولایت سے اس قصبہ کو ''قصبہ پیرزادگان'' کہا جانے لگا۔ تقسیم ہندوپاک کے وقت اس کی آبادی تقریباً ۵۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی جس میں ۳۵ فیصد انصاری خاندان آباد تھا۔

خاندانی پس منظر

عظیمی صاحب کا سلسلہ نسب میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری سے ملتا ہے جو ان منتخب بزرگان مدینہ میں ہیں جنہوں نے عقبہ کی گھاٹی میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو ہر شخص منتظر تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف اسے حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا، میری اونٹنی مامور من اللہ ہے۔ جس گھر کے سامنے بیٹھ جائے گی میں اس گھر میں قیام کروں گا۔ امام مالک کا قول ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری تھی اور آپ قیام کے لئے حکم الٰہی کے منتظر تھے۔ ناقہ، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا گھر دو منزلہ تھا۔

آپ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ادب واحترام کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اوپر کی منزل میں تشریف فرما ہوں اور میں نیچے قیام کروں اور آپ کے آرام کا تقاضا یہ ہے کہ آپ پہلی منزل میں تشریف فرما ہوں تا کہ یہ مہمانان گرامی اور قبائل کے سردار وغیرہ آپ سے ملنے آئیں ان سے ملاقات کے لئے آپ کو بار بار نیچے نہ اترنا پڑے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نیچے کی منزل میں رہوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے گھر میں تقریباً چھ ماہ فروکش رہے۔

عظیمی صاحب کے آباؤ اجداد صوبہ ہرات (افغانستان) سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آئے تھے۔

روایت ہے کہ ایک بزرگ حضرت امام ناصر الدین اپنے ایک صاحبزادے کے ہمراہ حضرت بو علی قلندر کی زیارت کے لئے پانی پت تشریف لائے۔ حضرت بو علی قلندر کو ان کے یہ صاحبزادے پسند آ گئے۔ انہوں نے حضرت امام ناصر الدین سے کہا کہ اپنے بیٹے کو یہاں چھوڑ جاؤ۔ حضرت امام ناصر الدین نے عرض کیا، میں بیٹے کو کیسے چھوڑ جاؤں، اس کی ماں یہ صدمہ کیسے برداشت کرے گی۔ حضرت بو علی قلندر کے ہاتھ میں عصا تھا، انہوں نے جلال میں زمین پر مارا تو وہ زمین میں دھنس گیا اور انہوں نے فرمایا، تم لے جا سکتے ہو تو لے جاؤ۔ حضرت اپنے بیٹے کو ان کے پاس چھوڑ کر جالندھر آ گئے اور جالندھر میں ہی ان کا انتقال ہوا۔ جالندھر میں آج بھی ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ عظیمی صاحب کا نسبی سلسلہ حضرت خواجہ عبد المالک بن حضرت امام ناصر الدین جالندھری سے ہے۔

صاحب کشف

عظیمی صاحب کے والد الحاج انیس احمد انصاری معروف عالم دین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمتہ اللہ علیہ کے بھتیجے اور حضرت کے مرید تھے۔ حاجی صاحب یتیم ہو گئے تھے۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے ان کی پرورش کی۔ الحاج انیس احمد انصاری صاحب کشف بزرگ تھے۔ اکل حلال کا بطور خاص اہتمام کرتے تھے۔ وکالت کے پیشے سے منسلک تھے۔

ایک دن خیال آیا کہ وکیل کی کامیابی اس بات میں ہے کہ جھوٹ کو سچ ثابت کر دے اور سچ کو جھوٹ ثابت کر دے اور مقدمہ جیت لے۔ یہ بات انہوں نے اپنی بیگم صاحبہ کو سنائی تو انہوں نے کہا، اس طرح تو ہمارے بچوں کی تربیت صحیح نہیں ہو گی۔

دونوں میاں بیوی نے فیصلہ کیا کہ وکالت کا پیشہ ترک کر دیا جائے۔ حالات جب نا مساعد ہو گئے تو ایک روپیہ روز اجرت پر لکڑیاں پھاڑنے کی مزدوری شروع کر دی۔ اللہ نے یہ کرم کیا کہ درخت کی جانچ آ گئی کہ اس درخت میں اتنی سوختہ لکڑی ہے، اتنے تختے نکلیں گے اور جڑوں میں سے اتنا کوئلہ بن جائے گا۔ اس فن میں اس قدر مہارت ہو گئی کہ جنگل خریدنے والے سوداگر ان کی خدمات حاصل کرتے تھے۔ اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ پانچ حج کئے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک حج پیدل (جدہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ منورہ تک) کیا تھا جس میں پیر شدید زخمی ہو گئے تھے۔ آپ لیاقت آباد، کراچی کے قبرستان میں محو استراحت ہیں۔

صابرہ خاتون

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی والدہ محترمہ امت الرحمٰن بڑی صابرہ وشاکرہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ ڈیوڑھی میں آپ نے مہمان خانہ بنایا ہوا تھا، بلاتخصیص کوئی بھی شخص تخت پر آ کر بیٹھ جاتا تھا۔ مہمان کو تازہ روٹی پکا کر کھلاتی تھیں۔ مہمانوں کے لئے راشن ایک الماری میں مقفل رہتا تھا۔ الماری اس وقت کھلتی تھی جب مہمان آئے یا اس میں سامان رکھا جائے۔ بڑی سے بڑی تکلیف میں بھی آپ اللہ کے اوپر شاکر رہتی تھیں۔ شکر کا عالم یہ تھا کہ جب آپ کو اپنی بیٹی کے انتقال کی خبر ملی تو زبان سے بے ساختہ نکلا، یا اللہ! تیرا شکر ہے اور کچھ توقف کے بعد رونے لگیں۔

ایک رات عظیمی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مٹی کا بنا ہوا ایک کچا گھر ہے۔ چار دیواری پر چکنی مٹی پوتی ہوئی ہے۔ وہاں سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک خاتون سے خوش ہو کر باتیں کر رہے

ہیں۔ ساتھ ہی عظیمی صاحب کی والدہ محترمہ کھڑی ہیں۔

عظیمی صاحب اس وقت سات، آٹھ سال کی عمر کے ہیں اور نہایت حیرت کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ یہ خاتون کتنی خوش نصیب اور مقدس ہیں کہ حضور ان سے شفقت سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ خیال حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا۔ حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا، یہ خاتون بی بی خدیجہ ہیں .... یہ سن کر بی بی خدیجہ نے فرمایا، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت (عظیمی صاحب کی والدہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس کی ماں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! میں جانتا ہوں یہ امت الرحمٰن ہے اور بہت صابرہ خاتون ہے۔

ہجرت

میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق کی بناء پر خاندانی روایات کے مطابق آپ کے اندر مہمان نوازی، ایثار اور قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ خاندانی روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خاندان کا ایک فرد ہجرت کر کے مکہ یا مدینہ چلا جاتا ہے۔ سب سے پہلے آپ کے دادا الحاج انیس احمد انصاری صاحب کے چچا حاجی مقبول صاحب ہجرت کر کے مکہ چلے گئے۔ بیت اللہ شریف میں جاروب کشی کی ملازمت کی۔

عظیمی صاحب کے دادا مولانا خلیل احمد سہارنپوری، قطب ارشاد مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث کے مرشد کریم تھے اور وہ مولانا رشید احمد گنگوہی بھی ان کے خلیفہ تھے۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ان کو خصوصی فیض حاصل تھا۔ درس و تدریس میں احادیث پڑھانا اور احادیث کی تشریح کرنا ان کا موضوع تھا۔

آپ نے دس سال کی محنت شاقہ کے بعد حدیث مبارک کی کتاب سنن ابی داؤد کی ایک عظیم الشان شرح ''بذل المجہود فی حل سنن ابو داؤد'' عربی زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ ابھی شرح کے دو ہزار صفحات مکمل ہوئے تھے کہ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ملا، آپ میرے پاس مدینہ آ جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں دوسرے دن ہی مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور شرح کا بقیہ حصہ وہاں جا کر مکمل کیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ دادا صاحب کے بعد عظیمی صاحب کے بڑے بھائی مولوی محمد الیاس انصاری ہجرت کر کے مکہ چلے گئے، وہیں آپ کا انتقال ہوا اور جنت المعلیٰ میں حضرت زبیر کے برابر میں مدفون ہیں۔

عظیمی صاحب کے دوسرے بڑے بھائی مولانا محمد ادریس انصاری صاحب ملک کے مایہ ناز عالم

دین اور حضرت مولانا عبدالغفور مہاجر مدنی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ انہوں نے کئی معرکتہ الاراء کتابیں لکھیں اور کئی کتابوں کے ترجمے کئے۔

والدہ کے انتقال پر قبر کے قریب ایک جگہ زمین خریدی اور وہاں خانقاہی نظام قائم کرنے کے لئے ایک مسجد اور مدرسہ بنایا۔ اس مسجد کا نام مسجد ابوایوب انصاری ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ عالم اسلام میں اس وقت دو مساجد حضرت ابوایوب انصاری کے نام سے منسوب ہیں۔

۱۔ استنبول۔ ترکی ۲۔ صادق آباد، بہاولپور۔ پاکستان

حضرت ابوایوب انصاری

عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۹۵۴ء میں میرے دل میں یہ خیال آیا کہ ہمارا خاندانی نام انصاری ہے لیکن کون جانے کہ میں واقعی انصاری ہوں۔

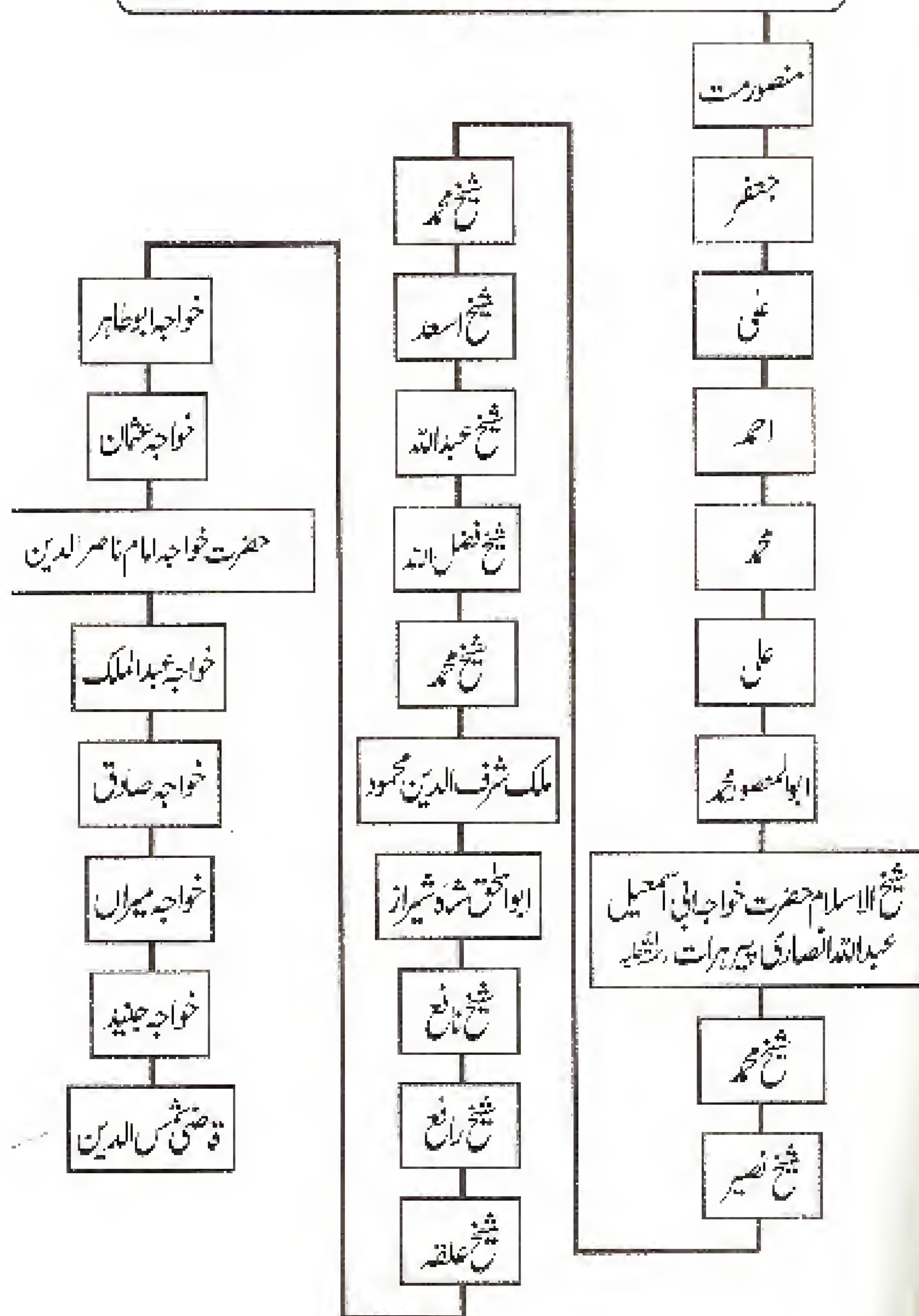
تذکرہ غوثیہ میں حضرت قلندر غوث علی شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ میں بغداد میں حضرت بڑے پیر صاحب کے دربار میں ان کے سجادہ کے پاس بیٹھا تھا کہ پانی پت کے کچھ لوگ آئے کہ ہمارے شجرہ کی تصدیق کر دیں۔ سجادہ نشین صاحب نے مہر لگا کر تصدیق کر دی۔ غوث علی شاہ صاحب کو خیال آیا کہ شاید میرے بزرگ بھی یہاں آئے ہوں اور سجادہ صاحب کے بزرگوں نے ہمارے شجرہ پر مہر لگا دی ہوگی۔

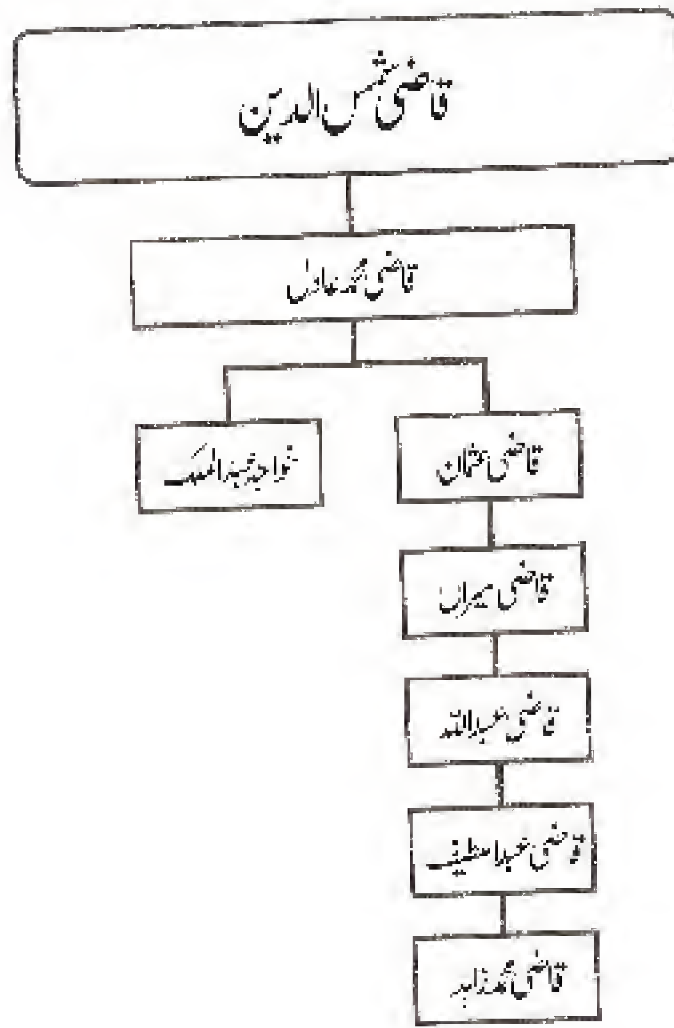
بہرحال یہ خیال اتنی شدت سے بار بار آنے لگا کہ میں پریشان ہو گیا اور یہ پریشانی آہستہ آہستہ مایوسی میں تبدیل ہو گئی۔ اس طرح پتا نہیں کتنا عرصہ بیت گیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کو رحم آ گیا اور میری تشفی اس طرح فرمائی کہ میں نے مراقبہ کی حالت میں دیکھا کہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تشریف لائے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک بزرگ ہیں جن کا قد زیادہ لمبا نہیں اور ان کی ریش مبارک مہندی سے رنگی ہوئی ہے۔ یہ ہستی بڑی بارعب ہے۔ حضرت نے فرمایا، اٹھو اور قدم بوسی کرو، تمہارے جدامجد حضرت ابوایوب انصاری تشریف لائے ہیں۔ میں خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ آپ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے مجھے اپنے سینے سے لگالیا اور بہت ہی شفقت و محبت سے فرمایا، ہمارے پاس تمہارا روحانی ورثہ امانت ہے۔ آ کر اپنی امانت لے جانا۔

اس دعوت کے ۴۶ سال بعد عظیمی صاحب کو حضرت ابوایوب انصاری کے مزار شریف پر حاضری کا موقع ملا۔ جب روحانی طور پر حضرت ابوایوب انصاری سے ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ حضرت ابوایوب انصاری بہت خوش ہیں اور ان کے سینۂ مبارک سے نور کی ایک شعاع نکلی جو عظیمی صاحب کے سینے میں جذب ہو گئی۔ حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا ''سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتقل ہونے والا یہ نور جو میرے پاس تمہاری امانت تھا۔ آج میں نے تمہیں منتقل کر دیا۔''

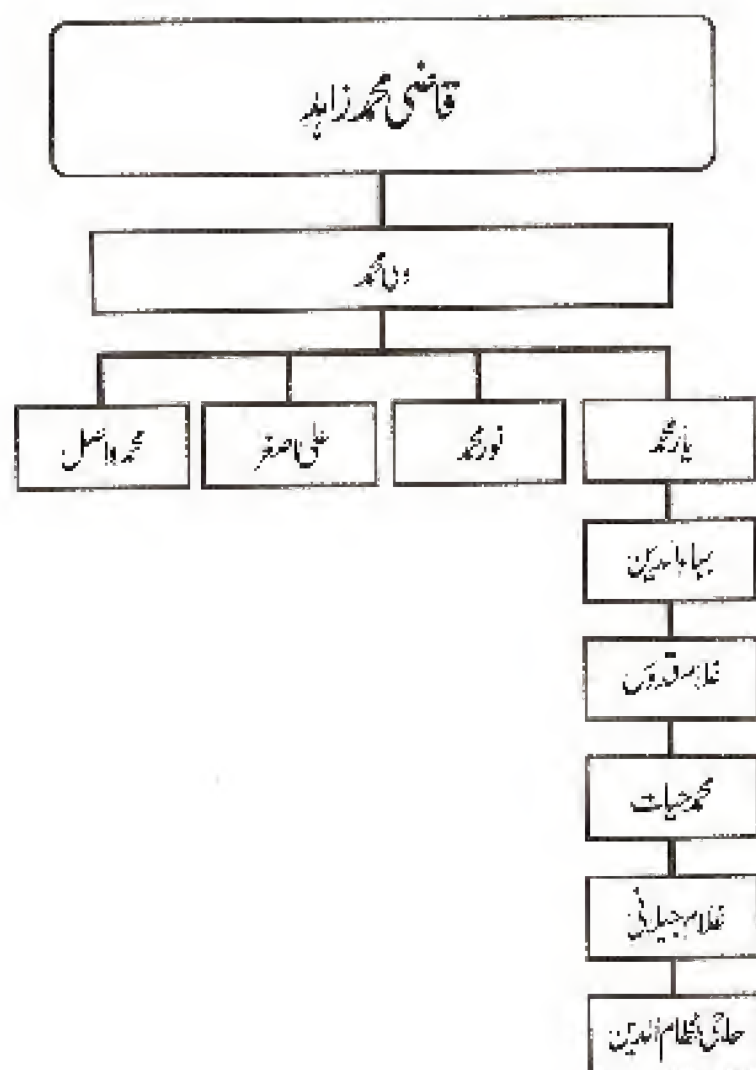
شجرہ نسب

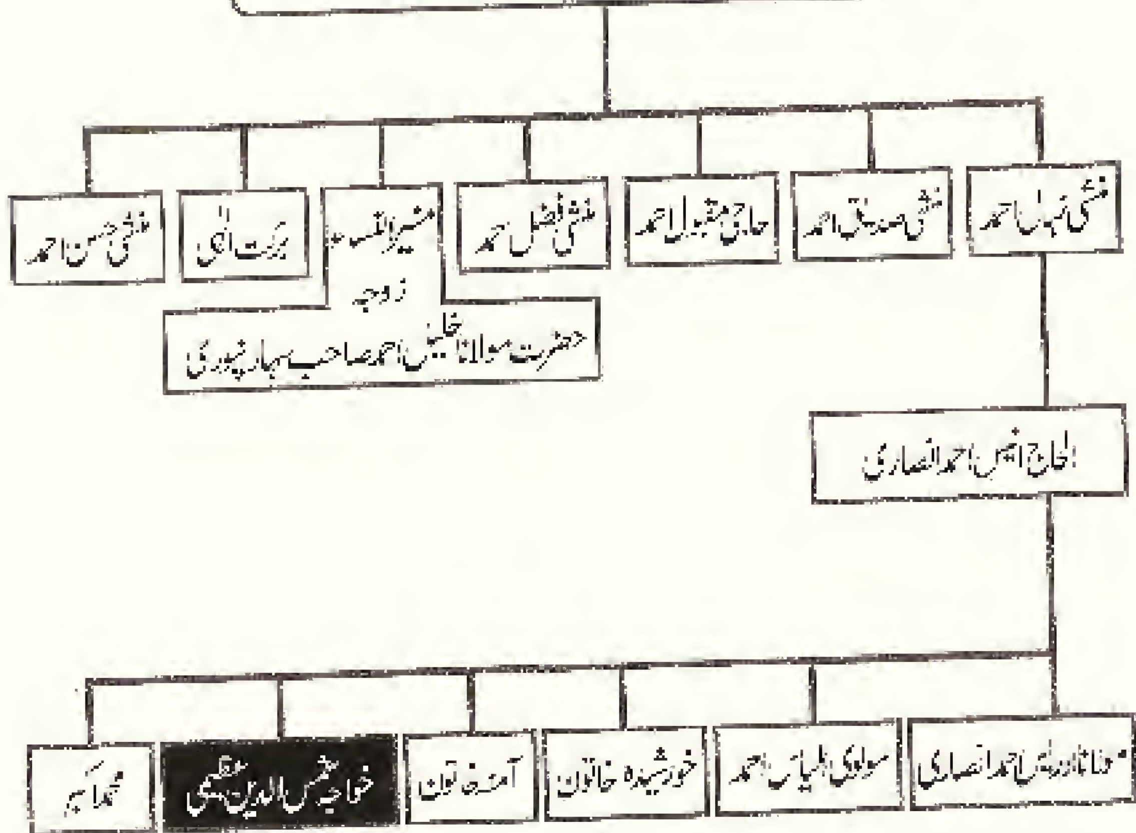
سیدنا حضرت ابوایوب خالد انصاری خزرجی مدنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
صحابی اور میزبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم



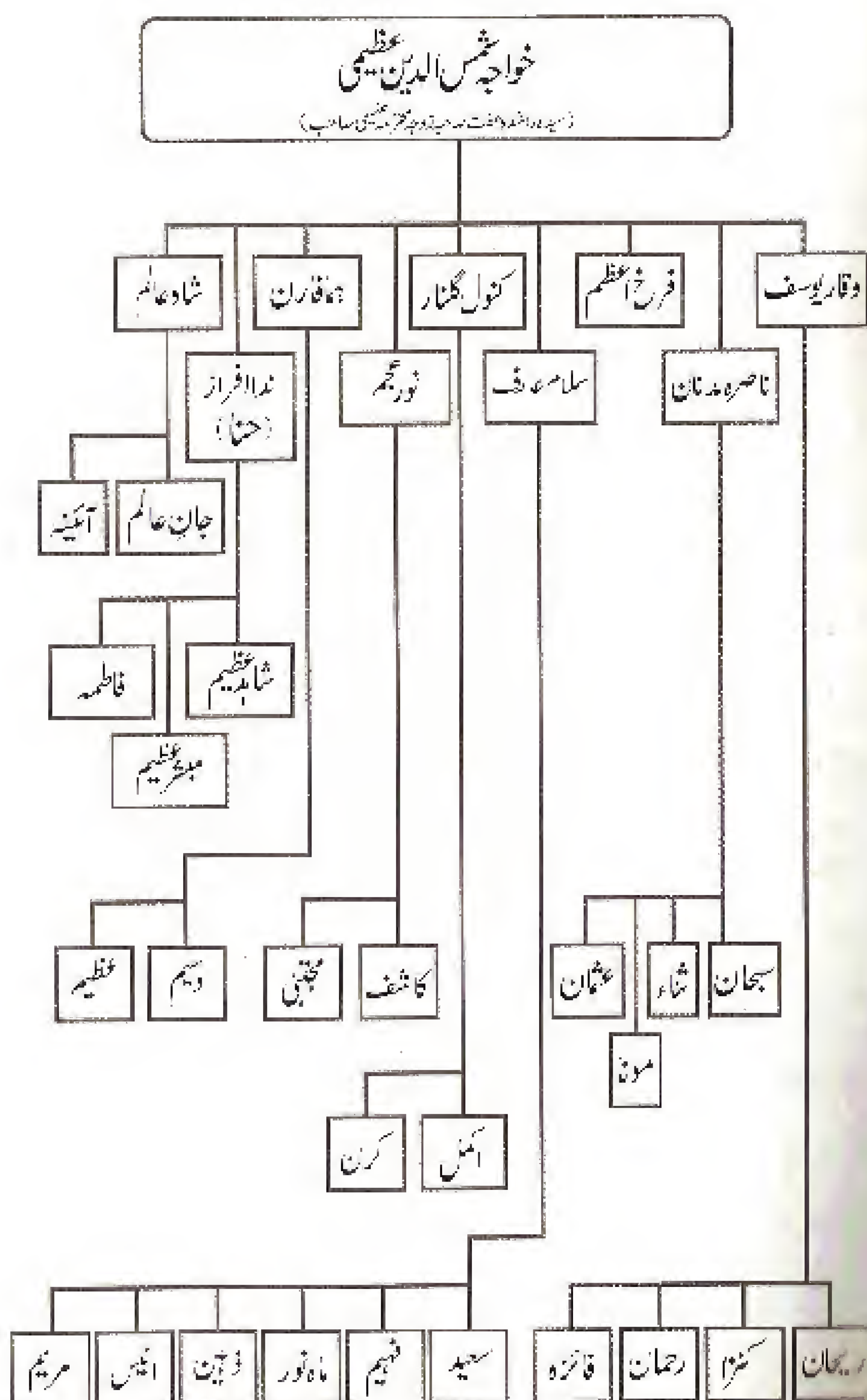


قاضی شمس الدین
قاضی محمد عادل
قاضی عثمان
خواجہ عبدالصمد
قاضی میراں
قاضی عبداللہ
قاضی عبداللطیف
قاضی محمد زاہد


قاضی محمد زاہد
ولی محمد
یار محمد
نور محمد
علی اصغر
محمد واصل
غلام قدوس
محمد حیات
غلام جیلانی
حاجی نظام الدین



حاجی نظام الدین
منشی نہال احمد
منشی صدیق احمد
حاجی مقبول احمد
منشی فضل احمد
مشیر النساء
زوجہ
حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری
برکت الٰہی
منشی حسن احمد
الحاج انیس احمد انصاری
مولانا ادریس احمد انصاری
مولوی الیاس احمد
خورشیدہ خاتون
آمنہ خاتون
خواجہ شمس الدین عظیمی
محمد اکبر



خواجہ شمس الدین عظیمی
وقار یوسف
فرخ اعظم
کنول گلنار
شاد عالم
ناصرہ مدنان
نور نجم
ندا افراز
(حنا)
جان عالم
آئینہ
شاہد عظیم
فاطمہ
مبشر عظیم
عظیم
وسیم
مجتبیٰ
کاشف
عثمان
ثناء
سبحان
کرن
اکمل
سعید
فہیم
ماہ نور
مریم
ریحان
رحمان
فائزہ

بچپن

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۷ء بروز پیر قصبہ پیرزادگان ضلع سہارن پور (یو۔پی) ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ جس وقت آپ پیدا ہوئے اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

روحانی اولاد

آپ کے والد الحاج انیس احمد انصاری صاحب نے آپ کی پیدائش سے پہلے خواب میں دیکھا کہ تہجد کا وقت ہے اور آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے۔ ذوق شوق سے آسمان میں لٹکی ہوئی قندیلوں کو دیکھ رہے تھے کہ ایک ستارہ آسمان سے ٹوٹا اور حاجی صاحب نے اپنا دامن پھیلا لیا۔ یہ ستارہ ان کے دامن میں آ گیا۔ اگلے روز شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے خواب بیان کی تو انہوں نے فرمایا، حاجی صاحب! مبارک ہو، آپ کی اولاد میں ایک اولاد روحانی ہوگی اور اس سے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن فروغ پائے گا۔

ماں کی تربیت

دادی اماں نے آپ کا نام ''شمس الدین انصاری'' رکھا اور اس وقت کی ایک نہایت بلند شخصیت مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے کھجور چبا کر منہ میں ڈالی۔ آپ کے گھر کا مزاج مذہبی تھا لیکن اس میں تعصب یا دوسرے مذہب کے لوگوں سے نفرت نہیں تھی۔ والد صاحب تو درس و تدریس سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہی تھے، والدہ صاحبہ نے بھی بچوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی۔

آپ کی والدہ صاحبہ نہایت پاکیزہ طبیعت، متقی اور پرہیزگار تھیں۔ بچوں کو ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہناتیں، میلے کپڑوں کے متعلق نصیحت تھی کہ میلے کپڑے اتارو تو انہیں تہہ کر کے رکھو۔ جو لوگ میلے کپڑے یونہی اتار کر پھینک دیتے ہیں وہ ناشکرے لوگ ہوتے ہیں اور وہ اپنی چیزوں کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ رات کو سلاتے وقت ہمیشہ سیدھی کروٹ لٹاتیں۔ صبح سویرے بیدار کر کے فرماتیں، اٹھو! صبح ہو گئی ہے۔ کلمہ پڑھو۔ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ عظیمی صاحب فرماتے ہیں اب بھی صبح کو جب میں اٹھتا ہوں، غیر اختیاری طور پر کلمہ زبان پر آ جاتا ہے۔ والد صاحب نو، دس سال کی عمر میں فجر کی نماز کے لئے اپنے ہمراہ مسجد میں لے جاتے تھے۔ عظیمی صاحب کو بچپن میں اذان دینے کا بہت شوق تھا۔ صبح سویرے پہلے آپ اذان دیتے اور پھر مؤذن اذان دیتا تھا۔

حافظ جی

عظیمی صاحب کے مزاج میں جو رواداری اور فراخدلی ہے اس میں بھی گھر کے ماحول اور تربیت کا اثر ہے۔ آپ کو اپنے اسلاف سے یہ عمل ورثہ میں ملا ہے کہ آدمی اپنے دنیاوی معاملات میں پوری پوری کوشش کرے۔ پوری جدوجہد اور کوشش کے بعد بھی حسب منشاء نتیجہ مرتب نہ ہو تو اس سارے معاملے کو اللہ کے اوپر چھوڑ دے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم انبہٹہ میں ایک مدرسے میں حاصل کی اور قرآن پاک حفظ کیا۔ چونکہ سبق جلدی یاد ہو جاتا تھا اس لئے کلاس میں شرارتیں کرتے تھے۔ حافظ جی مسواک یا شہتوت کی قمچیوں سے مارتے تھے یا سر کو گھٹنے میں دبا لیتے اور کمر پر کہنی سے مارتے تھے۔ ایک روز کسی نے پوچھا، حافظ جی آپ بچوں کو مارتے کیوں ہیں؟ حافظ جی نے جواب دیا۔ اس لئے کہ ہمارے استادوں نے بھی ہمیں مارا ہے۔

جنت دوزخ

جب آپ کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی ہوئی تو دیگر کھیل کود کے ساتھ ساتھ ایک مشغلہ یہ بھی تھا کہ گھر میں تین چار پائیاں کھڑی کر کے دو فرضی کمرے بناتے تھے۔ ایک میں سفید چادر بچھا کر پھول اور چینی رکھ دیتے۔ دوسرے حصہ میں کوئلے، لکڑیاں اور کانٹے وغیرہ رکھ دیتے۔ آپ کے خیال میں صاف ستھرا کمرہ جنت اور کاٹھ کباڑ والا، دوزخ تھا۔

ایک دن آپ گھوڑی پر سوار تھے۔ جب رفتار تیز ہوگئی تو گھوڑی کی پیٹھ پر کاٹھی نہ ہونے کے باعث زمین پر گر گئے۔ آپ کے نیچے گرتے ہی گھوڑی کا فوری ردعمل یہ تھا کہ وہ آپ کے اوپر اس طرح سے کھڑی ہو گئی کہ اس نے اپنی ٹانگوں کی مدد سے آپ کے گرد حفاظتی حصار قائم کر دیا اور یہ حصار اس وقت تک برقرار رکھا جب تک کہ کوئی فرد آپ کی مدد کے لئے نہیں پہنچ گیا۔ جب کسی چیز کی شدید ضرورت ہوتی تو اللہ تعالیٰ غیب سے مدد فرماتے تھے اور ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔

بچپن کے خواب

بچپن میں خواب بہت نظر آتے تھے جن میں زیادہ تر چاند اور ستارے نظر آتے تھے۔ سمندر، دریاؤں کے اوپر یا ایک پہاڑ سے دوسرے پر اڑتے تھے، یا کسی کنویں یا دریا پر نہاتے ہوئے خود کو دیکھتے تھے۔ انبہٹہ میں

ایک جگہ اتنے درخت تھے کہ دن میں زمین پر دھوپ نہیں آتی تھی۔ عموماً خواب میں آپ دیکھتے کہ سڑک کے ایک کنارے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہیں اور دوسرے کنارے پر وہ خود کھڑے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ گیند بلا کھیلتے تھے۔

آپ نے نو، دس سال کی عمر میں خواب میں دیکھا کہ گھپ اندھیرا ہے، آسمان ہے، ستارے جھلملا رہے ہیں۔ ستاروں کی جھلملاہٹ نے دل میں نور بھر دیا اور دل اتنا بے تاب ہوا کہ پسلیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ جسم تپ گیا کہ تیز بخار کا گمان ہوا۔ گلا رندھنے لگا۔ آنکھیں پتھرا گئیں۔ یکایک آسمان میں ایک روزن کھلا اور اس سے پانسے کی طرح کا ایک نورانی پتھر نیچے لڑھک گیا۔ اس ہشت پہلو پتھر پر ہر طرف ''اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ یہ نور علیٰ نور ''سنگ'' آپ کے سینہ پر دل کے مقام پر آ گرا اور آپ چیخ مار کے بے ہوش ہو گئے۔

صاحب خدمت بزرگ

خوابوں کی وجہ سے روحانیت کی طرف بہت زیادہ میلان ہو گیا تھا۔ عظیمی صاحب کو اگر پتا چل جاتا کہ کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں تو آپ وہاں ضرور پہنچ جاتے۔ جب بھی کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ بزرگ آپ سے مل کر بہت خوش ہوتے۔ محلّہ میں ایک بزرگ آیا کرتے تھے جو صرف آپ کے گھر یا آپ کی تائی اماں کے گھر روٹی کا سوال کیا کرتے تھے۔ وہ سالن نہیں کھاتے تھے۔ ان کے پاس پیاز ہوتا تھا، پیاز کے ساتھ روٹی کھاتے تھے۔ ان کی ناک طوطے کی طرح تھی اور محلے کے بچے انہیں میاں مٹھو کہتے تھے۔ ایک دن عظیمی صاحب نے بھی انہیں میاں مٹھو کہہ دیا۔ وہ جلال میں آ گئے اور مارا چیٹا۔ کہتے تھے، تو بھی کہے گا .... تو بھی کہے گا۔ عظیمی صاحب روتے ہوئے گھر گئے اور اپنی اماں سے شکایت کی۔ اماں نے فرمایا کہ تو نے ضرور چھیڑا ہو گا، اسی لئے انہوں نے تجھے سزا دی ہے۔ اس واقعہ کے بعد وہ بزرگ نظر نہیں آئے۔ جب آپ نے اس واقعہ کا تذکرہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا، وہ صاحب خدمت بزرگ تھے اور آپ پر ان کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے آپ کو سزا اس لئے دی کہ آئندہ آپ کسی فقیر کی شان میں گستاخی نہ کریں۔

پیشانی پر بوسہ

ایک مرتبہ دلی میں مولانا حسین احمد مدنی صاحب تشریف لائے۔ انہیں لینے کے لئے ریلوے اسٹیشن

پر بہت سارے لوگ آئے ہوئے تھے۔ حضرت عظیمی صاحب وہاں مجمع سے الگ کچھ دور کھڑے تھے۔ جب مولانا مدنی ریل سے اترے اوران کی نظر عظیمی صاحب پر پڑی تو وہ مجمع سے نکل کر آپ کے پاس آئے اور آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ دلی ہی میں قصاب پورہ مسجد میں ایک بزرگ حافظ فخر الدین صاحب عصر کی نماز پڑھنے آیا کرتے تھے اور عظیمی صاحب کی پیشانی پر بوسہ دے کر چلے جاتے تھے۔

ایک روز آپ مسجد گئے تو انہوں نے مسجد کے متولی سے کہا کہ اس سے کہنا کہ جمعرات کو مجھ سے ملے۔ جمعرات کو آپ مسجد گئے تو انہوں نے عظیمی صاحب کو حسب معمول گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا، تجھے پتا نہیں ہے کہ میں صرف تیرے لئے پیدل چل کر یہاں آتا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز کی بڑی پابندی فرمائی اور ایک سال سے زائد عرصہ تک حافظ صاحب کا یہ معمول رہا کہ وہ ہر جمعرات کو تشریف لاتے اور آپ کو پیار کر کے چلے جاتے۔

جوانی

جوانی میں ذہنی رجحانات صحت مند مشاغل کی طرف متوجہ ہونے کے باعث آپ کا جسم کسرتی، مضبوط اور اعصاب بہت طاقتور رہیں۔ پسندیدہ کھیل میں ہاکی اور فٹ بال ہیں۔ کچھ عرصہ پہلوانی بھی کی ہے اور ساتھ ہی ساتھ کشتی کے لئے اکھاڑے میں بھی اترے ہیں۔ بعض اوقات آپ دوستوں کے ہمراہ جنگل میں نکل جاتے اور وہاں درختوں سے لپٹ کر انہیں جڑ سے اکھیڑنے کی کوشش کرتے۔ ہاتھوں کو مضبوط کرنے کے لئے دیواروں میں مکے مارتے۔

چولستان کا جنگل

ایک بار بیٹھے بیٹھے دوستوں میں پروگرام بن گیا کہ روڑکی چلتے ہیں جو کہ تقریباً سولہ میل دور تھا۔ فیصلہ کیا اور پیدل روانہ ہو گئے اور حضرت صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ ایک مرتبہ دوستوں کے ساتھ ہرن کا شکار کرنے کے لئے آپ چولستان کا جنگل میں گئے۔ شومئی قسمت کہ وہاں آپ اپنے دوستوں سے بچھڑ گئے۔ دوست اپنے مقام سے آگاہ کرنے کیلئے رائفل سے فائر کرتے رہے لیکن کھلی فضا ہونے کے باعث آواز کی بازگشت سے سمت کا درست تعین کرنا دشوار تھا لہٰذا تلاش میں شام کا دھندلکا پھیلنا شروع ہو گیا۔ سانپوں سے ریت پر بننے والی لکیریں پیش آنے والی صورتحال کا اشارہ دے رہی تھیں۔ چولستان کے بارے

میں عام رائے ہے کہ اگر کوئی اس میں بھٹک جائے تو اس کی لاش بھی نہیں ملتی۔

عظیمی صاحب نے مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے رائفل سے فائر کر کے اسی جگہ بیٹھ کر اپنے دوستوں کے انتظار کا فیصلہ کیا۔ دوستوں کے ہمراہ ایک کھوجی تھا۔ وہ قدموں کے نشان دیکھ دیکھ کر بالآخر حضرت عظیمی صاحب تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔

نوجوانی کے ایام میں عظیمی صاحب سہارنپور سے دہلی آگئے۔ یہاں حکیم امتیاز الدین کی طبابت کا بہت چرچا تھا۔ دہلی میں آپ نے حکیم امتیاز الدین کی شاگردی اختیار کی اور ان سے دوا سازی اور نسخہ نویسی سیکھی۔

آفتاب نبوت

آپ کے بھائی مولانا ادریس احمد انصاری نے دہلی سے ''آفتاب نبوت'' کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجراء کیا اور آپ کو اپنی معاونت کے لئے کہا چنانچہ عظیمی صاحب نے رسالہ کے منتظم اور معاون مدیر کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۴۶ء کے آخر میں روزنامہ خلافت، بمبئی اور مولانا اختر علی خان کے اخبار زمیندار میں قیام پاکستان کے حق میں مضامین لکھے۔ عظیمی صاحب اپنے بھائی مولوی محمد الیاس انصاری کے ہمراہ ۱۹۴۷ء کے ایک دن مشرقی پنجاب کی ریاست ''پٹیالہ'' میں ماہنامہ آفتاب نبوت کی ترویج کے لئے آئے۔ یہاں آپ کا قیام ایک تحصیل دار کی وسیع وعریض، بلند و بالا حویلی میں تھا۔ اس دوران تقسیم ہند و پاک کے باعث پورے علاقے میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔

ہندو مسلم فسادات

وہاں کی خوں ریزی کے بارے میں عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر طرف ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ مشین گنوں کی تڑتڑاہٹ سے شعور معطل اور اعصاب مضمحل ہو رہے تھے۔

گھر سے باہر نکلنے والوں کو موت اچک لیتی تھی۔ جو لوگ گھروں میں بند تھے۔ ان کے گھروں کو نذر آتش کیا جا رہا تھا۔ قدرت کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ اس قتل و غارت گری میں تحصیل دار صاحب کا گھر محفوظ رہا۔ جب تھوڑا امن ہوا تو حویلی میں محصور افراد کو سات روز کی قید اور بھوک پیاس کی اذیت سے نجات ملی۔ جب میں گھر سے باہر نکلا تو سڑکوں پر مسلمانوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ مجھے ایک سڑک عبور کرنا

تھی، میں نے چاہا کہ سڑک اس طرح پار کروں کہ قدم لاشوں کے اوپر نہ پڑیں مگر سڑک لاشوں سے اٹی پڑی تھی اور مجھے مجبوراً پنجوں کے بل لاشوں کے اوپر سے گزر کر سڑک کی دوسری طرف جانا پڑا۔قتل و غارت گری کے باعث گھروں کی چھتوں پر سے خون ٹپک رہا تھا۔نالے خون آلود پانی سے بھرے ہوئے تھے۔بچے بلک رہے تھے۔خواتین چادر اور چاردیواری سے آزاد عبرت کا مرقع بنی ہوئی تھیں۔دولت کے انبار اور نوٹوں سے بھری ہوئی گٹھڑیاں مٹی سے بھی زیادہ بے وقعت ہوگئی تھیں۔

حشر کا سماں

ایک جگہ قرآن پاک کے مقدس اوراق بکھرے ہوئے تھے۔میں اللہ کی کتاب کے نورانی اوراق اپنے کرتے کے دامن میں جمع کرتے کرتے ''شیراں والہ دروازہ'' سے باہر نکل گیا۔شیراں والہ دروازہ کرفیو زدہ علاقے کا آغاز تھا۔وہاں نگرانی کے لئے سکھ فوجی کھڑے تھے۔ایک فوجی نے مجھے وارننگ دی اور بندوق تان لی۔میں نے اس سے کہا، اگر گرنتھ صاحب کے اوراق اس طرح زمین پر ہوتے تو کیا تم انہیں نہ اٹھاتے۔فوجی بندوق پر ہاتھ مار کر اٹینشن ہوا اور دونوں ایڑیاں پر گھوم گیا۔میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا کہ مسلمان اتنا بے حس ہوگیا ہے کہ اسے یہ بھی نظر نہیں آتا کہ قرآن کی بے حرمتی ہورہی ہے، گویا حشر کا سماں تھا۔آدھا دن اور ایک رات سڑک پر گزر گئی۔

اگلی ٹھٹھرتی صبح فوجیوں کے ساتھ لٹے پٹے افراد کا قافلہ کے ہمراہ شہر سے تقریباً ۳۰ میل دور مغلیہ دور کے بہادر گڑھ قلعہ میں جانے کے لئے روانہ ہوا۔یہ قلعہ مہاجر کیمپ تھا۔عجب بے سروسامانی کا عالم تھا۔علاج معالجہ کی سہولیات ناپید تھیں۔جو مرتا، لواحقین یا دوسرے افراد اس کی لاش سڑک پر رکھ دیتے۔صبح سویرے ٹرک آتا اور جمعدار کوڑے کرکٹ کی طرح لاشیں بھر کر لے جاتے۔ایک دن میرے ذہن میں آیا کہ دیکھنا چاہئے کہ ان لاشوں کو دفنانے کا کیا انتظام کیا جاتا ہے۔مجھے اس جگہ جانے کا موقع ملا جہاں تمام لاشوں کو دفنانے کا کیا انتظام کیا جاتا ہے۔مجھے اس جگہ جانے کا موقع ملا جہاں تمام لاشیں اکٹھی کر کے پہنچائی جاتی تھیں۔میں نے دیکھا وہاں ایک بہت بڑی کھائی تھی اور لاشیں اس میں پھینک دی جاتی تھیں۔یہ طریقہ ایک طرح سے مختلف النوع جانوروں کے لئے دعوت طعام تھا۔میں لاشوں کی اس قدر بے حرمتی دیکھ کر دلبرداشتہ ہوگیا۔

پانچ روپے

قلعہ میں رہائش کے لئے جو جگہ ملی وہ گھوڑوں کا اصطبل تھا۔ وہاں پانی بھرا ہوا تھا۔ کچھ پانی ہاتھوں کی مدد سے اور باقی ماندہ اِدھر اُدھر سے مٹی بھر کر نکالا گیا۔ میں بہت خوش ہوا کہ بستر مل گیا لہٰذا رات کو اس گیلی مٹی کے بستر پر سو گیا۔ صبح آنکھ کھلی تو مٹی کی نمی اور موسم کی ٹھنڈک کی وجہ سے جسم اکڑ چکا تھا۔ کسی نہ کسی صورت باہر سے لوگوں کو مدد کے لئے بلایا اور لوگوں نے مجھے اٹھا کر دھوپ میں بٹھا دیا۔ دھوپ کی تمازت سے اعصاب بحال اور جسم کے پٹھے متحرک ہوئے۔

اسی رات خواب میں والدہ محترمہ آئیں اور فرمایا، تو پریشان نہ ہو، تیری واسکٹ کی اندر کی جیب میں پانچ روپے ہیں، اس کو لے لے، اللہ بہت برکت دے گا۔ صبح اٹھتے ہی بھائی جان سے خواب کا تذکرہ کیا۔

بھائی جان کو بتایا کہ آپا جی نے کہا ہے کہ واسکٹ کی اندر کی جیب میں پانچ روپے ہیں۔ بھائی صاحب نے کہا، ہاں بھئی! ٹھیک ہے۔ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں۔ میں نے غیر اختیاری طور پر جیب میں ہاتھ ڈالا تو جیب میں سے پانچ روپیہ کا بالکل نیا نوٹ برآمد ہوا۔ میرے علم میں یہ بات تھی کہ قلعے کے باہر کچھ دکانیں وغیرہ ہیں جہاں کھانے پینے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ میں قلعہ کے دروازے میں کھڑے ہو کر باہر کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک فوجی آیا اور کہا، صاحب بلا رہے ہیں۔ میں اس کے ہمراہ لیفٹیننٹ صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے سوال کیا، دروازے پر کھڑے کیا کر رہے تھے۔ میں نے کہا کہ باہر کچھ دکانیں لگی ہوئی ہیں اگر قلعہ سے باہر جانے کا پاس مل جائے تو میں کچھ کھانے پینے کو لے آؤں۔ چار پانچ دن ہو گئے کچھ کھایا پیا نہیں۔ اس نے سوال کیا، پیسے ہیں آپ کے پاس؟ .... میں نے اثبات میں جواب دیا تو اس نے کہا، مجھے دے دیں۔ میں نے جب پانچ روپیہ کا نوٹ اسے دیا تو وہ اتنا نیا نوٹ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے حیرت سے پوچھا یہ تو بالکل نیا نوٹ ہے، کہاں سے آیا؟ میں نے اسے اپنا خواب سنا دیا۔ خواب سننے کے بعد لیفٹیننٹ صاحب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ اردلی کو بلوا کر میرے لئے چائے اور بسکٹ منگوائے۔ چائے اور بسکٹ کھانے کے بعد جب میں جانے کے لئے اٹھا تو اس نے ایک ''پاس'' دیا اور ساتھ ہی پانچ روپے بھی واپس کر دیئے۔ میں یقین اور بے یقینی کے عالم میں دفتر سے باہر آ گیا۔

فوجی کیمپ

گارڈ کو پاس دکھا کر قلعہ سے باہر نکلا، ایک دکان سے کچھ نمک، گھی کا ایک خالی کنستر اور چائے کے دو

ڈبے خریدنے کے بعد کھانے کے لئے کچھ چنے لے لئے۔

یہ سارا سامان لے کر واپس کیمپ میں آیا تو خیال وارد ہوا، یہ لوگ بھوکے، پیاسے ہیں۔ بغیر دودھ کے نمک کی چائے بناؤ۔ سوال ابھرا، کیا لوگ بغیر دودھ کی چائے خریدیں گے لیکن اگلا سوال اس سے زیادہ اہم تھا۔ چائے کے لئے پانی کہاں سے آئے گا۔ یہاں تو پانی کی صورت حال یہ ہے کہ ایک کنواں ہے جو کہ بالکل خشک ہو چکا ہے۔ جب پانی کی بہت زیادہ قلت ہوگئی تو ایک آدمی کو اس کنویں میں اتارا گیا۔ اس نے گیلی مٹی بالٹی میں بھر کر اوپر پہنچائی۔ وہ گیلی مٹی لوگوں میں تقسیم ہوئی تو مردوں نے اپنے کرتوں اور عورتوں نے دوپٹوں میں اس مٹی کو پوٹلی بنا کر چوسا تا کہ حلق تر ہو جائے۔ ریت چوس چوس کر گزارا ہو رہا ہے تو پانی کہاں سے آئے گا، کیا خواہ مخواہ بیکاری میں پیسے برباد کر دیئے۔ میں اسی سوچ میں فوجی کیمپ جا نکلا۔ ایک صوبے دار صاحب نے مجھ سے پوچھا......... یہاں کیوں کھڑے ہو۔ میں نے کہا اس لئے کھڑا ہوں کہ اپنی پاکستانی فوج ہے۔ صوبے دار نے خوشگوار حیرت سے کہا، کیا ہم اچھے لگتے ہیں۔ میں نے کہا، بہت اچھے لگتے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا۔ کھانے کا وقت تھا وہ مجھے اپنے ہمراہ بیرک میں لے گیا۔ کھانا کھلایا، بہت سی ہلکی پھلکی باتوں کے بعد جب میں واپس آنے لگا تو اس نے کہا، میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔ میں نے صوبے دار سے کہا کہ مجھے ایک کنستر پانی اور کچھ لکڑیاں چاہئیں۔ اس اللہ کے بندے، محمد صدیق صاحب نے ایک کنستر پانی اور لکڑیوں کا انتظام کر دیا۔

نمک کی چائے

میں نے صبح ہی صبح چائے تیار کی اور فی پیالی ایک آنہ قیمت مقرر کی۔ لوگوں کے لئے یہ ایک بالکل نئی چیز تھی لہٰذا اس کے حصول کے لئے لائن لگ گئی۔ خوب چائے بکی۔

ایک کنستر میں پتا نہیں کتنی پیالی چائے نکل آئی۔ اس دوران بعض لوگوں نے چائے کی رقم ادا کر کے بقایا لینے کا تکلف بھی نہیں کیا۔ جب میں نے پیسے گنے تو کئی روپے تھے۔ کیمپ سے باہر آنے جانے میں دشواری نہ ہونے کے باعث دو تین دن تک نمک کی چائے بنائی۔ کچھ دنوں میں مزید لوگوں کو ''پاس'' مل گئے تو ان میں سے کچھ نے دودھ کی چائے بنا کر فروخت کرنا شروع کر دی۔ دودھ کی چائے نے مجھے ہوٹل کھولنے کا راستہ دکھایا اور اگلے چند دنوں میں ہوٹل کھل گیا۔

گنگارام

کیمپ میں ساڑھے تین مہینے گزارنے کے بعد اسپیشل ٹرین کے ذریعے میں لاہور پہنچا۔ جو قافلے تقسیم پاک و ہند کے وقت ریلوں میں سفر کر کے آئے ہیں انہیں آج بھی یاد ہے کہ ریلوں کی چھتوں پر کس طرح یخ بستہ ہواؤں میں لوگوں نے سفر کیا ہے۔ جو جہاں گر گیا اسی جگہ مر گیا۔ بے گور و کفن لاشیں ریلوے لائن کے دونوں اطراف نظر آتی تھیں۔ پاک فوج ریلوں میں آنے والے قافلوں کی محافظ نہ ہوتی تو شاید وہاں سے ایک فرد بھی پاکستان زندہ نہ آتا۔ نہایت کسمپرسی کے عالم میں لاہور پہنچا تو دوران سفر، میں اپنے بھائی سے بچھڑ گیا۔ لاہور میں کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ ایک صاحب مجھے اپنے ہمراہ گھر لے گئے۔ گھر پہنچے تو گھر والوں نے مجھے ٹھہرانے سے انکار کر دیا۔ سخت سردی میں، میں نے ساری رات گھر کے قریب پرانے طرز تعمیر کی ایک دکان کے تھڑے پر بیٹھ کر گزاری۔ دوسرے دن میں نے بھائی کی تلاش شروع کی تو پتہ چلا کہ وہ مقبوضہ خواتین کے کیمپ ''گنگارام گرلز اسکول'' میں ہیں۔ میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں پہنچا اور دو تین دن وہاں رہا۔

صادق آباد

بھائی صاحب نے میری ملازمت کے سلسلہ میں ڈپٹی کمشنر عبدالباری صاحب سے بات کی۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کا تعلق پٹیالہ اسٹیٹ سے تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ کو پٹواری کی نوکری دلوا دیتے ہیں۔ مجھے یہ پیش کش پسند نہیں آئی اور میں ریاست بہاولپور کے شہر صادق آباد چلا گیا۔ والد صاحب نے ۱۹۳۹ء میں صادق آباد میں ۱۵۰ روپیہ فی مربع کے حساب سے دو مربع زمین خریدی تھی اور میں ان کے ہمراہ یہاں رہ چکا تھا۔

صادق آباد کے لئے ریل گاڑی اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی ساڑھے تین دن میں منزل پر پہنچی۔ جب میں اسٹیشن پر اترا تو تین دن کا بھوکا تھا۔ اسٹیشن پر جوار اور گڑ کے لڈو ایک پیسہ میں دو بک رہے تھے لیکن جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیسے نہ تھے۔ شاید دوران سفر گر چکے تھے۔ نقاہت سے آنکھوں کے سامنے اسٹیشن ہنڈولے کی طرح گھوم گیا اور میں چکرا کر بیٹھ گیا۔ طبیعت پر اس قدر ریزاری طاری ہوئی کہ خودکشی کا فیصلہ کر لیا۔ سگنل کی طرف دیکھا تو وہ گرین تھا۔ میں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پلیٹ فارم سے نکل آیا اور ریلوے لائن پر بیٹھ گیا۔ ذہن میں آیا کہ بے کار زندگی کا کیا فائدہ۔

نادیدہ ہاتھ

ریل گاڑی لحہ بہ لحہ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ریل کی گڑگڑاہٹ اور ہارن کی آواز سے دماغ شل ہونا شروع ہو گیا لیکن میں جم کر بیٹھ گیا۔اس سے پیشتر کہ ریل میرے اوپر سے گزرتی، مجھ کو نادیدہ ہاتھ محسوس ہوئے جنہوں نے مجھے پلک جھپکتے میں ریلوے لائن سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔ میں لڑھکتے ہوئے دور تک چلا گیا۔اس خیال سے کہ آدمی اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا مجھ پر مایوسی طاری ہو گئی۔

اس کرب اور بے اطمینانی کے عالم میں دادی اماں نے مجھ سے روحانی طور پر فرمایا، بیٹا، انتظار کر تیرے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہو چکی ہے۔ایک عظیم بندہ تیرے اوپر انسانی شماریات سے بہت زیادہ اپنی شفقتیں محیط کر دے گا۔تو میرا سورج ہے، تیری روشنی پھیلے گی۔

تعارف کا عمل

میں وہاں سے والد صاحب کے دوست حاجی تاج الدین صاحب کی دکان (ان کی لکڑی کی دکان تھی) پر پہنچا۔وہ حساب کتاب میں مصروف تھے۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے جواباً کہا بھئی! معاف کرو۔پھر کہا، بھائی میں نے کہا معاف کرو۔ میں کھڑا رہا۔انہوں نے غور سے دیکھا اور پوچھا ''شمس الدین'' ہو۔میں نے اثبات میں جواب دیا تو مجھ سے لپٹ گئے اور کہا، یہ تو کس حال میں ہے۔

وہ مجھے اپنے گھر لے آئے۔ پہننے کے لئے کپڑے دیئے۔سفر نے جسمانی اور ذہنی طور پر تھکا دیا تھا لہٰذا پرسکون ماحول ملتے ہی میں سو گیا۔سو کر اٹھا تو میرے لئے نیا کرتا، پاجامہ، نئی ٹوپی اور نیا جوتا موجود تھا۔ کھانا کھانے بیٹھا تو نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترا۔حاجی صاحب مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تو اس نے کہا ان کا گلا خشک ہو گیا ہے، ان کے گلے سے کوئی چیز اتر نہیں سکتی۔انہیں لٹا کر دودھ میں بادام روغن یا زیتون کا تیل ملا کر حلق میں ڈالیں اور گلے کو سہلا، سہلا کر اسے اتارنے کی کوشش کریں۔اگر دودھ حلق سے اتر گیا تو یہ جئیں گے ورنہ یہ مر جائیں گے۔گھر واپس آ کر حاجی صاحب نے بھرپور کوشش کر کے دودھ کی کچھ مقدار حلق سے نیچے اتار دی۔اس کامیابی پر حاجی صاحب بہت خوش ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد میرا ذہن معاش کی طرف متوجہ ہوا اور نوکری کی تلاش شروع کر دی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاشی استحکام عطا فرمایا۔حالات نے پھر کروٹ لی اور مجھے صادق آباد چھوڑنا پڑا۔تقریباً ڈھائی سال کے بعد جب میں صادق آباد سے کراچی کے لئے روانہ ہوا

تو خالی ہاتھ تھا۔فطرت اپنے غیر معمولی واقعات کو معمولی تعارف سے شروع کرتی ہے اور میں بھی تعارف کے عمل سے گزرنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

معاش

معاشی مصروفیات کے متعلق عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ کم عمری سے ہی میری معاشی مصروفیات کا آغاز ہوگیا تھا۔ بہت محنت اور جدوجہد کی۔ ذہن تجارت کی طرف مائل رہا اور جس طرح بھی ممکن ہوا کاروبار کو ترجیح دی لیکن ملازمت بھی اختیار کی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۳ء تک کے مختصر عرصہ میں فٹ پاتھ سے لے کر فیکٹری تک کاروبار کو وسعت دی۔

ٹوکرے میں پھل رکھ کر بھی بیچے۔ کپڑوں کی گٹھڑی کمر پر رکھ کر گاؤں گاؤں جا کر کپڑا فروخت کیا۔ کتابیں بیچیں، چکی لگائی، تختے پر قینچیاں بیچیں۔ کاروبار کے لئے یہ نہیں سوچا کہ ترقی ہوگی یا تنزل ہوگا۔ بس کام شروع کردیا، بہت برکت ہوئی یا وہ کام بالکل ہی ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کوئی نیا راستہ نکال دیا تو اس پر چل پڑا۔ ملازمت ملی تو ملازمت کرلی۔ کوئی چھوٹا موٹا کام شروع کیا تو اس میں مصروف ہوگیا۔

کسرتی جسم

صادق آباد میں حصول معاش کے لئے ابتدائی طور پر محنت مزدوری کی۔ بوریاں بھی اٹھائیں اس زمانے میں ایک آنہ فی بوری اٹھانے کے ملتے تھے۔ کسرتی جسم ہونے کے باعث دن میں اچھی خاصی بوریاں اٹھالیتا تھا۔ بہنوئی صاحب مجھے یہ کام کرتے دیکھ کر رو پڑے۔ میں نے کہا، مزدوری کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس کام کے میں پیسے لیتا ہوں۔ دن گزر گئے اور معاشی استحکام کے بعد صادق آباد میں شکر اور کپڑے کی ہول سیل کی دکان کے علاوہ آڑھت کی دکان بھی کی۔

فاؤنڈر ہمدرد

حکیم محمد سعید صاحب سے میری شناسائی ۱۹۴۹ء سے تھی۔ کراچی پہنچ کر ان کے ساتھ ''مجلس تشخیص و تجویز'' میں بحیثیت معالج کام شروع کیا۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ حکیم صاحب نے جب آرام باغ پر مطب شروع کیا تو اس وقت اوپر کی منزل میں دو بڑے کمرے اور ایک چھوٹا کمرہ تھا۔ فروٹ کی چار عدد پیٹیاں میز کا کام اور ایک پیٹ بطور اسٹول استعمال ہوتی تھی۔ ہمدرد کی ملازمت چھوڑنے کے کافی عرصہ بعد ایک روز حکیم صاحب سے ملنے گیا تو استقبالیہ پر موجود صاحب نے بتایا حکیم صاحب میٹنگ میں ہیں۔ میں نے ایک پرچی پر

اپنے نام کے ساتھ فاؤنڈر ہمدرد لکھ کر کہا یہ حکیم صاحب کو بھجوا دیں اگر بلا لیا تو ٹھیک ہے ورنہ میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا۔ پرچی بھیجنے کے فوراً بعد حکیم صاحب نے مجھے بلوا لیا اور بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا، بھائی! آپ ہمدرد کے فاؤنڈر کیسے ہو گئے۔ میں نے کہا، آپ کے ادارے میں اس وقت کام کیا جب اسٹاف کے لئے میز کرسی نہیں تھی۔ حکیم صاحب یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کھڑے ہو کر بغل گیر ہو گئے۔ بہت دیر تک پرانے دور کی باتیں کرتے رہے۔ حکیم صاحب نے مسعود برکاتی صاحب سے کہا، بھائی! سب کو بلاؤ ہم سب کو ہمدرد کے فاؤنڈر سے ملوائیں گے۔

کام میں وسعت

ہمدرد کے علاوہ میں نے کچھ عرصہ سرکلر ریلوے میں بحیثیت ڈرافٹ مین ملازمت کی، جب ملازمت سے کچھ پیسے جمع ہو گئے تو کپڑے کی بروکری کا آغاز کیا۔ اس کام میں ترقی ہوئی تو انڈینٹنگ اور اس میں تجربہ ہو گیا تو ایکسپورٹ کا آغاز کیا۔ اس کام میں وسعت کے بعد گارمنٹ کی فیکٹری قائم کی اور ۱۹۵۳ء میں شیئرز کے لین دین سے منسلک ہو گیا۔

حضور قلندر بابا اولیاء سے ملاقات

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب جب ۱۹۵۰ء میں کراچی پہنچے تو آپ کے معاشی حالات کمزور تھے۔آپ کے بڑے بھائی صاحب نے ماہنامہ ''آفتاب نبوت'' کی رقم کے لئے پاکستان میں آپ کا پتا دے دیا تھا۔اللہ تعالیٰ کے کرم سے جب بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی رسالہ کی رقم منی آرڈر کے ذریعے آجاتی تھی۔ ایک مرتبہ رسالہ کی رقم منی آرڈر کے بجائے ڈرافٹ کی صورت میں آئی۔اس وقت آپ کو بینکنگ وغیرہ کا کچھ زیادہ تجربہ نہیں تھا۔آپ کے ایک دوست ڈاکٹر رشید صاحب ڈان اخبار میں سرکولیشن منیجر تھے۔آپ نے ان سے ڈرافٹ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ڈرافٹ مجھے دے دیں، میں اکاؤنٹ میں ڈال دوں گا۔آپ نے ڈرافٹ ان کو دے دیا۔جب ڈاکٹر رشید صاحب تین چار دن نہیں آئے تو آپ ان سے ملنے ڈان اخبار میں چلے گئے۔رشید صاحب سیٹ پر موجود نہیں تھے۔

پرسکون چہرہ

ایک صاحب نے شیریں مگر مردانہ بھاری آواز میں کہا، آیئے تشریف رکھیں۔کیا کام ہے۔آپ نے سوال کیا.........ڈاکٹر رشید صاحب کہاں ہیں۔ان کی طبیعت ٹھیک نہیں اور دو تین چار روز سے دفتر نہیں آ رہے۔انہوں نے آپ کے لئے چائے منگوائی اور پھر گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔انہوں نے آپ کی عمر اور آپ کے جذبات کی مناسبت سے دو شعر سنائے۔

آپ کی آنکھوں میں چمک اور خمار کے سرخ ڈورے دیکھ کر انہوں نے دل پر نشتر رکھ دیا۔محبت کرتے ہو، بے وفائی کے ساتھ۔بے وفا بننا محبت کے ساتھ اس دنیا کی ریت ہے۔ایک حجاب آپ کے اوپر چھا گیا۔پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک گئیں۔آپ کے اندر کا چور پکڑا گیا تھا۔آپ بوجھل قدموں سے اٹھے، سلام کیا اور رخصت چاہی تو انہوں نے کہا، پان تو کھاتے جایئے۔غرض کہ جب آپ ان کے پاس سے جانے کے لئے اٹھے تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ ابھی دنیا میں محبت باقی ہے۔ابھی محبت کا دور ختم نہیں ہوا۔ آپ ان کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے کہ دوست کا دوست ہونے کی بناء پر اتنا احترام کیا ہے۔آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا پرسکون چہرہ دیکھا تھا، آپ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس زمانے میں کسی بندے کو اتنا سکون میسر آ سکتا ہے۔

نیا نیا پاکستان بنا تھا۔ ہندوستان سے آنے والے لوگ اپنے اپنے مسائل میں گھرے ہوئے تھے۔ شہزادیاں ٹاٹ کے پردوں میں بندر روڈ کے فٹ پاتھوں پر معاملات حیات وزیست میں الجھی ہوئی تھیں۔ کبرو نخوت کی بڑی بڑی تصویریں آرام باغ کی پتھریلی زمین پر شب بسری پر مجبور تھیں۔ جن خواتین کا کسی نے آنچل نہیں دیکھا تھا وہ حوائج ضروریہ کے لئے قطار در قطار کھڑی نظر آتی تھیں۔ جن مرد وخواتین نے کبھی ناک پر مکھی کو نہ بیٹھنے دیا تھا وہ بھیک کے بڑے بڑے پیالے لے کر ناشتے اور دوپہر کی روٹی کے لئے انتظار کرتے تھے۔ زیادہ لوگ ایسے تھے جو خورد ونوش اور رہائش کے لئے فکرمند تھے۔ ہر آدمی پریشانی کا پیکر تھا اور آپ بھی انہیں میں سے ایک فرد تھے۔

جب آپ نے ڈاکٹر رشید صاحب سے ان صاحب کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بتایا، اچھا! بھائی عظیم سے ملے ہوگے، یہاں سب ایڈیٹر ہیں۔ بہت اچھے اور شفیق انسان ہیں، بہت عالم فاضل ہیں۔

رضامندی

وقت کے ساتھ ساتھ آپ معاشی تگ ودو میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۵۰ء میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ اور تبلیغی جماعت کے بانی مولانا الیاس صاحب کے پیر بھائی حافظ فخر الدین صاحب تبلیغی جماعت کے ہمراہ سکھر (پاکستان) میں تشریف لائے۔ انہوں نے آپ کے بڑے بھائی مولوی محمد ادریس انصاری صاحب کو خط لکھا کہ شمس الدین سے کہیں کہ مجھ سے سکھر میں ملاقات کرے۔ آپ اس وقت صادق آباد میں تھے۔ آپ بھائی صاحب کے ہمراہ سکھر روانہ ہوگئے۔ وہاں ایک روز عیدگاہ، سکھر میں عصر کی نماز کی ادائیگی سے پہلے حافظ صاحب نے آپ سے فرمایا، نماز کے بعد کہیں جانا نہیں۔ عصر کی نماز کے بعد حافظ صاحب نے وہیں عیدگاہ میں اپنے رومال کو بچھا کر اس پر آپ کو بٹھا کر فرمایا، میں تجھے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی رضامندی سے انہوں نے آپ کو بیعت کرلیا اور سلسلہ چشتیہ کے اسباق تجویز فرمائے۔

اس زمانہ میں آپ کے معاشی حالات انتہائی ابتر تھے۔ اس دوران آپ کے شریک کار نے آپ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ آپ سلسلہ چشتیہ کے اسباق چھوڑ دیں۔ جب آپ کسی طرح راضی نہیں ہوئے تو حکیم یعقوب صاحب کو آپ کے پیچھے لگا دیا۔ آپ ان کو بزرگ مانتے تھے۔ وہ ہمیشہ آپ سے ایک بات ہی کہا کرتے تھے کہ یہ سب کام بڑھاپے میں کئے جاتے ہیں۔ تم کس چکر میں پڑ گئے ہو۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔ ادھر حالات اتنے دگرگوں ہوگئے کہ روٹی کپڑا چلانا مشکل ہوگیا۔ حالات نے آپ کی تحریکات کو سرد کردیا، آپ نے حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور سلسلہ چشتیہ کا سبق پڑھنا ترک کردیا۔

جس رات آپ نے سبق پڑھنا چھوڑا، اسی رات حافظ فخر الدین صاحب کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا، تو صرف تین مہینے اور صبر کر لے۔ کپڑوں کی پرواہ نہ کر۔ تین مہینے گھر میں بیٹھ کر گزارا دے۔ کھانے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔ تجھے بھوکا نہیں رہنے دوں گا۔ مگر آپ نے حافظ صاحب کے فرمانے پر عمل نہیں کیا۔ آپ کے اس طرز عمل سے حافظ صاحب بہت دل برداشتہ ہوئے اور متواتر ایک ہفتہ تک خواب میں آ کر فرماتے رہے، ارے کم ہمت! لوگ تو بیس بیس سال کوشش کرتے ہیں۔ تو کس قدر نادان ہے کہ تین ماہ بھی صبر نہیں کر سکتا۔

ہزاروں کا مجمع

اسباق ترک کرنے کے چھ ماہ آپ کو حافظ صاحب کے وصال کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت ملال ہوا۔ اور رہ رہ کر یہ خیال ستانے لگا کہ تو بہت کندہ ناتراش ہے کہ تین مہینے صبر نہیں کر سکا۔ اسی دوران آپ کو کاروباری سلسلے میں سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ چوہدری اقبال حمید صاحب سے تعاون ملا۔ ان میں کچھ ایسی کشش تھی کہ آپ ان کی طرف کھنچتے چلے گئے۔ چوہدری صاحب کے ذریعہ آپ کو بابا غلام محمد صاحب، خلیفہ بابا جنگو شاہ قلندری (حضرت چوہدری صاحب کے دادا پیر) کے عرس کی تقریبات میں شرکت کے لئے لاہور جانے کا موقع ملا اور آپ اپنے شریک کار کی شدید مخالفت کے باوجود چوہدری صاحب کے ساتھ لاہور روانہ ہو گئے۔ ریل میں انٹر کلاس میں اوپر نیچے سیٹیں ریزرو کرائی گئی تھیں۔ بہت اصرار کے ساتھ چوہدری صاحب نے آپ کو اوپر کی سیٹ پر لٹا دیا۔ آپ نے ہر چند منت سماجت کی کہ حضور یہ بے ادبی اور گستاخی ہے کہ میں اوپر کی سیٹ پر بیٹھوں اور رات کو آرام کروں مگر انہوں نے فرمایا، یہ میرا حکم ہے۔

آپ نے حکم کی تعمیل کی اور رات کو اوپر سو رہے۔ صبح بیدار ہونے کے بعد آپ کو یہ بات بہت عجیب معلوم ہوئی کہ آپ جب بھی اپنی آنکھیں بند کرتے آپ کو باغات، دریا، پہاڑ، خوبصورت پھول اور دور دور کے شہر نظر آتے تھے لہٰذا آپ نے بھی باقی سفر میں ضرورت کے علاوہ آنکھیں نہیں کھولیں۔ شام کے وقت لاہور پہنچے۔ اگلے روز صبح کے وقت قلعہ گوجر سنگھ میں حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردی صاحب کے دربار میں حاضری ہوئی۔

چوہدری صاحب نے آپ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، حضرت جی! میں اس کو آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ حضرت صاحب نے خوشی کا اظہار فرمایا اور آپ کو اپنے قریب بلا کر نہایت گرم جوشی سے مصافحہ فرمایا۔ عرس کی تقریبات شروع ہونے سے قبل خاص طور سے آپ کو انتہائی پچھلی صفوں سے بلا کر اسٹیج پر بٹھایا۔ کھانا شروع ہوا تو انہوں نے آپ سے فرمایا، کھانا میرے ساتھ کھانا۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد کمرہ میں اپنے

پاس بٹھایا اور بہت سی ہلکی پھلکی باتیں کیں۔ آپ حیران و پریشان یہ سب دیکھ رہے تھے کہ ہزاروں کے مجمع میں آخر انہی کے ساتھ یہ التفات کیوں ہیں۔ اگلی صبح چوہدری صاحب کے کسی دوست کے ہاں موچی دروازے میں ناشتہ کی دعوت تھی۔ ناشتہ کے بعد تمام حضرات چوہدری صاحب کے ہمراہ پاک پتن شریف کے لئے روانہ ہوئے۔

پاک پتن شریف

پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے مزار پر حاضری کے دوران آپ کی زندگی کا سب سے اہم واقع پیش آیا۔ فاتحہ خوانہ کے دوران دیکھتے ہی دیکھتے قبر شق ہوگئی اور بابا فرید کی زیارت نصیب ہوئی۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے رحل پر قرآن پاک رکھا ہوا ہے اور وہ تلاوت میں مصروف ہیں۔ اس مشاہدہ سے آپ کے ذہن میں یقین اور بے یقینی کے دو رخ بیدار ہو گئے۔ بہت سے سوال ایک ساتھ ابھرے۔ میں نے بابا فرید کو دیکھا، کیسے دیکھا، مرا ہوا آدمی کیسے نظر آ سکتا ہے۔ میں نے ہی کیوں دیکھا، کسی اور نے کیوں نہیں دیکھا۔

مزار پر حاضری کے بعد، پاک پتن میں چوہدری صاحب کے ایک مرید کے گھر کھانے کا انتظام تھا۔ وہاں سب ہنس بول رہے تھے اور آپ گم سم بیٹھے تھے۔ چوہدری صاحب نے پوچھا تم کیوں پریشان ہو۔ آپ نے فرمایا، میں حیران ہوں۔ پوچھا، کیا پریشانی ہے۔ آپ نے قبر کے شق ہونے اور حضرت بابا فرید گنج شکر کی زیارت کا واقعہ سنا دیا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ حیران ہو گئے بلکہ کچھ صاحبان پر تو انتہائی مایوسی طاری ہوگئی اور وہ اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکے کہ ہم اتنے پرانے مرید ہیں۔ ان کو آئے ہوئے ایک دو ہفتے ہوئے ہیں اور مرید بھی نہیں ہوئے۔ ان پر شیخ کی اتنی عنایت کہ بابا صاحب کی زیارت کرا دی۔ چوہدری صاحب نے پوچھا، تم نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ آپ نے عرض کی، میں اس کو شعبدہ سمجھتا ہوں۔ آپ ہپناٹزم میں باکمال ہیں اور آپ نے مجھے ہپناٹائز کر دیا تھا۔ حضرت چوہدری صاحب ہنسے اور فرمایا، ہپناٹزم کا بھی تجھے پتا چلے گا۔

نقطۂ انقلاب

اس کے بعد لاہور ہی میں ایک دن حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضری کا پروگرام بن گیا۔ جس وقت کار بادامی باغ میں داخل ہوئی تو آپ کی آنکھیں بوجھل ہو کر بند ہو گئیں۔

آپ نے دیکھا، ایک دبلے پتلے بزرگ کار کے ساتھ ساتھ پیدل چوہدری صاحب سے باتیں کرتے جارہے ہیں۔ آپ نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا تو کچھ بھی نہیں تھا۔ آنکھیں بند کیں تو پھر وہی منظر سامنے تھا۔ آپ کو اس بات پر تعجب ہوا کہ کار کی ۴۰ میل کی رفتار کے ساتھ کوئی آدمی پیدل کیسے چل سکتا ہے۔ جب سب حضور قبلۂ عالم، ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر حاضر ہو گئے تو آپ نے چوہدری صاحب سے درخواست کی کہ حضور! داتا صاحب کی زیارت ہو جائے تو میں آپ کو قرآن شریف سناؤں گا۔

تمام افراد آنکھیں بند کر کے مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک میدان ہے۔ اس میدان میں ایک درخت ہے۔ درخت کے نیچے چارپائی بچھی ہوئی ہے اور چارپائی پر وہی بزرگ تشریف رکھتے ہیں جو کار کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ ابھی آپ اس حیرانی میں گم تھے کہ حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور آپ سے فرمایا، آؤ اور حضور داتا صاحب کی قدم بوسی کرو۔ آپ نے حضور داتا صاحب کو سلام کیا اور قدم چومے۔ داتا صاحب نے فرمایا، ہم نے سنا ہے تم قرآن بہت اچھا پڑھتے ہو۔ ہمیں بھی سناؤ۔ آپ نے سورۂ حشر کا آخری رکوع قرأت کے ساتھ تلاوت کیا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ کی آواز قبر کے باہر بھی ایسے ہی آرہی تھی جیسے قبر کے اندر۔ حضور داتا صاحب نے قرآن پاک سن کر انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور آپ کے سر پر ہاتھ رکھا۔ تمام افراد فاتحہ پڑھ کر واپس آگئے۔ یہ آپ کی تلاش حقیقت کا نقطۂ انقلاب تھا کہ آپ کی ان بزرگان عظام سے ملاقات کس طرح ہوئی اور آپ نے کس طرح ان کا مشاہدہ کیا۔

ہاتف غیبی

ایک دن میکلوڈ روڈ (کراچی) پر جاتے ہوئے آپ کو آسمان سے آواز آئی، حاجی! امداد اللہ مہاجر مکی کو سوا لاکھ مرتبہ درود شریف، تین لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ اور پانچ قرآن شریف پڑھ کر بخش دے۔

پھر آواز آئی پانچ قرآن حضرت ادریس علیہ السلام اور پانچ قرآن حضرت خضر کو پڑھ کر ایصال ثواب کر۔ آپ نے ہاتف غیبی کی اس آواز کی تعمیل میں عمل شروع کر دیا۔ ظہر کی نماز کے بعد سے مغرب تک کلمہ

طیبہ اور عشاء کی نماز کے بعد تہجد تک درود شریف پڑھنے کے لئے اوقات مقرر کئے۔ جب کلمہ طیبہ کی تعداد پوری ہوئی تو آپ پر غیب منکشف ہونے لگا اور دل میں وقفہ وقفہ سے درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ لیکن آپ دیوانہ وار تعمیل حکم میں مشغول رہے۔

زعفران کے کھیت

ایک روز آپ اپنے شریک کار کو اسٹیشن چھوڑنے گئے تو پلیٹ فارم پر آپ کے دل میں درد نے شدت اختیار کر لی اور درد کی شدت میں اضافے کے ساتھ ساتھ دل بڑا ہونا شروع ہو گیا۔ جب آپ نے دیکھا کہ آپ کا دل بتدریج بڑا ہو رہا ہے تو درد کی کسک بڑھ رہی ہے تو جسم میں سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ اس مشاہدہ سے آپ خوف زدہ ہو گئے۔ آپ کے شریک کار نے آپ کا چہرہ دیکھا تو ایک دم گھبرا گئے اور آپ سے بہت بے چین ہو کر پوچھا، تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تمہارا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے تمہارا خون نچوڑ لیا ہے۔ میں اپنا سفر ملتوی کرتا ہوں، چلو گھر چلتے ہیں۔ آپ نے ان سے کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ اپنا سفر خراب نہ کریں اور یہ کہہ کر اسٹیشن سے باہر آ گئے۔

بس میں بیٹھے تو دل بڑا ہوتے ہوئے بھینس کے دل جتنا ہونے کے بعد پھٹ گیا۔ اس میں کٹے ہوئے انار کی طرح قاشیں بن گئیں اور ان قاشوں میں سے تیز روشن لہریں نکلنے لگیں۔ جہاں تک یہ لہریں جا رہی تھیں وہاں اور اطراف کی سب چیزیں آپ کو نظر آ رہی تھیں۔ آپ نے اس مشاہدہ کے دوران یورپ کے بہت سارے شہر، کشمیر اور آسام کے برفانی پہاڑ اور زعفران کے کھیت دیکھے۔ جیسے ہی نظر زعفران کے کھیتوں پر پڑی، پوری بس میں زعفران کی خوشبو پھیل گئی۔

رات کو جب درود شریف پڑھنے بیٹھے تو درود شریف پڑھنے کے دوران محلّہ میں سے سلام پڑھنے کی آواز آئی۔ چند منٹ بعد آنکھوں کے سامنے سے ایک پردہ ہٹ گیا اور نظریں وہاں جا کر ٹکرائیں جہاں سلام پڑھا جا رہا تھا۔ آپ نے دیکھا ہر طرف سنہری اور روپہلی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ ایک بہت صاف شفاف فرش بچھا ہوا ہے۔ فرش پر تخت ہے اور تخت پر سرکار دو عالم مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہیں۔ آپ درود شریف پڑھتے پڑھتے میکانکی طور پر کھڑے ہو گئے اور سلام پڑھنا شروع کر دیا۔

غیبی نظر

اگلے روز سلسلہ سہروردیہ کا سبق پڑھنے کے دوران غنودگی میں دیکھا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب، حضرت حافظ صاحب اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تشریف لائے اور تھوڑی دیر آپ کے پاس بیٹھ کر چلے گئے۔ رات کو پھر درود شریف پڑھنے کے دوران دیکھا کہ درود شریف جیسے ہی پورا ہوتا ہے منہ کے سامنے یاقوت اور زمرد سے مرصع سونے چاندی کی ٹرے آجاتی ہے اور درود شریف موتیے کے پھولوں کی شکل بن جاتے ہیں۔

یہ ٹرے ایک فرشتہ لائن میں کھڑے ہوئے دوسرے فرشتے کو پکڑا دیتا ہے اور اس طرح یہ سلسلہ آپ کی رہائش گاہ۔کراچی سے شروع ہوکر مدینہ منورہ میں مسجد نبوی پر جا کرختم ہوتا ہے اور پھولوں کا یہ ہدیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور حضور پاک اسے ہاتھ لگا کر قبول فرما رہے ہیں۔
عظیمی صاحب صبح بس میں بازار جاتے ہوئے جب لسبیلہ۔کراچی کے پل پہ پہنچے تو دیکھا کہ چوہدری صاحب، بابا غلام محمد صاحب کے ساتھ آئے۔

عظیم بندہ

اس کے بعد آپ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ آپ کو ہر وقت یہ محسوس ہوتا کہ سر پر کئی ٹن وزن رکھا ہوا ہے۔ سڑک پر چلتے چلتے بیٹھ جاتے۔آپ کا جسم تیزی کے ساتھ لاغر ہوتا چلا گیا اور اس حد تک لاغر ہوا کہ پنڈلیوں کا گوشت ختم ہو گیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو ''سوکھے'' کی بیماری ہوگئی۔ چھ مہینے اس حال میں گزر گئے۔ ایک روز بازار سے واپسی میں آپ کے پیر کے اوپر سے ٹرک کا پہیہ گزر گیا اور آپ ٹرک کے نیچے آتے آتے بچے۔آپ کے جی میں آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ٹرک کے نیچے آکر ختم ہو جاتا۔موت کے روٹھ جانے پر گھر میں آکر بہت روئے اور ہچکیاں بندھ گئیں۔خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ آپ کو چشمے کے شفاف پانی سے نہلا رہے ہیں۔بزرگ نے آپ کو نہلا دھلا کر سفید چادر میں لپیٹا اور کہا، دادی کے پاس جانا ہے۔آنکھ کھلی تو کانوں میں دادی اماں کی آواز آنے لگی، بیٹا! تو اتنا بودا اور کمزور ہے کہ سب بھول گیا۔تو اللہ کی دی ہوئی نعمت کو بھی بھول گیا۔اس کے بعد آپ کا ظہر کی نماز سے مغرب کی نماز میں مسجد میں بیٹھنا معمول بن گیا۔
ایک ہی بات وردِ زبان تھی، اے اللہ! اپنا فرستادہ عظیم بندہ ملا دے۔اللہ سے اپنی کوتاہی کی معافی مانگتے تھے۔آہ وزاری کرتے ہوئے اللہ کو پکارتے، اے اللہ! عظیم بندہ کہاں ڈھونڈوں۔یاد میں، فراق میں

اور فریاد کرتے دن رات گزرتے رہے۔ مادی جسم سوکھ کر کانٹا بن گیا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے نمایاں ہو گئے۔

دوستوں نے کہا وظیفوں کی رجعت رہ گئی ہے۔ عاملوں نے ارشاد کیا آسیب لپٹ گیا ہے۔ کوئی جادو ٹونے کا چکر ہے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔ آپ کے ایک دوست طفیل احمد چغتائی صاحب ملٹری میں لیفٹیننٹ کے عہدہ پر فائز تھے۔ یہ عموماً تذکرہ کیا کرتے کہ میرے ایک دوست محمد عظیم تھے۔ پتا نہیں وہ کہاں ہیں۔ بہت تلاش کیا لیکن کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں۔

ایک دن عصر کے بعد اور غروب آفتاب سے پہلے انہوں نے آپ کو بتایا، میرے وہ دوست مل گئے ہیں اور آج کل ماہنامہ نقاد میں کام کرتے ہیں۔ ایک دن کہنے لگے چلو تمہیں بائی صاحب سے ملواؤں۔ آپ ان کے ہمراہ جب نقاد کے دفتر پہنچے تو وہاں شگفتہ، شاداب اور پرسکون چہرہ، مردانہ وجاہت کی مکمل تصویر دیکھ کر چار سال پہلے کی ملاقات ذہن میں گھوم گئی۔ وہی شخصیت، جو پہلی ہی ملاقات میں آپ کے دل میں اتر گئی تھی۔ وہی بندہ، جس نے آپ کے اندر محبت کے احساس کو اجاگر کیا تھا۔

آپ کو دیکھتے ہی محمد عظیم صاحب نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور آنکھوں کو چوما۔ آپ پہلی مرتبہ وصال کی لذت سے آشنا ہوئے۔ اس ملاقات کے بعد مستقل ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آپ حالات و واقعات کی وجہ سے شکست و ریخت کا شکار تھے۔ یقین، بے یقینی کے اندھیروں میں گم ہو چکا تھا اور اطمینان قلب تو جیسے ہمیشہ کے لئے چھن گیا ہو۔

اس بے سکونی میں ایک پرسکون بندہ ملا تو آپ تمام مصروفیات سے فارغ ہونے کے بعد روزانہ شام کو دفتری اوقات کے ختم ہونے سے کچھ منٹ پہلے ماہنامہ نقاد کے دفتر کے سامنے ان کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے۔ رتن تالاب، صدر، کراچی میں علم دوست حضرات جمع ہوتے تھے۔ روحانیت پر سیر حاصل گفتگو ہوتی اور مغرب کی نماز کے بعد آپ دونوں بس میں بیٹھ کر 1/7 D-I ناظم آباد آجاتے تھے۔ آپ کے اندر بچپن ہی سے جس خالص غور و فکر کی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا اب سید محمد عظیم صاحب کے ساتھ ہونے والی ان نشستوں میں آپ کو اس تحریک کے سرے ملنا شروع ہو گئے۔

حسن اخریٰ

۱۹۵۶ء میں قطب ارشاد، حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردی صاحب کراچی تشریف لائے۔ آپ نے ان کی آمد کا تذکرہ سید محمد عظیم صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا، ان سے میرا سلام عرض کیجئے گا۔ اس

غائبانہ تعارف کے بعد سید محمد عظیم صاحب تک آپ کے توسط سے سہروردی صاحب کی مصروفیات اور علمی نشستوں کی معلومات پہنچتی رہی۔ اسی دوران ایک روز انہوں نے آپ سے فرمایا، میرے سینے میں دل کی جگہ چبھن ہوتی ہے۔ جب عظیمی صاحب نے اس کا تذکرہ سہروردی صاحب سے کیا تو انہوں نے فرمایا، ٹھیک ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔

ایک روز آپ نے سہروردی صاحب کی تحریر کردہ کتاب ''جمال الٰہی'' سید محمد عظیم صاحب کو مطالعہ کے لئے پیش فرمائی تو انہوں نے ایک نقشہ بنا کر آپ کو بتایا کہ اس نقشہ کی مدد سے اگر کوئی کتاب پڑھی جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ مصنف یا مؤلف صاحب حال ہے یا نہیں اور اسی طرح اس کی لاشعوری کیفیات بھی اس کی تحریر میں ظاہر ہو جاتی ہیں۔

عظیمی صاحب نے یہ سارا واقعہ سہروردی صاحب کے گوش گزار فرمایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ ایک روز سید محمد عظیم صاحب نے آپ سے فرمایا، ان سے پوچھئے گا..........کیا وہ مجھے بیعت فرمالیں گے۔ جب عظیمی صاحب نے بڑے حضرت جی سے سید محمد عظیم صاحب کے لئے عرض کیا تو انہوں نے آپ کو ملاقات کے لئے گرانڈ ہوٹل میں بلایا (سہروردی صاحب ان دنوں گرانڈ ہوٹل۔ میکلوڈ روڈ میں مقیم تھے)۔ جب آپ ملاقات کے لئے ان کے پاس پہنچے تو کچھ دیر کے بعد ابوالفیض قلندر علی سہروردی صاحب نے فرمایا عظیم صاحب کے علاوہ سب تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر ٹھہریں۔

ہوٹل سے واپسی پر سید محمد عظیم صاحب نے آپ سے فرمایا کہ سہروردی صاحب نے بیعت کے لئے رات تین بجے کا وقت دیا ہے۔ سید محمد عظیم صاحب سخت سردی کے موسم میں، رات دو بجے ہی سے ہوٹل کی سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔ ٹھیک تین بجے بڑے حضرت جی نے دروازہ کھولا اور اندر بلالیا۔ انہیں اپنے سامنے بٹھا کر، پیشانی پر تین پھونکیں ماریں اور حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی صاحب نے قطب ارشاد کی تعلیمات تین ہفتے تک مکمل کر کے آپ کو خلافت عطا فرمادی۔ بڑے حضرت جی کے بعد حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی روح پر فتوح نے آپ کی روحانی تعلیم شروع کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براہ راست علم لدنی عطا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت اور نسبت کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں پیشی ہوئی اور اسرار و رموز کا علم حاصل ہوا۔ تعلیمات کی تکمیل پر بطریق اویسیہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس سے ''حسن اخریٰ'' کا خطاب عطا ہوا۔ قلندریت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کی وجہ سے ملائکہ ارضی وسماوی اور حاملان عرش میں آپ ''قلندر بابا اولیاءؒ'' کے نام سے مشہور ہیں۔ آج بھی یہی عرفیت عامتہ الناس میں زبان زد عام ہے۔

نزاع کا عالم

گذشتہ سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ عظیمی صاحب حالات و واقعات کی وجہ سے شکست و ریخت کا شکار تھے۔ ہر وقت سر سے دھواں اٹھتا ہوا محسوس ہوتا، ہر شب بلا ناغہ بدخوابی ہو جاتی جس سے آپ کی سہی سہی جان بھی جواب دے گئی۔ کھانا کھاتے ہی اجابت کی ضرورت ہو جاتی۔ ہر وقت یاس اور نا امیدی کا غلبہ رہنے لگا۔ جب آپ لوگوں کو ہنستے دیکھتے تو آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔ سوچتے کیا دنیا میں ہنسی بھی کوئی شے ہے۔ چپ لگ گئی۔ معمولی سے شور سے دل دہل جاتا۔ کوئی زور سے بات کرتا تو دماغ پر ہتھوڑے کی ضرب پڑتی۔ اس نزاع زدہ زندگی میں تیس سال گزر گئے۔ رات کو اندھیرے میں روٹھ کر روتے۔ مر جانے کی دعائیں مانگتے اور سوچتے کہ موت بھی مجھ سے کنارہ کر گئی ہے۔ ایک دن آپ نے حضور قلندر بابا اولیاء سے عرض کیا، میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس دنیا سے اٹھا لے، میں اب بالکل زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا، میں حافظ صاحب سے بات کروں گا اور بڑے حضرت جی کی خدمت میں درخواست کروں گا کہ اس معاملہ کو کسی نہ کسی صورت سے حل کریں۔

مقدمہ پیش ہوا

رات کے وقت درود شریف پڑھنے کے دوران آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہا، چلو! بڑی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم میں آج تمہاری پیشی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ فخر انبیاء، رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما ہیں۔ بائیں جانب حضرت اویس قرنی ایستادہ ہیں۔ دائیں جانب حضرت حسن بصری، حضرت جنید بغدادی، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت معروف کرخی، حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت امام موسیٰ رضا، حضرت امام حسینؓ اور حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی ہیں اور بالکل سامنے چوہدری صاحب اور ان کے پیچھے آپ خود ایستادہ ہیں۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ حضرت حسن بصری صف میں سے نکل کر نگاہیں نیچی کئے ہوئے سامنے آ گئے اور درود و سلام کے بعد عرض کیا،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے موکل کے دادا نے آپ کی منظوری سے اپنے پوتے کے لئے ورثہ چھوڑا ہے اور اس ورثہ کو حاصل کرنے کی جو شرط انہوں نے عائد کی تھی وہ میرے موکل نے پوری کر دی ہے اور میرے موکل نے سلسلہ چشتیہ میں بیعت بھی حاصل کی ہے اور اس کے شیخ نے چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، قادریہ میں اپنے اس مرید کو بیعت کیا تھا۔ بیعت کے بعد مرید کو یہ بتا دیا گیا تھا کہ تو ان چاروں سلسلہ میں مجھ

سے بیعت ہو گیا ہے۔

اب صورت یہ ہے کہ شیخ کے انتقال کے بعد مرید سہروردیہ سلسلہ میں پھر بیعت ہو گیا۔عرض یہ کرنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوری کے بعد جب کہ مرید نے شرط پوری کر دی ہو، اس کا ورثہ اسے قانوناً ملنا چاہئے۔یاد رہے کہ حافظ فخر الدین صاحب، مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے روحانی ورثہ کو عظیمی صاحب تک پہنچانے پر مامور کئے گئے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دائیں طرف ایستادہ بزرگوں کو دیکھا، سب نے تائید کی۔پھر حضرت چوہدری صاحب دو قدم آگے آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قانون یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کا مرید ہو جاتا ہے تو وہ پیر کا حق بن جاتا ہے اور اس قانون پر آپ کے دستخط ہیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر دائیں صف کی طرف دیکھا۔جس کا مطلب یہ نکلتا تھا کہ کوئی تائید کرتا ہے یا نہیں۔

ابو الفیض قلندر علی سہروردی صف سے باہر آ کر چوہدری اقبال حمید صاحب کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت چوہدری صاحب کے حق میں فیصلہ دے کر دربار برخاست فرما دیا۔

قلندر کی نماز

عظیمی صاحب نے ایک روز قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں عرض کیا، حضور! کیا آپ کو نماز میں مزہ آتا ہے۔فرمایا.........ہاں۔آپ نے عرض کیا، مجھے تو کبھی یہ پتا نہ چلا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔بہت کوشش کرتا ہوں کہ خیالات ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں مگر ذرا سی دیر کے لئے کامیابی ہوتی ہے اور پھر بھٹک جاتا ہوں۔ فرمایا، میں تمہیں ترکیب بتاتا ہوں، تمہیں خوب مزہ آئے گا۔

حضور قلندر بابا اولیاء نے آپ کو نماز کے دوران سجدہ کی حالت میں انگلیوں کی ایک مخصوص حرکت تلقین فرمائی اور فرمایا کہ صرف عشاء کی نماز میں آخری رکعت کے آخری سجدہ میں یہ حرکت کرنا۔جب آپ نے تہجد کے بعد وتروں کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں یہ حرکت کی تو آپ کو بہت سکون ملا۔دل سے اضطراب، بے قراری اور بے چینی دھواں بن کر اڑ گئی لہٰذا فجر کی نماز میں بھی اس عمل کو دہرایا۔ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور پھر تہجد میں دہراتے چلے گئے اور یہ بھول ہی گئے یہ یہ عمل صرف ایک وقت کرنا ہے۔

ایک دن جب تہجد کی آخری رکعت کے آخری سجدہ میں یہ حرکت دہرائی تو سجدہ کی حالت میں آپ کو محسوس ہوا کہ آپ کے دائیں بائیں کوئی کھڑا ہے۔خوف زدہ ہونے کے باوجود آپ نے انگلیوں کی مخصوص حرکت جاری رکھی اور سجدہ ضرورت سے زیادہ طویل کر دیا۔ڈر کے مارے دم گھٹنے لگا تو جلدی جلدی نماز ختم کی

اور پلنگ پر جا کر لیٹ گئے۔

اس زمانے میں ناظم آباد میں بجلی نہیں تھی۔ گھر کے آس پاس کوئی مکان بھی نہیں تھا۔ لیمپ بجھا ہوا تھا اور گھر میں آپ اکیلے تھے۔ پلنگ پر لیٹے لیٹے آپ نے آیت الکرسی پڑھنا شروع کر دی لیکن آیت الکرسی کے ورد سے دہشت اور زیادہ بڑھ گئی اور دل کی حرکت بند ہوتی ہوئی معلوم ہونے لگی، پھر ایک دم دل کی حرکت تیز ہوگئی۔ محسوس ہوتا تھا کہ دل سینہ کی دیوار توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

ہر حال میں باشعور

اب آپ نے قل ھو اللہ شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ جیسے ہی قل ھو اللہ شریف ختم ہوئی آپ کا جسم اوپر اٹھنے لگا اور چھت سے جا لگا۔ آپ نے ہاتھ سے چھو کر دیکھا کہ یہ واقعی چھت ہے یا میں خواب دیکھ رہا ہوں اور واقعی آپ چھت سے لگے ہوئے تھے۔ اب آپ مزید خوف زدہ ہو گئے کہ اگر میں نیچے گرا تو ہڈی پسلی نہ بھی ٹوٹی تو بھیجا تو ضرور باہر آجائے گا۔ آپ نے دیکھا کہ آپ کی گردن کی طرف تیزی کے ساتھ دو ہاتھ آئے۔ ایک نے دل کو سنبھالا اور دوسرے نے آپ کے منہ کو بند کر دیا۔ اس نادیدہ ہاتھ کی آپ کے اوپر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ آپ بے ہوش ہو گئے۔

صبح کے وقت سے پہلے خواب میں دیکھا کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی اور بڑے پیر صاحب، حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے مکان کے صحن میں گھبرائے ہوئے کھڑے ہیں۔ قلندر بابا اولیاءؒ گھبرائے ہوئے، بہت بے چین، ادھر سے ادھر ٹہل رہے ہیں اور فرما رہے ہیں، یہ کیا ہو گیا .... پھر زور سے فرمایا جیسے کسی سے کہہ رہے ہوں۔

اس کو ہر حال میں باشعور زندہ رہنا ہے۔

جب صبح اٹھے تو جسم کا ایک ایک عضو دکھ رہا تھا۔ اب دوسری مشکل یہ پیش آئی کہ آپ کو حضرت چوہدری صاحب روحانی طور پر نظر آنا شروع ہو گئے۔ وہ بہت جلال میں سرخ سرخ آنکھوں سے آپ کو دیکھ کر فرماتے ہیں، ہونہہ .... جیسے ہی ہونہہ فرماتے آپ کے سارے بدن میں لرزہ آجاتا۔ اس جلال نے آپ کو ادھ موا کر دیا۔ آپ کی ٹانگیں کانپنے لگیں اور ربڑ بن ہو گئیں۔ آپ کے اندر چلنے پھرنے کی سکت ختم ہو گئی۔

شام تک قدرے قرار آیا تو سائیکل رکشہ پر بیٹھ کر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کا ماجرا بیان کیا۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا، تم نے میرے کہنے کے خلاف عمل کر کے سب کو پریشان کر دیا۔ اللہ نے فضل فرمایا، نہیں تو کام تمام ہو گیا تھا۔ آپ نے عرض کیا، حضور! معاف فرما دیں۔ اب تو چوہدری

صاحب کے جلال کا نشانہ بنا ہوا ہوں۔ اس سے کیسے نجات حاصل کروں۔ فرمایا، جا کر معافی مانگ لو۔ جیکب لائن کی ایک مسجد میں آپ نے عشاء کی نماز کے بعد چوہدری صاحب کو سلام کیا۔ انہوں نے بہت جلال سے جواب دیا۔ وعلیکم السلام اور مسجد سے باہر جانے کے لئے قدم بڑھائے۔ آپ نے عرض کیا، اس غلام کو کچھ عرض کرنا ہے۔ فرمایا کچھ عرض نہیں کرنا، میں تم سے بات نہیں کرتا، نکل آنا۔

آپ نے عرض کیا، جناب! ابھی عرض کرنا ہے اور میں آپ کو اپنی بات سنائے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا اور نہ آپ کو جانے دوں گا۔ چوہدری صاحب آپ کی اس گستاخی کو نظر انداز کر کے مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے۔ آپ نے گزشتہ شب کی پوری روئداد سنائی۔ چوہدری صاحب نے فرمایا، تم نے یہ سب مجھ سے پوچھے بغیر کیا۔ اس لئے میں اس سلسلہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ نے عرض کیا۔ حضور سے صرف اتنی استدعا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے صبح سے جو سزا دے رکھی ہے اس سے مجھے بری کر دیں۔

بڑی منت و خوشامد کے بعد یہ بات طے ہوئی کہ اگر تم نے آئندہ کوئی ایسی بات کی جو پہلے مجھ سے معلوم نہ کر لی ہو تو نتائج کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔ آپ نے سجدہ میں کرنے والا عمل بالکل تو ترک نہیں کیا البتہ صرف تہجد کے وقت جاری رکھا جس سے آپ کا دل گداز سے معمور ہو گیا، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور دماغ یکسوئی کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔

وراثت علم لدنی

ایک روز تہجد کی نماز کے بعد درود خضری پڑھتے ہوئے آپ نے اپنے آپ کو سرور کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں حاضر پایا۔ مشاہدہ کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے سامنے دو زانو بیٹھ کر درخواست کی۔

یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! اے اللہ کے حبیب ﷺ، اے باعث تخلیق کائنات ﷺ، محبوب پروردگار ﷺ، رحمت للعالمین ﷺ، جن و انس اور فرشتوں کے آقا ﷺ، حاصل کون و مکاں ﷺ، مقام محمود کے مکین ﷺ، اللہ تعالیٰ کے ہم نشین ﷺ، علم ذات کے امین ﷺ، خیر البشر ﷺ، میرے آقا ﷺ مجھے علم لدنی عطا فرما دیجئے۔

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نثار، آپ ﷺ کو حضرت اویس قرنی کا واسطہ، حضرت ابو ذر غفاری کا واسطہ، آپ ﷺ کو آپ کے رفیق حضرت ابو بکر کا واسطہ، آپ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واسطہ، آپ ﷺ کو حضرت فاطمہ، علی اور حسنین کا واسطہ، اپنے اس غلام پر نظر کرم فرما دیجئے!

میرے آقا! آپ ﷺ کو قرآن کریم کا واسطہ اور آپ ﷺ کو اسم اعظم کا واسطہ، آپ ﷺ کو تمام پیغمبروں کا واسطہ، آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم کا واسطہ اور ان کے ایثار کا واسطہ۔

میرے آقا! میں آپ ﷺ کے در کا بھکاری ہوں۔ آپ ﷺ کے سوا کون ہے جس کے سامنے دس سوال دراز کروں۔ میں اس وقت تک در سے نہیں جاؤں گا، جب تک آپ ﷺ میرا دامن مراد نہیں بھر دیں گے۔ آقا! میں غلام ہوں، غلام زادہ ہوں۔ میرے جد امجد حضرت ابوایوب انصاری پر آپ کی خصوصی رحمت و شفقت کا واسطہ، مجھے نواز دیجئے۔

دریائے رحمت جوش میں آ گیا .... فرمایا، کوئی ہے۔ دیکھا کہ حضور قلندر بابا اولیاء دربار میں آ کر مؤدب ایستادہ ہیں۔ اس طرح جیسے نماز میں نیت باندھے کھڑے ہوں۔ نہایت ادب و احترام کے ساتھ فرمایا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ ﷺ کا غلام حاضر ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، تم اس کو کس رشتہ سے وراثت دینا چاہتے ہو۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، اس کی والدہ میری بہن ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبسم فرمایا اور ارشاد کیا، خواجہ ایوب انصاری کے بیٹے، ہم تجھے قبول فرماتے ہیں۔ اس وقت عظیمی صاحب نے دیکھا کہ آپ حضور قلندر بابا اولیاء کے پہلو میں کھڑے ہیں۔

تربیت

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کہ حضور قلندر بابا اولیاء نے مجھ سے بیعت کے حوالے سے یہ شرائط منظور کرائیں

۱۔ آپ کسی کے اندر نہیں جھانکیں گے۔

۲۔ اسلحہ نہیں رکھیں گے۔

۳۔ جاگیردار نہیں بنیں گے۔

۴۔ سودی پیسوں سے کاروبار نہیں کریں گے۔

۵۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔

اس کے بعد فرمایا، آپ کو پوری تعلیم حاصل کرنا ہے، قانون یاد کرنا ہے اور فرشتوں کی زبان سیکھنا ہے، چھوٹی چھوٹی باتیں بھی یاد رکھنی ہیں اور ہر بات میں خواہ اس کی آپ کے نزدیک کچھ بھی اہمیت نہ ہو تفکر کرنا ہے۔

تربیت کا آغاز

ان شرائط کو قبول کرنے کے بعد میری تربیت کا آغاز ہوا۔ تربیت کا محور یہ تھا کہ انسان جو بھی کرے، جو بھی کہے اللہ کے لئے ہو۔ جو عمل کرے اس میں اللہ کی مرضی شامل ہو، اس میں اپنی ذات کا عمل دخل نہ ہو۔ صدیوں پرانے شعور نے اس بات کو برداشت نہیں کیا۔ صدیوں پرانی روایات نے بغاوت کر دی۔ شعور اور پیر و مرشد میں ذہنی جنگ شروع ہو گئی۔ شعور کی مزاحمت بہت بڑھ گئی تو اس سے اتنی زیادہ تکلیف ہوئی کہ احساس تکلیف نہ رہا۔

پیر و مرشد نے ایک دن اپنے سامنے بٹھا کر فرمایا، زندگی گزارنے کے دو طریقے ہیں اور وہ دو طریقے یہ ہیں کہ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ دوسروں سے اپنی بات منوا سکے۔ انسان کے اندر اتنی صلاحیت ہو کہ وہ دوسروں کو اپنا ہم ذہن بنا سکے۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت ہو کہ صدیوں پرانی روایات کو سینے سے لگاتے ہوئے ان روایات کا تحفظ کر سکے۔ ان روایات کے جاری و ساری رکھنے کے لئے ساری دنیا سے مقابلہ کر سکے۔ اس طریقے کو دنیا والے خود مختار زندگی کہتے ہیں یعنی جو آپ چاہتے ہیں وہ دوسروں سے منوا لیں۔ دوسرا

طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنی نفی کر دیں یعنی خود مختار زندگی کو داغ مفارقت دے دیں۔

اللہ کے سپرد

یاد رکھئے! انسان کی ساخت اور تخلیق کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے وہ فطرت خود مختار نہیں ہے۔ انسان کی ساخت ہی اس بنیاد پر کی گئی ہے یہ پابند ہو کر زندگی گزارے لہٰذا ضروری ہے کہ خود مختار زندگی سے آپ کنارہ کش ہو جائیں اور اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کسی کو اپنا بنالیں۔ آپ کے اندر یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے کہ آپ دوسرے کے بن جائیں۔ بات اتنی گہری تھی اور ہے کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بہت غور و فکر کرنے کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اللہ تعالیٰ! مجھے خود مختار زندگی سے نجات عطا فرما دے اور پابند زندگی عطا کر دے۔ میرے ذہن میں آیا کہ جب استاد نے ہی سب کچھ بنانا ہے تو چھوٹے بچہ کی طرح خود کو استاد کے سپرد کر دینا چاہئے اور تہیہ کر لیا کہ مجھے اب خود مختار زندگی نہیں گزارنی۔ جو کچھ کہا جائے گا اس پر عمل کروں گا۔ بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے، تعمیل ہو گی۔

شعوری مزاحمت

جب میں نے درو بست اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا تو تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس دوران میرے سامنے ایسی ایسی باتیں آئیں کہ جن باتوں کو شعور نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ نہ صرف یہ کہ انکار کر دیا بلکہ شعور کے اوپر ایسی ضرب پڑی کہ انسان اس تکلیف کا ادراک تو کر سکتا ہے لیکن الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ کئی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ شیخ نے ایک بات آسمان کی فرمائی اور شعور نے اسے زمینی حواس میں سمجھنا چاہا اور شعوری مزاحمت کے نتیجے میں میری کندھوں پر بے پناہ وزن پڑ جاتا تھا اور بسا اوقات اس وزن کا احساس ٹنوں کے حساب سے ہوتا تھا، جیسے کئی من وزنی سلیں کندھوں پر رکھی ہوں۔ اس بوجھ سے میں کھڑے کھڑے بیٹھ جاتا اور باوجود ہمت اور کوشش کے کھڑا نہیں رہ سکتا ہے۔ میں اس بیزاری، اذیت اور تکلیف کا تذکرہ کسی سے اس لئے نہیں کرتا تھا کہ کوئی ہمراز ہی نہیں تھا اور شیخ سے اس کا تذکرہ اس وجہ سے ممکن نہیں تھا کہ ان کی منشاء سے تو سب کچھ ہو رہا تھا۔

اذیت، تکلیف اور آلام کا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا اور شعور تکلیف کے احساس کا خوگر ہوتا گیا۔ کبھی کھانے کی تکلیف، کبھی پینے کی پریشانی، کبھی نیند نہ آنے کا مسئلہ، کبھی منفی خیالات کا دباؤ، کبھی شیطانی

وسوسوں کا زور، کبھی رحمٰن کا غلبہ، کبھی شیطان کا غلبہ۔ انہی کیفیات سے مغلوب ہو کر میں نے ایک دفعہ حضور قلندر بابا اولیاء سے عرض کیا، حضور! آپ کے ہوتے ہوئے بھی میرے لئے اتنی مشکلات ہیں اور معاشی حالات بھی کسی طور ٹھیک نہیں ہو رہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، حضرت اویس قرنی نے اسی طرح کا تربیتی پروگرام بنایا ہے۔

۱۶ سال تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ ۱۶ سال شعور و لاشعور کی محاذ آرائی کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی توجہ اور نسبت سے شعوری مزاحمت سے نجات ملی۔ ذہن کی یہ افتادبنی کہ جو کچھ کہا جاتا تھا بس وہی سب کچھ تھا اور جو نہیں کہا جاتا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا۔ طبیعت میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ یہاں کچھ نہیں ہے۔ جو بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔

چالیس سال کی عمر

تربیت کا آغاز ہوا تو میری عمر کم و بیش ۲۶ برس تھی۔ روحانی ورثہ منتقل کرنے کے لئے ترجیحی بنیادوں پر میرے لئے ایسا تربیتی پروگرام مرتب کیا گیا جس کے تحت ذہن جلد از جلد اس سطح پر آجائے جہاں چالیس سال کی عمر میں ہوتا ہے۔ روحانی اعتبار سے سکت بڑھانے کے ساتھ ساتھ جسمانی مضبوطی کو بھی مدنظر رکھا گیا۔ خون میں روشنیوں کو قبول کرنے کی خاصیت خاصی کم تھی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ کھانے میں کوئی ایسی چیز استعمال کروں جو خون کو اس قابل بنائے کہ وہ روشنیوں کو قبول کرنے میں معاون ثابت ہو۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے اس مقصد کے لئے خصوصی غذائیں تجویز فرمائیں۔

طرز فکر پر ضرب

جب میں حضور قلندر بابا اولیاء کے زیر تربیت آیا تو میرا ذہن کاروباری تھا۔ جب بھی کسی آدمی سے ملتا، اس کی ذات سے کوئی نہ کوئی توقع قائم کر لیتا تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے سب سے پہلے اس طرز فکر پر ضرب لگائی۔ جس آدمی سے بھی جو توقع وابستہ کی وہ پوری نہیں ہوئی۔ یہ عمل اتنی بار دہرایا گیا کہ دوستوں کی طرف سے مایوسی طاری ہوگئی۔

ذہن میں بالآخر یہ بات آئی کہ کوئی دوست اسی وقت کام آسکتا ہے۔ جب اللہ چاہے۔ ایک دفعہ عید کا چاند دیکھنے کے بعد بچوں کی عیدی کے سلسلہ میں فکر لاحق ہوئی اور میں اپنے دوست کے پاس کچھ رقم ادھار لینے کے لئے گیا۔ دوست نے کہا، روپے تو میرے پاس موجود ہیں لیکن کسی کی امانت ہیں۔ طبیعت نے اس

بات کو گوارہ نہ کیا کہ دوست سے امانت میں خیانت کرائی جائے۔ چلتے چلتے بازار پہنچ گیا۔

وہاں ایک دوست ملے جو بہت اچھی طرح پیش آئے اور انہوں نے پیش کش کی کہ آپ کو عید کے سلسلے میں کچھ روپے پیسے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لیں۔ میرے پاس کافی رقم ہے۔ نامعلوم طریقے پر میں نے ان کی اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ انہوں نے کہا میں نے کسی زمانے میں آپ سے کچھ روپے ادھار لئے تھے، میں وہ رقم ادا کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے میری جیب میں ساٹھ روپے ڈال دیئے۔ میں گھر آیا اور ان روپوں سے عید کی تمام ضروریات پوری ہو گئیں۔

غیبی مدد

ایک روز میں عصر اور مغرب کے درمیان حضور قلندر بابا اولیاء کی تصنیف ''لوح وقلم'' کے صفحات لکھ رہا تھا کہ لاہور سے کچھ مہمان آ گئے۔ اس وقت گھر میں کھانے پینے کا انتظام نہیں تھا بلکہ لباس بھی مختصر ہو کر ایک لنگی اور ایک بنیان تک محدود ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ پڑوس میں سے پانچ روپے ادھار مانگ کر ان سے کھانے کا انتظام کیا جائے۔ پھر خیال آیا کہ اگر پانچ روپے دینے سے انکار کر دیا تو بڑی شرمندگی ہو گی۔ پھر خیال آیا کہ جھونپڑی والے ہوٹل سے کھانا ادھار لے لیا جائے۔ طبیعت نے اس بات کو بھی پسند نہیں کیا۔

میں یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ اللہ چاہے تو کھانے کا انتظام بھی ہو جائے گا اور کمرے سے باہر آنے کے لئے جیسے ہی میں نے دروازے سے قدم باہر نکالا، چھت میں سے پانچ روپے کا ایک نوٹ گرا۔ نوٹ اس قدر نیا اور صاف شفاف تھا کہ اس کے زمین پر گرنے کی آواز آئی۔ میں نے جب فرش پر ایک نیا نوٹ پڑا ہو دیکھا تو یکایک ذہن میں آواز گونجی، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے وہ نوٹ اٹھا لیا اور اس سے کھانے پینے کا انتظام ہو گیا۔

سونے کی اینٹیں

اس کے بعد دوسرا تربیتی پروگرام شروع ہوا جس میں اڑتالیس گھنٹے تک یہ کیفیت قائم رہی کہ مجھے ایک بہت بڑے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے میں بہت ساری الماریاں تھیں، جن میں سونے کی اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ ذہن روٹی کھانے کی طرف مائل ہوتا تو کانوں میں ماورائی آواز گونجتی، سونا کھاؤ۔ پانی پینے کی

خواہش پیدا ہوئی تو آواز آئی، سونے سے پیاس بجھاؤ۔ جب اس کیفیت سے باہر آیا تو دس روپے کے نوٹ سے بھی گندگی کا احساس ہوتا تھا۔

ذکرالٰہی

قرآن پاک کے ارشادات اور دین کی تعلیمات میں ذکر کو بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ قرآن و حدیث میں تواتر کے ساتھ ذکر کرنے کی تلقین موجود ہے۔ صلوٰۃ کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ صلوٰۃ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ اسے ذکرالٰہی کے لئے قائم کیا جائے۔ ذکر کے لغوی معنی یاد کرنے کے ہیں۔ تذکرہ کرنے کو بھی ذکر کہتے ہیں، اس لئے کہ تذکرہ کرنا کسی کو یاد کرنے کا اظہار ہے۔

آدمی جب کسی کا نام لیتا ہے، اس کی صفت بیان کرتا ہے تو یہ عمل اس کا ذہنی تعلق مذکور کے ساتھ قائم کرتا ہے۔ یاد کرنا اور زبان سے تذکرہ کرنا ایک دوسرے سے متعلق ہیں۔ عام زندگی میں اس کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ اگر ایک شخص کسی سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے تو اس کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف زبان سے تذکرہ کرتا ہے بلکہ دل پر بھی اسی کا خیال غالب رہتا ہے۔

دین کی تعلیمات کا مدار اللہ کی ذات ہے اور دین کا مدعا یہ ہے کہ آدمی کا قلبی رشتہ اللہ کی ذات اقدس سے قائم ہو جائے اور یہ رشتہ اتنا مستحکم ہو جائے کہ قلب اللہ کی تجلی کا دیدار کر لے۔ چنانچہ اس بات کے لئے تمام اعمال و افعال چاہے وہ جسمانی ہوں یا فکری، اللہ کی ذات سے منسلک کیا گیا ہے تا کہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اللہ کا خیال ذہن کا احاطہ کر لے۔ اس کیفیت کو حاصل کرنے میں ذکر کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ ذکر کا مقصد یہی ہے کہ بار بار اللہ کے نام کو دہرانے سے ذہن پر اللہ کا نام نقش ہو جائے۔

ذکر کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ کے کسی اسم یا صفت کو زبان سے بار بار دہرایا جائے۔ جب تک کوئی شخص اس عمل میں مشغول رہتا ہے اس کا ذہن بھی کم و بیش اسی خیال پر قائم رہتا ہے۔ اگر چہ وقتی طور پر ذہن ذکر سے ہٹ بھی جاتا ہے لیکن ذکر کی میکانکی حرکت غیر شعوری ارادے کو ذکر سے ہٹنے نہیں دیتی ہے۔ اس مرتبہ کو اہل روحانیت نے ذکر لسانی کہا ہے۔ یعنی اللہ کے کسی اسم کو زبان سے دہراتے ہوئے خیال کو ذکر پر قائم رکھنا۔ کسی اسم کو مسلسل دہرانے سے ایک ہی خیال ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ شعوری ارتکاز بڑھنے لگتا ہے اور ذہن کو ایک خیال پر قائم رہنے کی مشق ہو جاتی ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو ذاکر زبان سے الفاظ ادا کرنے میں بار محسوس کرتا ہے اور عالم خیال میں الفاظ ادا کرنے اسے سرور حاصل ہوتا ہے۔

اس کیفیت میں ذاکر، ذکر لسانی سے ہٹ کر ذکر خفی کرنے لگتا ہے۔ اس درجے کو ذکر قلبی کہا جاتا ہے

پھر ایک موقع ایسا آتا ہے کہ ذاکر خفی طور پر اسم کو دہرانے میں بھی ثقل محسوس کرتا ہے بلکہ اسم کا خیال اس پر غالب آجاتا ہے اور عالم تصور میں پوری وجدانی کیفیت کے ساتھ اسم کے خیال میں ڈوب جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ذکر روحی کہتے ہیں۔

ذکر روحی کا دوسرا نام مراقبہ ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک بار پھر اجمالاً ذکر کو بیان کیا جاتا ہے، اگر ایک شخص اسم قدیر کا ذکر کرتا ہے تو پہلے مرحلے میں زبان سے اسم قدیر کو پڑھتا ہے۔ دوسرے درجے میں اسم قدیر کو عالم خیال میں خفی طور پر ادا کرتا ہے لیکن زبان سے لفظ ادا نہیں کرتا۔ تیسرے مرتبے میں اسے ذہنی طور پر بھی اسم کو دہرانے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسم قدیر بصورت خیال و تصور اس کے ذہن پر محیط ہو جاتا ہے۔ ذکر کا یہ مرتبہ یا طریقہ جس میں کوئی شخص اسم کے معانی کا تصور قائم رکھتا ہے مراقبہ کہلاتا ہے۔ ذکر کے تمام طریقوں کا مقصد ذاکر کے اندر اتنی صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ اس کی توجہ کسی اسم کے اندر جذب ہو جائے۔

پہلے پہل ذاکر مراقبہ میں خیال کو قائم کرتا ہے لیکن مسلسل توجہ سے یہ خیال اس کے تمام ذہنی و جسمانی افعال کے ساتھ اس کے شعور پر غالب آجاتا ہے۔ وہ اللہ کے ساتھ مسلسل ربط حاصل کر لیتا ہے اور کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا جب مراقبہ کی کیفیت اس پر طاری نہ ہو۔ جب مراقبہ کی یہ کیفیت شعور کا حصہ بن جاتی ہے تو ذاکر کی روح عالم ملکوت کی طرف صعود کرتی ہے اور وہ کشف و الہام سے سرفراز ہوتا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے ہمہ وقت خصوصاً مراقبہ سے قبل ''یا حی یا قیوم'' کے ورد کی تاکید فرمائی۔

تصرف کا وقت

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے نصیحت فرمائی، خواجہ صاحب! مراقبہ میں ناغہ نہ کیا کریں، ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا۔ ایک منٹ کے تصرف کے لئے بعض اوقات چھ چھ مہینے انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن جب ہمیں یہ ایک منٹ ملتا ہے اور ہم سالک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو سالک سو رہا ہوتا ہے یا کھیل کود میں مشغول ہوتا ہے۔ چھ مہینے کے بعد اسے جو دولت نصیب ہونے والی تھی اس نے وقت کی پابندی سے اسباق اور مراقبہ نہ کر کے اس نعمت کو ضائع کر دیا۔ اب نہ جانے کب تصرف کا وقت آئے۔

تعمیل حکم

مجھے اس بات کا بہت شوق تھا کہ جو کام حضور قلندر بابا اولیاءؒ کرتے ہیں۔ میں بھی کروں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ جیسا لباس پہنتے ہیں، میں بھی پہنوں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے اس انداز میں ٹوپی پہنی ہے تو میں بھی

اسی طرح پہنوں۔اس شوق کو دیکھتے ہوئے ایک روز حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، گرو جو کہے، وہ کرو، گرو جو کرتا ہے، اس کی نقل نہ کرو۔گرو جو کہے، گرو کے ذہن سے سمجھو، اپنا ذہن استعمال نہ کرو۔کبھی بھی شیخ کی نقل نہ کرنا۔تمہیں نہیں پتا وہ کہاں ہے۔تم یہاں دیکھ رہے ہو اور وہ کہاں سے یہاں کیا کر رہا ہے۔اس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں ہے، تمہارا کام ہے تعمیل حکم، جو وہ کہہ دے وہ کرو۔

روحانیت میں تعمیل حکم بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔تعمیل حکم کے ذریعے مراد اپنے شاگرد کو بندگی کے آداب سکھاتا ہے کیونکہ روحانیت کے علوم بندگی کے دائرے میں ہی سیکھے جا سکتے ہیں۔

بندگی کے راستے سے ہٹ کر بندے کو نہ ہی اللہ ملتا ہے، نہ اپنی ذات کا سراغ۔مرید کے لئے ذہن کی مرکزیت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کے لئے مرشد کے حکم پر دل و جان سے عمل کرنا ضروری ہے۔جیسے جیسے مرید حکم کی تعمیل کرتا جاتا ہے اس کے اوپر مرشد کا ارادہ غالب آجاتا ہے۔یہاں تک کہ اس کے ذہن کی مرکزیت مرشد کے ارادے کی حرکت بن جاتی ہے۔پھر ایک وقت یہ ہوگا کہ مرشد کے ذہن میں کوئی خیال آیا اور گزر گیا اور یہی خیال مرشد کے ذہن سے منتقل ہو کر مرید کے ذہن میں آگیا اور مرید نے اس کو عملی جامہ پہنا دیا۔

اندر کی آواز

حضور قلندر بابا اولیاء سے ایک دفعہ کسی صاحب نے کہا کہ خواجہ صاحب نے فلاں بات کہی ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، خواجہ صاحب یہ بات نہیں کہہ سکتے۔اس کی وجہ دریافت کرنے پر حضور قلندر بابا اولیاء نے ارشاد فرمایا۔میں نے اپنے اندر دیکھا اور سوال کیا کہ میں ایسی بات کہہ سکتا ہوں۔تو میرے اندر سے آواز آئی، نہیں میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔اب جب میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا تو خواجہ صاحب کیسے کہہ سکتے ہیں۔

سانس کی مشق

ماورائی علوم سیکھنے کے لئے مضبوط اور طاقتور دماغ کی ضرورت ہوتی ہے۔اعصاب میں لچک پیدا کرنے، دماغ کو متحرک رکھنے اور قوت کارکردگی بڑھانے کے لئے سانس کی مشقیں بے حد مفید اور کارآمد ہیں۔حضور قلندر بابا اولیاء کے زیر نگرانی جب میری سانس کی مشقوں کی شروعات ہوئی تو کچھ عرصہ میں مراقبہ کے بعد مجھ پر یہ کیفیت طاری رہنا شروع ہوگئی کہ سر بھاری اور دماغ کھویا کھویا سا رہتا۔

کھانا پینا تقریباً ختم ہوگیا اور نقاہت کی وجہ سے مسلسل تین روز تک بستر پر لیٹا رہا لیکن میں نے سانس کی مشق میں ناغہ نہیں کیا۔ تین روز بعد میں نے غنودگی میں دیکھا کہ میرا سر بیچ میں سے کھل گیا ہے اور اس کے اندر سے رقیق مادہ نکل رہا ہے۔ سر کے اندر روشنیاں بھی نظر آئیں۔ تین ہفتے بعد خواب کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اگلے تین ماہ سخت کرب کی حالت میں بسر ہوئے، اس دوران طبیعت کئی مرتبہ خودکشی کی طرف مائل ہوئی۔ نیند میں اتنا خلل واقع ہوگیا کہ ہر وقت آنکھیں بند رہتیں۔ سونا چاہتا لیکن نیند نہیں آتی تھی۔ کبھی کبھی جی اس قدر ہلکا ہو جاتا گویا جسم کا وجود ہی نہیں ہے۔ غصہ میں اضافہ ہوگیا اور ہر شخص کی طرف سے بدگمانی ہوگئی۔ مجھے محسوس ہوا کہ ظاہری جسم محض خول اور غلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ حقیقی وجود سے گوشت پوست کے جسم کا فاصلہ نو انچ ہے۔

رگوں میں سنسنی

مجھے سگریٹ نوشی کی عادت تھی۔ جب جسم میں لطافت قائم ہونا شروع ہوئی تو سگریٹ کا کش لینے پر میری رگوں میں سنسنی دوڑ جاتی۔ ایک روز میرے بڑے صاحبزادے، حضور قلندر بابا اولیاءؒ سے ملنے کے لئے گئے۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ان سے فرمایا، خواجہ صاحب سے کہنا کہ سگریٹ چھوڑ دیں۔ جب وقار یوسف گھر آئے تو دیکھا کہ میں سگریٹ پی رہا ہوں، اسی دوران وقار یوسف نے مجھے حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا پیغام سنایا۔ میں نے یہ سنتے ہی تعمیل حکم میں سگریٹ نوشی ترک کر دی۔

پہاڑ کی تلہٹی

ایک جوگی صاحب صبح پانچ بجے تشریف لائے۔ فرمایا، آج میں تمہیں اپنے ساتھ اپنی رہائش گاہ پر لے جاؤں گا۔ میں کمرے سے نکل کر برآمدے میں ان کے پاس آیا۔ جوگی صاحب نے فرمایا، آنکھیں بند کر کے میرے کرتے کا دامن پکڑ لو اور ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ چند لمحے بعد جوگی صاحب نے فرمایا، آنکھیں کھول دو۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو پہاڑ کی تلہٹی (وادی) میں کھڑا پایا۔ شدید سردی کے احساس سے دانت بجنے لگے۔ جوگی صاحب نے سر پر ہاتھ پھیرا تو مجھے سکون محسوس ہوا۔ فرمایا، یہ آسام کی سب سے اونچی پہاڑی ہے، یہی میرے جائے قیام ہے۔ میں نے دیکھا کہ ایک گنبد نما جھونپڑی بنی ہوئی ہے۔ جس کی چھت، درخت کے پتوں اور رتنے کی ہے۔ جھونپڑی کے سامنے مکئی کا کھیت ہے۔ جوگی صاحب نے دو بھٹے توڑے،

آگ جلا کر بیٹھے۔ فرمایا، کھاؤ! یہ فقیر کا تحفہ ہے۔ بھٹے کھانے کے دوران جوگی صاحب جھونپڑی کے اندر سے بانسری اٹھا لائے اور فرمایا، تم بھٹے کھاؤ میں تماشہ دکھاتا ہوں۔

جوگی صاحب نے بانسری بجانا شروع کر دی۔ بانسری کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہوتی چلی گئی۔ بانسری کی آواز میں ایسی کشش تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے مختلف جانور گروہ در گروہ آنا شروع ہو گئے۔ ہیبت کی وجہ سے میرے ہاتھ سے بھٹا گر گیا اور عجیب عالم مدہوشی میں اس منظر کو دیکھنے لگا۔ نہیں کہا جا سکتا بانسری کب تک بجائی گئی لیکن جونہی بانسری کا نغمہ بند ہوا یہ سب جانور جس طرح آئے تھے اسی طرح چلے گئے۔ جوگی صاحب نے فرمایا، تم نے دیکھا! مگر یاد رکھو یہ سب بھان متی کا تماشہ ہے۔ روحانیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

روشنیوں کے تانے بانے

کائنات کی تخلیق کے ہر جزو میں معین مقداریں کام کر رہی ہیں۔ ان مقداروں کا اہم کام یہ ہے کہ جب یہ آپس میں ردوبدل ہوتی ہیں یا ان کا آپس میں ایک دوسرے کے اندر انجذاب ہوتا ہے تو یہ مختلف رنگ اختیار کر لیتی ہیں۔

یہ رنگ ہی دراصل کسی نوع کے خدوخال بن جاتے ہیں۔ قلندر شعور بتاتا ہے کہ جب ایک آدمی اپنے اندر دور کرنے والے نسمہ (کرنٹ) سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ کائناتی تخلیقی فارمولوں کے تحت اپنے اندر ہر قسم کی غیر مرئی صلاحیتوں کو اپنے ارادے اور اختیار سے متحرک کر سکتا ہے۔

جب میرے مشاہدے میں یہ بات آ گئی تو سانس کی مشق کے دوران ایک روز خیال آیا کہ جب زندگی کا دارومدار سانس کے اوپر ہے اور زمین پر موجود ہر چیز روشنیوں کے تانے بانے میں بند ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ آدمی آٹا گوندھے، روٹی پکائے اور کھانا کھانے کا تکلف کرے۔ نسمہ کا تجربہ خواب میں تو ہوتا ہی ہے، بیداری میں تجربہ کرنا چاہئے کہ اگر میں بیداری میں رہتے ہوئے مادی غذا استعمال نہ کروں تو نسمہ کی کھائی ہوئی غذا میری بھوک رفع کر دے گی۔

یہ خیال ہر روز سورج طلوع ہونے کے وقت گہرا ہوتا چلا گیا۔ ایک روز جب میں سورج طلوع ہونے سے پہلے مشرق کی طرف منہ کر کے سانس کی مشق کر رہا تھا تو دماغ میں ایک دریچہ کھلا اور اس دریچہ میں یہ خیال وارد ہوا کہ فضا میں سے وہ روشنیاں اور وہ عناصر جن سے چنے تخلیق ہوتے ہیں میرے اندر داخل ہو رہے ہیں۔ نسمہ کی آنکھ سے دیکھا کہ سامنے بہت عمدہ قسم کے چنے رکھے ہوئے ہیں اور نسمہ ان چنوں کو کھا رہا ہے۔ دوسرے دن سیب کھانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پھر دماغ میں ایک دریچہ کھلا اور فضا میں پھیلی ہوئی وہ

روشنیاں جو سیب بناتی ہیں ایک جگہ مجتمع ہو کر سیب بن گئیں اور میں نے سیب کھالیا۔ خورد و نوش کا یہ سلسلہ متواتر سترہ دنوں تک قائم رہا۔ ان سترہ دنوں میں کھانے پینے کی جس چیز کی طرف ذہن متوجہ ہو جاتا یا جسمانی اعتبار سے میرے اندر انرجی ذخیرہ کرنے کا تقاضہ پیدا ہوتا تھا۔

میں سانس کی مشق کے ذریعے اس انرجی کو اپنے اندر منتقل کر لیتا تھا۔ فضائے بسیط میں پھیلی ہوئی ان روشنیوں کے کھانے پینے کے عمل سے میرے اندر قلندر شعور کی آنکھ اس قدر طاقتور ہو گئی کہ پتھر اور اینٹ کی دیواریں باریک کاغذ کی طرح نظر آتی تھیں۔ دور پرے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ عجائبات کی ایک دنیا روشن ہو گئی تھی۔ کھانا پینا تقریباً ختم کر دیا جس کا جسم پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ جسم کا گوشت ختم ہو گیا اور دبلاپن بہت زیادہ ہو گیا۔

ایک دن حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھ سے فرمایا، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ عمل بند کر دیں۔ تعمیل حکم میں، میں نے فوراً اس عمل کو ترک کر دیا لیکن تجربات نے مجھ پر یہ ثابت کر دیا کہ گوشت پوست کے جسم کے بغیر بھی انسان وہ سب کام کر سکتا ہے جو بظاہر گوشت پوست کے جسم کے ساتھ کرتا ہے۔

سترہ دن کا روزہ

دوران تربیت حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے سترہ دنوں کا روزہ رکھوایا۔ اس دوران چینی کے بغیر چائے یا کافی کے علاوہ اور کچھ لینے کی اجازت نہ تھی۔ ان دنوں میں دیواریں پتلے کاغذ کی مانند نظر آتی تھیں۔ چھت بھی ایسے ہی نظر آتی جیسے کاغذ کی بنی ہوئی ہو اور باہر کے عکس ان پر پڑے ہوئے ہوں۔ گھر کے درو دیوار اور اردگرد کے ماحول سے ایسے نظر آتا تھا جیسے ابھی ابھی کسی نئی جگہ آ گیا ہوں۔ جہاں چند روزہ قیام ہے۔ ذہن شہری زندگی سے فرار چاہتا تھا۔ شہری زندگی میں خلوص کے فقدان کی وجہ سے بے چینی اور بھی بڑھ جاتی۔ کوئی بندہ سامنے آتا تو اس کے خیالات اور اس کی شخصیت واضح طور پر سامنے آجاتی۔

جب روزہ مکمل ہو گیا تو آنتیں خشک ہو چکی تھیں۔ پہلے روغن بادام، گرم دودھ میں ڈال کر دیا گیا۔ پھر دودھ کے ساتھ نرم غذائیں دی جانے لگیں اور اس طرح رفتہ رفتہ ٹھوس غذا شروع ہو گئی۔

لوح و قلم

۱۹۵۷ء میں جب حضور قلندر بابا اولیاءؒ 1/7-D-1 ناظم آباد میں مقیم تھے۔ اس دوران عموماً ہر روز شام کے بعد عقیدت مند اور احباب حاضر خدمت ہو کر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے ارشادات اور تعلیمات سے

مستفیض ہوتے تھے جس میں عالم روحانیت کے اسرار و رموز بھی بیان ہوتے اور حاضرین کے مسائل اور مشکلات کا حل بھی پیش کیا جاتا۔ انہی نشستوں میں حضور قلندر بابا اولیاء موجودہ دور کے لوگوں کی، خاص طور پر مسلمانوں کی زبوں حالی، مرکز گریزی اور فکری انتشار پر اپنے احساسات کا اظہار فرماتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی روحانی شعبہ حیات میں ماورائی علوم کے سمجھنے اور اس پر دسترس حاصل کرنے کی غرض سے سلسلہ وار اسباق و ہدایات ایک جامع شکل میں پیش نہ کئے جا سکے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ روحانیت کے متلاشی افراد کے لئے کوئی ایسی کتاب موجود نہیں ہے۔ جس میں تخلیق و تکوین، کائنات کے اسرار و رموز اور مقامات کی عام فہم زبان میں نشاندہی کی گئی ہو اور جس کے توسط سے اہل عقیدت صحیح روحانی اور ماورائی علوم سے آگاہی حاصل کریں۔ ان ہی احساسات و جذبات کے تحت حضور قلندر بابا اولیاء نے اہل بصیرت اور حقیقت کے متلاشی افراد کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ایک جامع اور قابل عمل علوم کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

مجوزہ کتاب کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے طے پایا کہ روزانہ شب کے آخر میں ڈیڑھ دو گھنٹے کے ارشادات بطور املا تحریر کرائیں گے۔ جب پروگرام طے پا گیا تو ٹھیک ساڑھے تین بجے شب حضور قلندر بابا اولیاء اور میں، دیگر محو خواب افراد خانہ سے علیحدہ ہو کر ایک کمرہ میں بیٹھ جاتے۔ دوران املا نویسی حضور قلندر بابا اولیاء جو نکتہ بھی بیان فرماتے اس کی تشریح و وضاحت مثالوں اور نقشوں کے ذریعے کرتے جاتے تھے۔ جس میں ملاءِ اعلیٰ کے مقامات، تجلیات و انوار کا محل وقوع اور ان کے توسط سے مرتب ہونے والے اثرات شامل تھے۔

کبھی کبھی مصروفیت یا دن بھر کے کام کاج کے سبب نیند کا غلبہ ہو جاتا اور میری وقت مقررہ پر آنکھ نہ کھلتی یا بعض اوقات دوران تحریر نیند آ جاتی تو حضور قلندر بابا اولیاء آہستگی کے ساتھ ہوشیار کر دیتے تھے لیکن کسی حالت میں بھی اس پروگرام میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوا اور نہ تاخیر کو روا رکھا گیا۔ کم و بیش دو سال پر پھیلی ہوئی اس نشست میں موسم کی گرمی و سردی بھی آڑے نہ آئی۔ اس طرح کائنات کی تخلیق و تکوین کے اسرار و رموز پر مشتمل یہ معرکۃ الآراء تصنیف وجود میں آ گئی۔

میں جب ان روح پرور لمحوں کو یاد کرتا ہوں تو مجھ پر کیف و سرور کی لہر چھا جاتی ہے۔ تقریباً دو سال تک پھیلے ہوئے طویل لمحات اتنی تیزی سے گزر گئے کہ گویا ایک ہی نشست تھی جو پلک جھپکتے برخاست ہو گیا۔

اس کتاب کی ابتداء میں حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ

"میں یہ کتاب پیغمبر اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ حکم حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی ذات سے بطریق اویسیہ ملا ہے۔"

اندھا کھاتہ

ایک روز مجھے خیال آیا کہ میں اپنے پیرو مرشد سے جتنی محبت کرتا ہوں۔ میرا کوئی پیر بھائی شاید اتنی محبت نہیں کرتا۔ دماغ میں یہ خیال بار بار آتا رہا تو ایک دن حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا۔

خواجہ صاحب! یہاں بیٹھ جائیں،

فرمایا، آپ نے لوہا دیکھا ہے

میں نے عرض کیا، جی دیکھا ہے

پھر فرمایا، مقناطیس بھی دیکھا ہے

عرض کیا، حضور! مقناطیس بھی دیکھا ہے

پوچھا، کبھی یہ بھی دیکھا ہے کہ لوہے نے مقناطیس کو کھینچ لیا ہو

عرض کیا، حضور! یہ تو نہیں دیکھا

فرمایا، پھر مرید اپنے مراد سے محبت کیسے کرسکتا ہے۔

مرید لوہا ہے اور مراد مقناطیس۔ مرید اپنے مراد سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ لوہا مقناطیس کو نہیں کھینچ سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مراد، مرید سے محبت کرتا ہے۔ اس محبت کا عکس جب مرید کی ذات میں داخل ہو جاتا ہے تو مرید یہ سمجھنے لگتا ہے کہ میں اپنے مراد سے محبت کرتا ہوں۔

روحانی زندگی کی مسلسل امتحان ہے۔ ایسا امتحان جس کا نتیجہ بھی سامنے نہیں آتا اور یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم امتحان گاہ میں ہیں .... اندھا کھاتہ ہے۔ اس کھاتے کی مراد کے سوا کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔

احساس تشکر

مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاء کے نام جتنے خطوط آتے تھے، میں انہیں پڑھ کر سناتا تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاء ان خطوط کے جوابات بھی مجھ سے تحریر فرماتے تھے۔ بعض خطوط میں لوگ اپنی روحانی واردات و کیفیات تحریر کرتے تھے۔ خطوط پڑھنے کے بعد میرے اندر ایک قسم کا احساس محرومی پیدا ہو گیا کہ میں ہر وقت شیخ کی خدمت میں حاضر باش رہتا ہوں جب کہ ان میں سے کوئی ہفتہ میں ایک دفعہ آگیا، کوئی مہینے میں ایک دفعہ آجاتا اور پھر بھی آسمانوں میں اڑ رہے ہیں۔ کوئی جنت میں پہنچ گیا۔ کسی کی روحوں

سے ملاقات ہو رہی ہے۔خطوط پڑھتے پڑھتے، جواب لکھتے لکھتے خیال آیا کہ میں اس لائق نہیں کہ مجھے روحانیت مل سکے۔

میں سہون شریف چلا گیا اور تہیہ کرلیا کہ جب تک مراقبہ نہیں کھلے گا میں سہون شریف نہیں چھوڑوں گا۔ وہاں دو، تین دن رہا، اس دوران شب بیداری میں قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ ساتھ نفلیں بھی ادا کیں۔ جو بھی طریقہ ہوسکتا تھا کیا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔میرے ساتھ میرا بیٹا وقار یوسف بھی تھا، اس نے گھر چلنے کی ضد شروع کردی۔

مزار شریف کے باہر تہجد کے بعد بیٹھا ہوا تھا کہ دیکھا حضرت لعل شہباز قلندرؒ روحانی طور پر تشریف لائے اور فرمایا، کیوں اپنا راستہ خراب کرتا ہے۔کوئی کچھ نہیں دے سکتا ہے اگر ہم بھی کچھ دینا چاہیں گے تو پیرو مرشد کو بیچ میں لائے بغیر نہیں دیں گے۔واپس جاؤ، وقت ضائع نہ کرو۔ میں سہون شریف سے واپس آ گیا، میری حالت پر حضور قلندر بابا اولیاءؒ کو رحم آیا۔آپ نے فرمایا، خواجہ صاحب! بیٹھیں آج کچھ فیصلہ کرنا ہے۔ میں گھبرا گیا کہ کیا پتہ نہیں کیا بات ہوگئی ہے۔

عرض کیا حضور فیصلہ تو آپ ہی نے کرنا ہے۔فرمایا، نہیں! فیصلہ آپ ہی نے کرنا ہے۔آپ یہ بتائیں کہ میرا اور آپ کا رشتہ ہے۔اس رشتہ سے میں آپ کا کیا لگتا ہوں۔عرض کیا، حضور! یہ تو بڑی گستاخی کی بات ہے۔منہ چھوٹا ہے، بات بڑی ہے۔میں سمجھتا ہوں آپ میرے محبوب ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مسکرا کر فرمایا، لیجئے یہ تو مسئلہ ہی حل ہوگیا ہے۔آپ یہ بتائیں اگر کسی کو محبوب کی قربت حاصل ہو اور اس قربت میں اسے کسی اور چیز کا خیال آ جائے تو کیا یہ محبوب کی توہین نہیں ہے۔ اس لئے کہ محبوب کی قربت کے بعد اگر کوئی خیال آتا ہے تو دراصل محبوب وہ ہے جس کا خیال آرہا ہے۔آپ جنت دیکھنا چاہتے ہیں، آسمانوں میں پرواز کرنا چاہتے ہیں تو آپ کا محبوب میں کس طرح ہوا۔آپ کا محبوب جنت ہے، پرواز ہے، کشف و کرامات ہے۔

میں لرز گیا، آنکھیں بھیگ گئیں اور دل کی دنیا ماتم کدہ بن گئی۔ جھکے قدموں سے اٹھا اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے پیروں پر سر رکھ کر رونے لگا اور عرض کیا، حضور! میں سمجھ گیا ہوں۔صدرالصدور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک آہ بھری اور مجھے اپنے سینہ سے لگالیا۔دل میں ایک احساس تشکر بیدار ہوا کہ لوگ جس کی وجہ سے آسمانوں میں اڑ رہے ہیں وہ تو میرے پاس ہیں اور مجھے ان کی قربت میسر ہے۔

کتھے میں خون

میں حضور قلندر بابا اولیاء کے ہمراہ پان والے کی دکان پر کھڑا تھا، دیکھا کہ دکان میں ایک تصویر لگی ہوئی تھی وہ تصویر کیلنڈر میں سے نکل کر حضور قلندر بابا اولیاء کے ساتھ چل پڑی۔ تصویر ان سے گفتگو کرنے کے بعد واپس پلٹ گئی۔

میں نے خوف اور حیرانگی کے عالم میں آگے بڑھ کر حضور قلندر بابا اولیاء سے عرض کیا کہ حضور! یہ کیا معاملہ ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا تصویر نے اس پان والے کی شکایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے پان نہ خریدا کریں کیونکہ یہ پان کے کتھے میں خون ملاتا ہے۔

صاحب تکوین

ایک روز مغرب کی نماز کے بعد میں حضور قلندر بابا اولیاء کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میرے دماغ میں جھماکا ہوا اور اندر کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ حضور قلندر بابا اولیاء کے اندر گھڑی کے سپرنگ کی طرح بے شمار دائرے ہیں اور آپ کے دماغ میں سے آنکھیں خیرہ کرنے والی روشنی کی لہریں نکل رہی ہیں اور ان دائروں کو حرکت دے رہی ہیں۔ ہر دائرے سے تار بندھا ہوا ہے اور ہر تار کے ساتھ ایک مخلوق متحرک ہے۔ ہر دائرے میں عالم اور رنگین دائروں میں عالمین بھی نظر آئے۔ میں نے یہ مشاہدہ بھی کیا کہ اوپر سے فلیش لائٹ کی طرح لہریں آ رہی ہیں۔ چار نورانی آبشاریں حضور قلندر بابا اولیاء کے اندر اس طرح جذب ہو گئیں جیسے گلاس کے اندر ڈراپر سے قطرے ڈالے جاتے ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاء سے اس امر کی تشریح چاہی کہ میں نے یہ کیا دیکھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

خواجہ صاحب! ایک کھرب نظام شمسی میں تیرہ کھرب Planets ہیں اور یہ تیرہ کھرب Planets نور کی ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔ صاحب تکوین بندہ جب تکوینی کام کرتا ہے تو اس کی یہی صورت ہوتی ہے جو آپ نے دیکھی ہے۔ حیرانگی کے دریا میں غرق میں نے عرض کیا عالمین میں تو فرشتے بھی ہیں۔

فرمایا، صاحب تکوین روٹین کے کام میں ۲۵ سے ۳۵ فرشتوں کی بیک وقت آواز سن کر ان کو احکامات دیتا ہے۔ میں نے سوال کیا، حضور! اتنے بڑے کائناتی سسٹم میں آپ کس طرح کام کرتے ہیں۔ فرمایا، آپ یہ سمجھیں کائناتی سسٹم میں بھی فائل ورک ہوتا ہے اور کائناتی نظام کے لئے مثل کی کارکردگی ایک

گھنٹہ میں ایک کروڑ فائل ہے۔ ایک گھنٹہ میں ایک کروڑ فائل پڑھ کر اور دستخط کر کے پھینک دیتا ہے۔

کڑی نگرانی

دورانِ تربیت حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے میری کڑی نگرانی فرمائی ہے۔ میری تربیت، لاشعوری طور پر فرمائی ہے۔ دورانِ تربیت میرے ایک دوست نے اصرار کیا کہ میرے اوپر توجہ کی جائے اگر مجھے کوئی دماغی نقصان پہنچے گا تو اس کی کوئی ذمہ داری آپ کے اوپر نہیں ہوگی۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا۔ صبح فجر کی اذان کے وقت جب ان کی طرف متوجہ ہوا تو فوراً حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ہاتھ سامنے آ گیا۔ انہوں نے تیز آواز میں تنبیہ کی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا، ان کے بیوی بچوں کی نگہداشت تم کرو گے۔ مولوی صاحب کا دماغ الٹ گیا تو ان کے بیوی بچوں کا کیا بنے گا۔ یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے کہ آدمی جا و بے جا اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ کسی شخص کی تربیت کر کے اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ اس طاقت کا متحمل ہو سکے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر میرے ایک بہت عزیز دوست نے اصرار کر کے اس بات پر مجبور کر دیا کہ انہیں سٹہ کا نمبر بتا دوں۔ رات کو اسباق سے فارغ ہونے کے بعد استخارے کی وہ دعا پڑھی جس سے بیداری میں حالات منکشف ہو جاتے ہیں۔ دیکھا کہ ایک پردہ ہے جیسے سینما کی اسکرین ہوتی ہے اور اس پر نمبر لکھے ہوئے ہیں۔

ابھی نمبروں کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کر پایا تھا کہ میرے اور پردے کے درمیان حضور قلندر بابا اولیاءؒ کا ہاتھ آ گیا۔ نہایت جلال میں فرمایا، کیا کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی نظروں کے سامنے سے پردہ غائب ہو گیا۔

اللہ کا حکم

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے دورانِ تربیت طرزِ فکر کو درست سمت پر راسخ کرنے کے لئے مختلف حالات و واقعات کے ذریعے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ میں اوائل ۱۹۶۲ء میں ایک اخبار میں کالم لکھا کرتا تھا جس کی دو سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ میں نے جنرل مینجر صاحب سے کہا کہ میری تنخواہ بڑھائیں، یہ بہت کم ہے۔ جنرل مینجر صاحب نے اس بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ ایک روز ادارے کے ڈائریکٹر حضرات کی میٹنگ میں بغیر اجازت چلا گیا اور میٹنگ میں کہا کہ اگر کالم لکھوانا ہے تو میری تنخواہ بڑھائی، دو سو روپے میں گزارہ نہیں ہوتا۔ اس پر جنرل مینجر نے کہا میں آپ کا کالم بند کر دوں گا۔ میں نے کہا میں آپ کی کرسی چھین لوں گا۔ خیال یہ تھا کہ

حضور قلندر بابا اولیاء سے سارا معاملہ عرض کروں گا اور وہ ایسا کردیں گے۔ میں دفتر سے سیدھا حضور قلندر بابا اولیاء کی رہائش گاہ حیدری پہنچا۔

حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا کیا بات ہے، بیٹھیں۔ ابھی میں کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ انہوں نے فرمایا، خواجہ صاحب! بات یہ ہے کہ آپ نے جو حرکت کی ہے بہت غلط ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اس نے صفائی پیش کی کہ جنرل منیجر صاحب نے یوں کہا تھا۔ فرمایا، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو کچھ یہاں زمین پر ہو رہا ہے یا کائنات میں ہو رہا ہے یہ سب اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے یا کسی بندے کے حکم سے ہو رہا ہے۔

میں نے عرض کیا، اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ فرمایا، اللہ نے آپ کو جنرل منیجر کی کرسی پر کیوں نہیں بٹھا دیا۔ آپ کو کالم نویس کیوں بنایا۔ اگر آپ میں صلاحیت ہوتی تو جنرل منیجر ہوتے۔ آپ کون ہوتے ہیں غصہ کرنے والے۔ یہ کون سا طریقہ ہے، ٹھیک ہے اگر کام نہیں ہو سکتا تو چھوڑ دیں۔ یہ بات ذہن نشین کرنے کی ہے کہ آپ کالم نویس کیوں ہیں اور وہ جنرل منیجر کیوں ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء نے شدید خفگی کا اظہار فرمایا۔ میں نے سوچا بات ہی الٹی ہو گئی، واقعی میری غلطی تھی کیونکہ جب اللہ ہی سب کچھ کر رہا ہے تو میں جنرل منیجر کیوں نہیں ہوں۔ مجھے اللہ نے جنرل منیجر کے ماتحت کیوں کیا۔ شرمندگی کی وجہ سے دو دن تک دفتر نہیں گیا۔ دو دن کے بعد جب دفتر گیا تو جنرل منیجر صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں شرم کی وجہ سے آنکھ نہیں ملا سکا۔ انہوں نے کہا، جو کچھ اس روز آپ نے کہا آپ کی غلطی تھی لیکن بعد میں، میں نے محسوس کیا کہ غلطی میری بھی تھی۔ میں میٹنگ میں کہہ دیتا کہ ان کے کیس پر نظر ثانی کریں۔ اگر وہ پیسے بڑھاتے تو تنخواہ بڑھ جاتی، نہ بڑھاتے تو نہ بڑھتی، میرا کیا حرج تھا۔ بھائی! میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

میں نے عرض کیا، میں اپنے پیر و مرشد کے پاس گیا تھا۔ مجھے بہت ڈانٹ پڑی ہے۔ میں بہت شرمندہ ہوں، آپ مجھے معاف کر دیں۔ جنرل منیجر صاحب نے مجھے ناشتہ کی دعوت دی، ناشتہ کے بعد انہوں نے کہا کہ میں آپ کو ایک واقعہ سنانا چاہتا ہوں۔

جس دن یہ واقعہ ہوا رات کو مجھے احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے پھر سوچا کہ میں نے غلطی نہیں کی، غلطی خواجہ صاحب کی ہے، اسی ادھیڑ بن میں سو گیا۔ رات کو ڈھائی بجے کے قریب کروٹ بدلی تو ہاتھ سن ہو گیا۔

میں نے سوچا کہ دب گیا ہو گا۔ میں نے بیوی کو آواز دی۔ میرا ہاتھ فالج زدہ ہو چکا تھا۔ میں یہ سوچ کر رونے لگا کہ بچوں کا کیا بنے گا۔ روتے روتے مجھے خیال آیا کہ خواجہ صاحب کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔

بیوی سے کہا نفل پڑھ کر دعا استغفار کرو۔ اس عمل کو دہرانے کے بعد بیوی نے ہاتھ کی سکائی کی تو ہاتھ ٹھیک ہوا۔

عبوری چیزیں

ایک روز ایک صاحب سے تلخ کلامی ہوگئی۔ حضور قلندر بابا اولیاء سے شکایت کی، آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ آپ یہاں بیٹھیں، اس نے آپ کو برا کہا۔ جس وقت اس نے آپ کو برا کہا اس وقت آپ کا وزن کتنا تھا۔ میں نے عرض کیا، ایک من بیس سیر تھا۔ فرمایا، برا کہنے کے بعد وزن تلوایا تھا، کیا ایک سیر کم ہو گیا۔ عرض کیا، جی نہیں۔ فرمانے لگے، خواہ مخواہ ہی تھک رہے ہو اگر وزن کم ہو گیا ہے تو پھر نوٹس لیتے ہیں کہ اسے پکڑ کر لاؤ، اس نے برا کہا ہمارے خواجہ صاحب کو۔ جس کی وجہ سے ایک سیر وزن کم ہو گیا وہ برا کہہ کر بھول بھی گیا، اب آپ کے اندر جتنی دیر تک انتقامی جذبہ عود کرتا رہے گا آپ کا وزن کم ہوتا رہے گا۔ وزن گالی سے نہیں گھٹتا، وزن انتقام کے جذبے سے گھٹتا ہے۔ تکلیف بھی ہوئی اور وزن بھی گھٹا اور وہ آرام سے سو رہا ہے۔

کوئی اچھا کہے یا برا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ عبوری چیزیں ہیں، انہیں کبھی خاطر میں نہیں لانا چاہئے۔ بس اپنی طرف سے جس کے ساتھ جو بھلائی کر سکتے ہو اگر بھلائی نہیں کر سکتے ہو تو کوئی حرج نہیں، کوئی مجبور تو نہیں کر رہا۔ آپ کوئی خدا نہیں ہیں، یہ خدا کے ہاتھ کی بات ہے، وہ ایسے آدمی کو جو فٹ پاتھ پر پڑا ہے چاہے تو اسے محل دے دے۔

ایسا ہوتا رہتا ہے

مجھے کبوتر پالنے کا شوق تھا۔ ایک مرتبہ ایک فاختہ آ کر کبوتروں کے ساتھ دانہ چگنے لگی۔ ایک کبوتر کے ساتھ اس کا جوڑا مل گیا۔ اس کے انڈوں سے جو دو بچے نکلے وہ اپنی خوبصورتی میں یکتا اور منفرد تھے۔ پروں کا رنگ گہرا سیاہ اور باقی جسم سفید تھا۔ ان کے اندر اس قدر کشش تھی کہ جو دیکھتا تعریف کئے بغیر نہ رہتا۔ شامت اعمال، ایک روز صبح سویرے بلی نے ان میں سے ایک کبوتر کو پکڑا اور چھت پر لے گئی۔ میں نے جب بلی کے منہ میں یہ کبوتر دیکھا تو اس کے پیچھے دوڑا۔ اوپر پہنچ کر دیکھا کہ بلی نے کبوتر کو مار دیا ہے۔ غصہ تو بہت آیا مگر پھر یہ سوچا کہ کبوتر تو اب مر ہی چکا ہے۔ بلی کو ہی پیٹ بھرنے دیا جائے اور جب یہ کبوتر کھا چکی گی تو اسے سزا دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نیچے چلا آیا لیکن اس بات کو مجھ کو شدید صدمہ تھا۔ حضور قلندر بابا اولیاء پہلی منزل I-D-I/7 کے کمرے میں تخت پر تشریف فرما تھے۔ میں نے احتجاجاً عرض کیا، بلی نے میرا کبوتر مار دیا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، ایسا ہوتا رہتا ہے۔ میں نے عرض کیا، آپ کے ہوتے ہوئے بلی میرا کبوتر لے

جائے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، یہ کہنے کے بعد دلبر داشتہ باورچی خانے میں جا کر بیٹھ گیا۔

حضور قلندر بابا اولیاء نے آواز دی میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ آواز دی، وہ بھی سنی ان سنی کردی۔ یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب بھائی محسن صاحب بھی D-I/7-I میں مقیم تھے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے بھائی محسن کو آواز دی اور میرے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ خواجہ صاحب کو کبوتر مرنے کا بہت صدمہ ہے اور وہ باورچی خانے میں بیٹھے رو رہے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاء ان کی اس بات سے متاثر ہوئے اور فرمایا، خواجہ صاحب کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ ان کا کبوتر آ گیا ہے۔ بھائی محسن صاحب صحن میں آئے تو دیکھا کہ وہ کبوتر موجود تھا۔ بھائی محسن نے مجھے بتایا کہ کبوتر آ گیا ہے۔ میں سمجھا کہ یہ بات میری دلجوئی کے لئے کہہ رہے ہیں لیکن جب انہوں نے سنجیدگی سے کہا کہ آپ باہر جا کر دیکھیں تو سہی تو میں بے یقینی کے عالم میں اٹھ کر صحن میں آیا۔ دیکھا کبوتر موجود تھا۔ کبوتر کو دیکھتے ہی دوبارہ دوڑتے ہوئے چھت پر گیا اور تخت کے نیچے دیکھا تو وہاں خون کے دھبے اور کچھ پر پڑے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر شدید ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ میں نے نیچے آ کر قلندر بابا اولیاء کے پیر پکڑ لئے اور اپنی گستاخی کی معافی چاہی اور شام ہونے سے پہلے پہلے سارے کبوتر تقسیم کر دیئے۔

اصلاح

میرے ایک پیر بھائی نے تھائی لینڈ سے حضور قلندر بابا اولیاء کی تشریف آوری کے لئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھیجا۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ حضور قلندر بابا اولیاء میرے پاس سے چلے جائیں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ پیر و مرشد سے چند روز کے لئے بھی دور ہو جاؤں۔ مجھ پر بہت زیادہ رقت طاری ہو گئی۔ اس جذبہ کے تحت میں نے اپنے پیر بھائی کو سخت سست کہہ دیا۔ خواب میں دیکھا دربار عالی مقام میں حاضری ہوئی ہے۔ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا (پیر بھائی کا نام لے کر) کیسا آدمی ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اچھے آدمی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اچھا آدمی برا کیسے ہو سکتا ہے۔ جب آپ نے ایک دفعہ رائے قائم کر لی اور تسلیم کر لیا کہ فلاں آدمی اچھا ہے تو اسے برا کہنا یا برا سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اللہ سے دوستی

حضور قلندر بابا اولیاء نے اس بیت کذائی میں کہ میں زمین پر تھا اور مرشد کریم بذات خود تکوین کے

تخت شاہی پر براجمان تھے، فرمایا دوستی کی تعریف بیان کرو۔ میں نے عرض کیا۔ دوستی ایثار ہے۔ کسی کو کچھ دینے کے لئے، کچھ بنانے کے لئے، سنوارنے کے لئے اپنا بہت کچھ کھونا پڑتا ہے۔ فرمایا، بات صحیح ہے لیکن عام فہم نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا، آپ کا فرمان حق ہے۔ میری ذہنی سکت، سوجھ بوجھ آپ کے سامنے ہے۔ میرے پیارے، دل میں مکین، آنکھوں کی روشنی، میرے پاک مرشد کریم، بندہ سراپا عجز و نیاز ہے۔ ارشاد فرمائیں کہ میرا دامن مراد بھر جائے اور مجھے محرومی کا احساس نہ رہے۔ فرمایا، دوستی کا تقاضہ ہے کہ آدمی دوست کی طرز فکر میں خود کو نیست کر دے۔ اگر تم کسی نمازی سے دوستی کرنا چاہتے ہو تو نمازی بن جاؤ۔ شرابی کی دوستی اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کے ساتھ مے نوشی کی جائے۔ وسیع دسترخوان سخی کی دوستی ہے۔

پھر فرمایا، خواجہ صاحب! اللہ سے دوستی کرنی ہے۔ میں نے عرض کیا، جی ہاں۔ فرمایا، ایسی دوستی کرنی ہے کہ اللہ میاں پیار کریں۔ عرض کیا، پاگل، ایسی ہی دوستی کرنی ہے۔ یہ جواب سن کر انہوں نے سوال کیا کہ خواجہ صاحب! بتایئے اللہ کیا کرتا ہے۔ میری سمجھ میں اس کا جواب نہیں آیا۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے فرمایا، خواجہ صاحب! اللہ یہ کام کرتا ہے کہ وہ اپنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اگر آپ کو اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے اور اس سے پکی دوستی کرنی ہے تو آپ بھی یہی کیجئے یعنی بے غرض ہو کر اللہ کی مخلوق کی خدمت کیجئے۔

صدر الصدور

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک برادر عظیمی صاحب کی تربیت کے حوالے سے فرمایا کہ اگر مجھے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہ ہوتا کہ آپ کو خواجہ صاحب کو تیار کرنا ہے تو میں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرتا اور دنیا کو میرے روحانی علوم کے بارے میں ہوا بھی نہ لگتی۔

یہ محبت اور تعلق کی ہی بات ہے کہ حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے آپ کو یہ اعزاز بخشا کہ شب و روز سولہ سال آپ کے پاس قیام پذیر رہے۔ آپ کی تربیت فرمائی اور اصلاح فرمائی، لکھایا پڑھایا اور اس کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے۔ ان سولہ سالوں میں حضور قلندر بابا اولیاءؒ گھر کے بڑے تھے، سرپرست تھے۔ اس دوران آپ کا معمول تھا کہ ہفتہ کی شام اپنی رہائش گاہ واقع حیدری تشریف لے جاتے۔ اتوار کی شام کو مظفر صاحب (سابق سیلز ڈائریکٹر بروک بانڈ کمپنی) کے گھر ایک علمی نشست ہوتی اور وہاں سے آپ عظیمی صاحب کی رہائش گاہ تشریف لے آتے۔

ایک دفعہ زوجہ محترمہ حضور قلندر بابا اولیاء نے آپ سے عرض کیا، آپ اپنے گھر میں کیوں نہیں رہتے۔
حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، فقیر کو جہاں کا حکم ہوتا ہے فقیر وہاں رہتا ہے۔

ایک صاحب نے حضور قلندر بابا اولیاء سے عرض کیا، خواجہ صاحب کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا، خواجہ صاحب کو میں نے سل کر رکھ کر سرمہ بنا دیا ہے یا اسے پھونک مار کر اڑا دو یا اسے آنکھ میں ڈال لو۔

نسبت فیضان

- حضرت حافظ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ
  خلیفہ مجاز مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
- ابدال حق حسن اخریٰ حضرت سید محمد عظیم برخیا قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت چوہدری اقبال حمید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابوالفیض قلندر علی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

براہ راست

خانوادہ سلسلہ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی

بطریق اویسیہ

- حضرت عیسیٰ علیہ السلام
- سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
- حضرت علی رضی اللہ عنہ
- حضرت سیدہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا
- حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام
- حضرت سیدہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا
- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ
- حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ
- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

- حضرت امام موسیٰ رضا کاظم رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت ابوالحسن ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بابا تاج الدین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت علاؤ الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شاہ عبداللطیف امام بری رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
- حضرت بابا انعام محمد رحمۃ اللہ علیہ

- حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

باطن میں تفکر

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ روحانی علوم کی ابتداء اس سبق سے ہوتی ہے کہ انسان محض گوشت پوست کے جسم کا نام نہیں ہے۔جسم کے ساتھ ایک اور ایجنسی وابستہ ہے جس کا نام روح ہے اور جو اس جسم کی اصل ہے۔انسان کی روح جسم کے بغیر بھی حرکت کرتی ہے اور انسان کو اگر ملکہ حاصل ہو جائے تو وہ جسم کے بغیر بھی روحانی سفر کر سکتا ہے۔یہ صلاحیت ترقی کر کے ایک ایسے درجے میں پہنچ جاتی ہے کہ خواب اور بیداری کے حواس متوازن ہو جاتے ہیں اور وہ خواب کے حواس میں اپنی روح سے حسب ارادہ کام لے سکتا ہے۔

جنریٹر

انسان کے اندر بنیادی طور پر تین جنریٹر کام کرتے ہیں۔ یہ جنریٹر تین طرح کے کرنٹ پیدا کرتے ہیں۔تمام خیالات ،تصورات اور احساسات، چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی ،ٹھوس ہوں یا لطیف، اسی کرنٹ کی مختلف ترکیبوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ان تینوں جنریٹروں کو ایک مرکزی پاور اسٹیشن کنٹرول کرتا ہے جسے امر، روح یا تجلی کہتے ہیں۔جنریٹر نمبر 1 سے پیدا ہونے والا کرنٹ نہایت لطیف اور تیز رفتار ہے۔اس کی قوت بھی ناقابل بیان حد تک زیادہ ہے۔یہ اپنی تیز رفتاری کی بناء پر ذہن کو کائنات کے تمام گوشوں سے منسلک رکھتا ہے۔رفتار کے تیز ہونے کی وجہ سے اس کرنٹ کا عکس انسانی دماغ کی اسکرین پر بہت دھندلا پڑتا ہے۔اس عکس کو واہمہ کہتے ہیں۔

تمام احساسات اور تمام علوم کی ابتداء واہمہ سے ہوتی ہے۔لطیف ترین خیال کا نام واہمہ ہے جسے صرف ادراک کی گہرائیوں میں محسوس کیا جاتا ہے۔واہمہ گہرا ہو کر خیال بن جاتا ہے۔جنریٹر نمبر 1، سے پیدا ہونے والے کرنٹ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ایک زیادہ طاقت کا حامل اور دوسرا کم طاقت رکھنے والا۔ایک ہی برقی رو پہلے تیز رفتار ہوتی ہے اور بعد میں اس کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔زیادہ طاقتور یا تیز رفتار کرنٹ کائنات کا شعور یا کائنات کا ریکارڈ ہے اور کم طاقت کا حامل کرنٹ واہمہ کہلاتا ہے۔

تین کرنٹ

ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے اندر تین برقی کرنٹ کام کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر انسان کے اندر جو صلاحیتیں کام کرتی ہیں وہ تین دائروں میں مظہر مخفی ہیں۔ یہ تینوں کرنٹ محسوسات کے تین ہیولے ہیں اور ہر ہیولا مکمل تشخص رکھتا ہے۔ ہر کرنٹ سے انسان کا ایک جسم وجود میں آتا ہے۔ اس طرح آدمی کے تین وجود ہیں یا آدمی تین جسم رکھتا ہے۔ مادی جسم، روشنی کا بنا ہوا جسم اور نور سے بنا ہوا جسم۔ یہ تینوں جسم محسوسات کے تین ہیولے ہیں اور ہر ہیولا مکمل تشخص رکھتا ہے۔ ہر کرنٹ سے انسان کا ایک جسم وجود میں آتا ہے۔ اس طرح آدمی کے تین وجود ہیں یا آدمی تین جسم رکھتا ہے۔ مادی جسم، روشنی کا بنا ہوا جسم اور نور سے بنا ہوا جسم، یہ تینوں جسم بیک وقت متحرک رہتے ہیں لیکن مادی جسم (شعور) صرف مادی حرکات کا علم رکھتا ہے۔

مثال کے طور پر مادی جسم کے اندر لاتعداد افعال واقع ہوتے رہتے ہیں۔ پھیپھڑے ہوا کھینچتے ہیں، جگر کے اندر ہزاروں تعاملات برسرِ عمل رہتے ہیں، دماغ کے اندر برقی رو کے ذریعے حیران کن کرشمہ جاری رہتا ہے۔ پرانے خلیات فنا ہوتے ہیں نئے خلیات بنتے ہیں۔ ان میں سے اکثر اعمال کو ہمارا شعور محسوس نہیں کرتا اور نہ ہمارا شعوری ارادہ ان کو کنٹرول کرتا ہے۔ شعوری ارادے کے بغیر یہ اعمال خود بخود ایک ترتیب سے واقع ہوتے ہیں۔

ہمارے اندر روشنی اور نور کے جسم کا کام کرتے ہیں لیکن شعور انہیں محسوس نہیں کرتا۔ صرف خواب یا مراقبہ کی کیفیات ایسی ہیں جن میں ہمیں روشنی کے جسم کا احساس ہوتا ہے۔ ان کیفیات میں ہمارا مادی جسم معطل رہتا ہے۔ اس کے باوجود ہم زندگی کا ہر فعل انجام دیتے ہیں۔

اس کیفیت میں روشنی کا جسم حرکت کرتا ہے۔ اس جسم کو جسم مثالی بھی کہتے ہیں۔ اگر خیال کی قوت کو بڑھایا جائے تو جسم مثالی کی حرکات سامنے آجاتی ہیں اور ہم جسم مثالی کو ارادے کے تحت استعمال کر سکتے ہیں۔ جسم مثالی کی رفتار مادی جسم سے ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہے۔ خواب میں نور کا جسم بھی متحرک ہو جاتا ہے لیکن رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ ہم نورانی واردات کو یاد نہیں رکھ پاتے۔ نور کا جسم روشنی کے جسم سے ہزاروں گنا تیز سفر کرتا ہے۔ اگر خیال کی طاقت میں مطلوبہ اضافہ ہو جائے تو آدمی نور کے جسم سے متعارف ہو جاتا ہے۔

دائرہ اور مثلث

انسانی ساخت کو دوسرے زاویۂ نگاہ سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر انسان تین جسم یا تین روحوں

سے مرکب ہے۔ روح حیوانی، روح انسانی اور روح اعظم۔ ہر روح دو دائروں پر قائم ہے۔

روح حیوانی: دائرہ نمبر ۱، نفس دائرہ نمبر ۲، قلب

روح انسانی: دائرہ نمبر ۱، روح دائرہ نمبر ۲، سر

روح اعظم: دائرہ نمبر ۱، خفی دائرہ نمبر ۲، اخفی

یہ چھ دائرے محوری اور طولانی گردش دائرہ اور مثلث میں تقسیم ہو کر روشنی اور نور کی چھ لہروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ روشنی کی تین لہروں سے بیداری کے حواس بنتے ہیں اور تین نورانی لہروں سے خواب کے حواس بنتے ہیں۔ روشنی کی تین لہریں اور بیداری کی زندگی کو متحرک رکھتی ہیں اور نور کی تین لہریں خواب کی زندگی کو متحرک رکھتی ہیں۔

ہر آدمی سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے، بیداری کے بعد جب اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ شعوری حواس میں داخل ہوتا ہے، ہم اس کیفیت کو نیم بیداری کی حالت کہہ سکتے ہیں، نیم بیداری سے مطلب یہ ہے کہ ابھی آدمی پوری طرح شعور میں داخل نہیں ہوا ہے لیکن جیسے ہی وہ سو کر اٹھنے کے بعد بیداری کی پہلی کیفیت میں داخل ہوتا ہے اس کے نفس میں فکر و عمل کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ بیداری کے حواس میں فکر و عمل کی جو طرزیں ہیں وہ سب یکجائی طور پر دور کرنے لگتی ہیں۔ نیم بیداری کے بعد دوسرا وقفہ شروع ہوتا ہے اس میں آدمی کے ہوش و حواس میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ ہوش و حواس کی اس گہرائی سے دماغ کے اوپر جو خمار ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس وقفے میں سرور کی کیفیت طاری رہتی ہے، کبھی سرور کی کیفیت بڑھ جاتی ہے کبھی کم ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت سے دائرہ قلب متحرک ہو جاتا ہے۔ سرور کے احساسات گہرے ہونے کے بعد تیسری کیفیت سے دائرہ قلب متحرک ہو جاتا ہے۔ سرور کے احساسات گہرے ہونے کے بعد تیسری کیفیت وجدان کی ہے۔ وجدان بیداری کا تیسرا وقفہ ہے۔ وجدان میں دائرہ روح کام کرتا ہے۔

پہلا وقفہ:

- o نیم بیداری (شعوری حواس کی ابتداء)
- o فکر و عمل کا ایک مرکز پر قائم ہونا
- o دائرہ نفس کی حرکت

دوسرا وقفہ:

- o دماغ کے اوپر سے خمار کا غلبہ ختم ہو کر ہوش و حواس میں گہرائی پیدا ہونا
- o سرور

o دائرہ قلب کی حرکت

تیسرا وقفہ:

o سرور میں گہرائی

o وجدان

o دائرہ روح کی حرکت

جس طرح بیداری میں تین وقفے ہیں اسی طرح نیند کے بھی تین وقفے ہیں۔ جس طرح انسان تین مرحلوں سے گزر کر بیداری میں داخل ہوتا ہے اسی طرح تین مرحلوں سے گزر کر نیند میں داخل ہوتا ہے۔

نینداور بیداری کے درمیانی وقفے کا نام غنود ہے۔ غنود میں ''دائرہ سر'' حرکت میں رہتا ہے۔ نیند کی دوسری حالت میں جسے ہلکی نیند کہنا چاہئے ''خفی دائرہ'' کی حرکت ہوتی ہے اور نیند کی تیسری حالت میں آدمی جب پوری طرح گہری نیند سو جاتا ہے ''اخفی دائرہ'' کی تحریکات ہوتی ہیں۔

غور طلب بات یہ ہے کہ ان تمام حالتوں کے شروع میں انسان پر سکوت کی حالت ضرور طاری ہوتی ہے۔ جس وقت آدمی سو کر اٹھتا ہے اس وقت اس کا ذہن قطعی طور پر پرسکون اور خالی ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری کیفیات میں بھی انسان کی طبیعت چند لمحوں کے لئے ضرور ساکت ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں داخل ہونے کے لئے سکوت کا ہونا ضروری ہے۔

جس طرح بیداری کی حالت میں ہر حالت سکوت سے شروع ہوتی ہے اسی طرح غنودگی کے وقت بھی حواس پر ہلکا سا سکوت طاری ہوتا ہے اور چند لمحے گزر جانے کے بعد حواس کا یہ سکوت بوجھل ہو کر غنودگی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ابتدائی نیند کے چند ساکت لمحات سے ہلکی نیند کی شروعات ہوتی ہیں اور پھر گہری نیند کی ساکت لہریں انسانی جسم پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اس غلبہ کو گہری نیند کہا جاتا ہے۔

نظر کا قانون

بیداری ہو یا نیند دونوں کا تعلق حواس سے ہے۔ ایک حالت میں یا ایک کیفیت میں حواس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور ایک حالت یا کیفیت میں حواس کی رفتار کم ہو جاتی ہے لیکن حواس کی نوعیت نہیں بدلتی۔ بیداری ہو یا خواب دونوں میں ایک ہی طرح کے اور ایک ہی قبیل کے حواس کام کرتے ہیں۔ بیداری اور نیند دراصل دماغ کے اندر دو خانے ہوتے ہیں یا یوں کہئے کہ انسان کے اندر دو دماغ ہیں۔ ایک دماغ میں جب حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام بیداری ہے۔ دوسرے دماغ میں جب حواس متحرک ہوتے ہیں تو اس کا نام نیند

ہے۔یعنی ایک ہی حواس بیداری اور نیند میں ردوبدل ہور ہے ہیں اور حواس کا ردوبدل ہونا ہی زندگی ہے۔
جب دماغ کے اوپر کے ایک حواس سے متعلق سکوت طاری ہوتا ہے تو دوسرے حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔

بیداری میں حواس کے کام کرنے کا قاعدہ اور طریقہ یہ ہے کہ آنکھ کے ڈیلے پر پلک کی ضرب پڑتی ہے تو حواس کام کرنا شروع کر دیتے ہیں یعنی انسان نیند کے حواس سے نکل کر بیداری کے حواس میں داخل ہو جاتا ہے۔موجودہ دور میں اس کی مثال کیمرے سے دی جاسکتی ہے۔

کیمرے کے اندر فلم موجود ہے۔لینس (Lens) بھی موجود ہے لیکن اگر کیمرے کا بٹن نہ دبایا جائے اور شٹر (Shutter) میں حرکت واقع نہ ہو تو فلم پر تصویر نہیں آتی۔بالکل اسی طرح آنکھ کے ڈیلے پر اگر پلک کی ضرب نہ پڑے تو سامنے موجود مناظر دماغ کی اسکرین پر فلم نہیں بنتے۔بیداری میں دیکھنے کا یہ دوسرا مرحلہ ہے۔پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جب انسان سونے کے بعد بیدار ہوتا ہے تو فوری طور پر اسے کوئی خیال آتا ہے اور یہ خیال ہی دراصل بیداری اور نیند کے درمیان حد بن جاتا ہے۔جب اس خیال میں گہرائی واقع ہوتی ہے تو پلک جھپکنے کا عمل شروع ہوتا ہے اور پلک جھپکنے کے ساتھ ساتھ موجود مناظر دماغ کی اسکرین پر منتقل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

دیکھنے کا قانون یہ ہے کہ دماغ پر موجود مناظر کے ساتھ ساتھ علمی حیثیت میں دماغ ایک اطلاع موصول کرتا ہے۔دیکھنے سے ذہن اس اطلاع میں معانی پہنا دیتا ہے۔پلک جھپکنے کے عمل کے ساتھ ساتھ انسانی دماغ میں جو عکس منتقل ہوتا ہے اس کا وقفہ پندرہ سیکنڈ ہوتا ہے۔ابھی پندرہ سیکنڈ نہیں گزرتے تو نظر کے سامنے مناظر میں سے کوئی ایک دو یا زائد مناظر پہلے مناظر کی جگہ لے لیتے ہیں اور یہ سلسلہ تسلسل کے ساتھ قائم رہتا ہے۔بیداری میں نگاہ کا تعلق آنکھ کے ڈیلوں سے براہ راست ہے۔آنکھ کے ڈیلوں پر پلکوں کی ضرب آنکھ کے کیمرہ کا وہ بٹن ہے جو بار بار تصویر لیتا ہے۔قانون یہ ہے کہ اگر آنکھ کے ڈیلوں کے اوپر پلک کی ضرب نہ پڑے تو آنکھ کے اندر موجود اعصاب کام نہیں کرتے۔آنکھ کے اندر موجود اعصاب کی حسیں اسی وقت کام کرتی ہیں جب ان کے اوپر پلکوں یا آنکھ کے پردوں کی ضرب پڑتی رہے۔اگر آنکھ کی پلک کو باندھ دیا جائے اور ڈیلوں کی حرکت رک جائے تو نظر کے سامنے خلاء آجاتا ہے۔مناظر کی فلم بندی رک جاتی ہے۔

صعودی اور نزولی حرکت

ساری کائنات اور کائنات کے اندر تمام نوعیں اور افراد ایک مرکزیت کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔زندگی کے مختلف مراحل اور زندگی کے مختلف زمانے ظاہر ہیں نظروں سے الگ الگ نظر آتے ہیں لیکن فی

الواقع زمانے کا نشیب و فراز اور زندگی کے مراحل میں تغیر و تبدل کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو سب کا تعلق مرکزیت سے قائم ہے۔ افراد کائنات اور مرکزیت کے درمیان لہریں یا شعاعیں رابطہ کا کام کرتی ہیں۔ ایک طرف مرکزیت سے لہریں نزول کر کے افراد کائنات کو فیڈ کرتی ہیں، مرکزیت کو قائم رکھتی ہیں۔ دوسری طرف یہ لہریں افراد کائنات کو فیڈ کرنے کے بعد صعود کرتی ہیں۔ نزول، صعود کا یہ لامتناہی سلسلہ زندگی ہے۔ شعاع اور لہر کے دروانیہ کے پیش نظر کائنات کی جو صورت بنتی ہے اس کو ہم ایک دائرہ کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے یعنی پوری کائنات ایک دائرہ ہے۔ صعودی اور نزولی حرکت کے ساتھ تقسیم ہو کر یہ ایک دائرہ چھ دائروں میں جلوہ نما ہوتا ہے۔

تخلیق کا باطن

زندگی پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہمارے ذہن کا ایک رخ مادی زندگی میں حرکت کرتا ہے اور دوسرا رخ زندگی کی اطلاعات کا ماخذ ہے جس میں زندگی کی تمام اطلاعات اور حرکات محفوظ ہیں۔ ہماری شعوری زندگی اسی حصے کے تابع ہے۔ ہمارے جسم میں ہزار ہر حرکات، کیمیاوی اور برقی اعمال شعوری ارادے کے بغیر واقع ہوتے ہیں مثلاً سانس لینے، پلک جھپکنے، دل دھڑکنے میں ہمیں ارادی قوت صرف نہیں کرنا پڑتی۔ یہ سارے اعمال از خود ایک ترتیب کے ساتھ واقع ہوتے رہتے ہیں۔

تخلیق کے مرحلے میں نوع کے خدوخال، نوع کے تصورات اور اطلاعات بچے کو منتقل ہوتی ہیں۔ پیدائش میں انفرادی شعور کا کردار سطحی ہے۔ نوعی ذہن اور کائنات ذہن بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

روح کے تمام لطائف وہ مرکزیتیں ہیں جن مراکز میں روشنیاں ذخیرہ ہوتی ہیں۔ لطیفہ قلبی اور نفسی کا دائرہ وہ ہے جس مرکز کے اندر دنیاوی روشنیاں ذخیرہ رہتی ہیں یعنی نارمل حالت میں یہ مرکز مادی روشنیوں کو ذخیرہ کرتے ہیں مگر خاص حالتوں میں یہ مراکز نور اور تجلی کو جذب کرنے کی سکت بھی رکھتے ہیں۔ ان کی سکت کو ارادے کے ساتھ بڑھایا جا سکتا ہے۔ جب تک نور جذب کرنے کی سکت پیدا نہیں ہوتی، انوار منتقل نہیں ہوتے۔ شعور میں جو روشنیاں منتقل ہوتی ہیں وہ لاشعور سے آتی ہیں۔ لاشعور روح کا ادراک ہے۔ یہ ادراک نور اور تجلی میں کام کرتا ہے گویا روح انسانی کے پاس نظر کے تین لینس (Lens) ہیں۔ ایک نظر مادی دنیا میں کام کرتی ہے۔ دوسری نظر نور میں کام کرتی ہے۔ تیسری نظر تجلی میں کام کرتی ہے۔

کائنات کے ان تینوں مقامات میں عالمین آباد ہیں۔ ہر مقام میں اسمائے الٰہیہ کے نظام جاری و ساری ہیں۔ اسمائے الٰہیہ کی تجلیوں کی معین مقداریں کائنات کے تمام نظام کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ ہر مقام

میں تجلیوں کی مختلف مقداریں کام کررہی ہیں۔ان ہی مقداروں کے تعین سے کائناتی نظام قائم ہے اور کائناتی نظام فارمولوں سے مرکب ہے۔یہ فارمولے تجلی کے لینس سے دیکھے جا سکتے ہیں۔نور کے لینس سے ان فارمولوں سے بنی ہوئی اشیاء کی باطنی اشکال دیکھی جا سکتی ہیں اور مادی لینس سے شے کا ظاہری جسم سامنے آ جاتا ہے۔اس طرح ایک شے کا وجود تجلی، نور اور مادی تینوں عالمین میں پایا جاتا ہے یعنی کائنات تین مقامات پر مشتمل ہے۔

ایک مقام ہر وقت ہماری نظر کے سامنے رہتا ہے جبکہ باقی دو مقامات نظر سے اوجھل رہتے ہیں۔جو مقامات نظر سے اوجھل رہتے ہیں وہ ہمارا لاشعور ہے۔لاشعور میں روح کی جو نظر کام کررہی ہے اور روح کے پرتوں کے جو ادراک کام کررہے ہیں وہ ادراک مستقل شعور کو اطلاع دیتے رہتے ہیں۔روح کا ہر پرت اللہ تعالیٰ کے حکم پر حرکت میں ہے چنانچہ اس حرکت کی اطلاع لاشعور سے شعور میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔اس کو غیب کی خبریں کہا گیا ہے۔تجلی کے پرت سے جو خبریں شعور میں منتقل ہوتی ہیں وہ وحی ہے۔

تجلی کے دائرے میں براہ راست تفکر سے کائنات کی نزولی حیثیت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔روح کو اللہ تعالیٰ نے تخلیقی علوم عطا فرمائے ہیں۔تجلی جب روح کے لطائف سے گزرتی ہے تو روح کی فکر اسے تخلیقی شکل میں ڈھال دیتی ہے۔یہ صورت نور اور روشنیوں میں ہوتی ہے اور پھر مادی جسم اختیار کرکے نظر کے سامنے آ جاتی ہے۔جب لاشعور اور شعور دونوں کی رفتار ایک ہو جاتی ہے یعنی روح کے تینوں دائرے بیک وقت حرکت میں آ جاتے ہیں تو ان کا درمیانی فاصلہ ختم ہو جاتا ہے۔تجلیوں کا نزول براہ راست شعور میں ہونے لگتا ہے۔ایسی صورت میں تجلی کا شعور غالب آ جاتا ہے۔اللہ کا تفکر غالب اور بندے کا شعور مغلوب ہو جاتا ہے۔

پیغمبروں کے اندر تجلی کا انتہائی لطیف ترین ادراک کام کرتا ہے۔وہ اللہ تعالیٰ کے تفکر کو اپنی روح کے ادراک کے ذریعے جان لیتے ہیں۔ان کے اوپر روح کے لطیف حواس غالب آ جاتے ہیں اور مادی دنیا میں بھی وہ روح کے حواس کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔تجلی درحقیقت اللہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات کا عکس ہے۔ تجلی اللہ کا حجاب ہے۔اس حجاب کے بغیر کوئی بھی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ کسی بشر کی رسائی ممکن ہے۔

روح کی نظر ہر شے کو تخلیقی صورت میں دیکھتی اور پہچانتی ہے کیونکہ جب تک کوئی شے تخلیقی صورت نہیں اختیار کرتی اس کا نام اور اس کی شناخت نہیں ہو سکتی۔روح امر ربی ہے، انسان کی روح اللہ کے امر کو سارے عالمین میں پھیلانے والی ہے۔پہلے روح خود امر کی تجلیوں کی ماہیت حاصل کرتی ہے۔وہ پروگرام جو کمپیوٹر میں فیڈ کیا جاتا ہے وہ محض نمبر اور الفاظ یعنی فارمولے کی شکل میں ہوتا ہے۔اس فارمولے کو کمپیوٹر کی اندرونی مشین تخلیقی صورت بخشتی ہے اور پھر یہ صورت اسکرین پر ظاہر ہو جاتی ہے۔اس طرح ایک پوری شے اپنی مکمل

شکل وصورت کے ساتھ پہچانی جاتی ہے۔

اللہ کی جانب سے جو تجلیاں روح پر نازل ہوتی ہیں اسے روح میں تجلی کا دائرہ اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ یہ تجلیاں اللہ کے تفکر کی متعین مقداریں ہیں ۔مقدار کائنات کا کوئی نہ کوئی فارمولا ہے۔ روح میں اس فارمولے کی ماہیت ظاہر ہو جاتی ہے یعنی تخلیق کا باطن سامنے آجاتا ہے۔ اس میں اسمائے الٰہیہ کی روشنیوں اور ان کی حرکات و نظام کی مکمل تفصیل ہے اور پھر روشنیوں کے دائرے میں شے کا جسم تخلیق ہوتا ہے۔ یہ جسم اپنے اندر فیڈ کئے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی حرکات و افعال انجام دیتا ہے۔ کسی شخص کے اندر اس کے انفرادی شعور کے ساتھ ساتھ نوع کا ذہن اور کائنات کا شعور بھی موجود رہتا ہے۔ نوع سے مراد ابتدائے آفرینش سے لے کر موجودہ لمحہ تک وجود میں آنے والے افراد ہیں ۔ نوع کے محسوسات کا اجتماع فرد کے شعور میں نہیں بلکہ نوع کے ذہن میں ہوتا ہے اور یہیں سے شعور کو منتقل ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص کتابت کا فن سیکھنا چاہتا ہے جب وہ اس فن کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مروجہ قواعد وضوابط کے تحت اس فن کو اپنے اندر جذب کرنے کوشش کرتا ہے تو وقت مقررہ کے بعد اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنے ارادے سے اس فن کا مظاہرہ کر سکے۔

مطلب ہے کہ اس نے اپنے اندر موجود ایک صلاحیت کو حرکت میں لاشعور کا حصہ بنالیا، اسی طرح وہ اپنی نوع کے کسی علم یا فن کو سیکھ لیتا ہے۔ یہ صلاحیت انسان کے نوعی ذہن میں محفوظ ہوتی ہے اور یہیں سے منتقل ہو کر شعور کا حصہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنی نوع کے ذہن یا کائناتی ذہن کو بیدار کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی کوشش میں کم وبیش اسی طرح کامیاب ہو جاتا ہے جس طرح وہ نوعی ذہن کو متحرک کرنے میں کامیاب ہے۔

اگر انفرادی شعور کی تمام کیفیات نوع کے شعور میں جذب کر دی جائیں تو انفرادی شعور نوع کے شعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور وہ نوع انسانی کے مجموعی شعور سے رابطہ حاصل کر لیتا ہے۔ وہ مظاہر کو وسیلہ بنائے بغیر اپنا خیال کسی بھی شخص کو پہنچا سکتا ہے چاہے وہ کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ اس کے خیال کو وصول بھی کر سکتا ہے۔ خیالات کے اس علم سے تسخیر و تعمیر شخصیت کے بہت سے کام لئے جا سکتے ہیں۔ عرف عام میں اسی علم کو انتقال خیال کہتے ہیں۔ اگر انفرادی شعور ترقی کر کے کائنات کے شعور سے ہم آہنگ ہو جائے تو وہ تمام مخلوق کے اجتماعی شعور سے آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ حیوانات، جمادات، جنات اور فرشتوں کی حرکات و سکنات معلوم کی جا سکتی ہیں۔ سیاروں اور سماوی نظاموں کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر کسی شخص کا انفرادی ذہن، نوعی ذہن اور اس کے بعد کائناتی ذہن میں داخل ہو جائے تو وہ پوری

کائنات کا مطالعہ کرسکتا ہے کیونکہ کائنات میں ایک ہی شعور کارفرما ہے ہیں اور اس کے ذریعے ہر لہر دوسری لہر کے معانی سمجھتی ہے چاہے یہ دو لہریں کائنات کے وہ کناروں پر واقع ہوں۔ چنانچہ اگر ہم اپنی توجہ کے ذریعے شعور کو پس پردہ کام کرنے والے دونوں ذہنوں میں جذب کردیں تو ان دونوں کو بالکل اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جس طرح اپنی شعوری واردات و کیفیات سے واقف ہیں۔

تفکر

ارتکاز توجہ کے ذریعہ اپنے سیارے اور دوسرے سیاروں کے آثار و احوال کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ انسانوں، حیوانوں، جنات اور فرشتوں کی حرکات وسکنات اور جمادات کی اندرونی تحریکات معلوم کی جا سکتی ہیں۔ مراقبہ کی مسلسل مشق، ارتکاز توجہ کا باعث بنتی ہے اور شعور کائناتی ذہن میں تحلیل ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور حافظہ میں محفوظ کر دیتا ہے۔

قرآن میں وہ تمام آیات جن میں غیب سے متعلق امور بیان ہوئے ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ آدمی ان حقائق کو اپنے شعور میں اس طرح راسخ کر لے کہ ذرہ بھر بھی شک باقی نہ رہے اور آدمی یقین کے درجہ میں پہنچ جائے۔ یہی یقین آدمی کو مشاہدے تک پہنچا دیتا ہے۔ اولیاء اللہ کے نزدیک یہی مرتبہ زبانی اقرار کے بعد قلب کی تصدیق ہے یعنی آدمی اپنے قلب کی آنکھ سے ان باتوں کا مشاہدہ حاصل کر لے جو اس کا ایمان ہیں۔

یقین کی کیفیت کو شعور کا جزو بنانے کے لئے اہل اللہ نے اپنے شاگردوں کو مراقبہ تعلیم کیا ہے۔ مراقبہ کے ذریعے کسی حقیقت کو قلب پر اس طرح محیط کیا جاتا ہے کہ روح کی آنکھ کھل جائے اور آدمی حقیقت کو اپنے سامنے مجسم و متشکل دیکھ لے۔

تفکر کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تفکر ایک ذہنی عمل ہے جس میں انسان اپنے تمام تر توا ہمات اور خیالات سے دست بردار ہو کر کسی خیال، کسی نقطہ یا کسی مشاہدے کی گہرائی میں سفر کرتا ہے۔ اہل تصوف اور روحانیت نے جب تفکر کو ایک مشق کی صورت دی اور اس کے لئے مختلف قاعدے اور آداب مقرر کیے تو اس کا اصطلاحی نام مراقبہ ہو گیا۔

فکر انسانی میں ایسی روشنی موجود ہے جو کسی ظاہر کے باطن کا، کسی ظہور کے غیب کا مشاہدہ کر سکتی ہے اور غیب کا مشاہدہ ظاہر میں موجود کسی چیز کی تحلیل میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم کسی چیز کے باطن کو دیکھ لیں تو پھر اس کے ظاہر کا پوشیدہ رہنا ممکن نہیں۔ اس طرح ظاہر کی وسعتیں ذہن انسانی پر منکشف ہو جاتی ہیں اور یہ جاننے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں کہ ظاہر کی ابتداء کہاں سے ہوئی ہے۔

یہ انبیائے ربانی کا طریق ہے کہ وہ باطن سے ظاہر کو تلاش کرتے ہیں۔ باطن میں تفکر کرنے سے بالآخر ذہن اس روشنی سے منور ہو جاتا ہے جس سے مخفی حقائق مشاہدے میں آتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روشنی کو نور فراست کہا ہے۔ آپ کا ارشاد عالی مقام ہے، مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

فکر کا ارتکاز ظاہری و باطنی دونوں علوم میں ضروری ہے۔ جب تک فکر میں ذوق، شوق، تجسس اور گہرائی کی قوتیں پیدا نہیں ہوتیں ہم کسی بھی علم کو نہیں سیکھ سکتے۔ اسی طرح روح کے علم کو حاصل کرنے کے لئے بھی ضروری ہے کہ آدمی اپنی فکری صلاحیتوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جب کوئی شخص ارادے اور عمل کی پاکیزگی کے ساتھ تفکر کرتا ہے تو نقطۂ فکر کھل جاتا ہے اور اس کی معنویت یا اس کا باطن سامنے آ جاتا ہے۔

قرآن پاک میں اللہ نے جگہ جگہ اپنی نشانیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان پر تفکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ نشانی دراصل ظاہری حرکات یا مظہر کا نام ہے اور غور و فکر کرنے کی طرف توجہ دلانا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پس پردہ ایسے عوامل موجود ہیں جن کو سمجھ کر آدمی حقیقت کا علم حاصل کرسکتا ہے۔ دراصل تمام طبعی علوم اور مادی مظاہر روحانی قوانین پر قائم ہیں، توجہ اور تفکر کے ذریعے ان قوانین کا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔

محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے اپنے نفس کا عرفان حاصل کرلیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ انسانی نفس، انا یا روح ایسی صفات کا مجموعہ ہے جو پوری کائنات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسی لئے انسان کو خلاصۂ موجودات بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتے ہیں، ہم تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی روح کی صلاحیتوں اور صفات کو تلاش کرتا ہے تو اس پر تخلیق کے راز منکشف ہو جاتے ہیں۔

عرفان نفس بالآخر ذہن میں ایسی روشنی پیدا کر دیتا ہے جو خالق کی پہچان کا باعث بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، وہ تمہارے نفسوں کے اندر ہے، تم دیکھتے کیوں نہیں۔ یہ بھی بشارت دی گئی ہے کہ ہم عنقریب انہیں آفاق اور انفس میں اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائیں گے۔ عرفان نفس کا راستہ نبیوں اور رسولوں سے نوع انسانی کو منتقل ہوا ہے۔ نور نبوت سے فیض یافتہ حضرات نے جن طرزوں پر چل کر نفس کا عرفان حاصل کیا اس میں مراقبہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

مراقبہ ایک قلبی عمل ہے جو لفظ رقیب سے ماخوذ ہے۔ رقیب اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے جس کے معنی نگہبان، پاسبان کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے ذہن کی اس طرح نگہبانی کی جائے کہ وہ معکوس

خیالات، پریشان افکار سے قطعی الگ ہو کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ رقیب کے دوسرے معنی منتظر کے بھی ہیں اس معنی میں مراقبہ کی تعریف یہ ہے کہ آدمی ظاہری حواس کو ایک مرکز پر جمع کر کے اپنی روح یا باطن کی طرف متوجہ ہو جائے تا کہ اس کے اوپر روحانی دنیا کے معانی و اسرار روشن ہو جائیں۔

مذاہب عالم

دنیا میں رائج مذاہب چار ہیں۔ عیسائیت، بدھ مت، اسلام اور ہندو مت۔ ان تمام مذاہب کی تعلیمات یا ان کے بانیوں کی زندگیوں میں مراقبہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ حضرت موسیٰ نے چالیس رات کوہ طور پر غور و فکر (مراقبہ) کیا۔ حضرت عیسیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا کی بادشاہت تمہارے اندر ہے۔ اسے اپنے اندر تلاش کرو۔ اسلام اور حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں غار حرا کے مراقبہ کو اہمیت حاصل ہے۔

بھگوت گیتا اہل ہند کی مقدس کتاب ہے۔ گیتا میں شری کرشن جی اور راجہ ارجن کے وہ مکالمات درج ہیں جو مہا بھارت کی جنگ سے قبل ارجن نے کرشن جی سے کئے اور شری کرشن جی نے بھگوت گیتا کے مطابق ان کے جوابات دیئے۔ راجہ ارجن نے کرشن جی سے پوچھا، آپ ذہن پر قابو (مراقبہ) حاصل کرنے کی بات کرتے ہیں، آپ خود کو پہچاننے کی بات کرتے ہیں لیکن میں اپنے ذہن کو بے حد منتشر پاتا ہوں۔ شری کرشن جی نے فرمایا .... جو تم کہہ رہے ہو، صحیح ہے لیکن مناسب ذرائع اختیار کر کے، استغناء کا عمل اپنا کر اور مسلسل مراقبہ کے ذریعے منتشر ذہن کو یکسو کیا جا سکتا ہے۔

یوگا ہندو مت سے ماخوذ ہے۔ دو ہزار تین سو سال پہلے ''پاتنجلی مہارشی'' نے اپنی کتاب ''یوگا سوترا'' میں یوگا کا فلسفہ پیش کیا تھا۔ یوگا کی مشقوں میں جسمانی صحت کے لئے ورزشیں اور روحانی صلاحیتوں کو متحرک کرنے کے لئے مراقبہ کے بارے میں تفصیلات جمع کی گئی ہیں۔ مہاتما بدھ کی زندگی میں بھی مراقبہ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔

مہاتما بدھ جب اپنی سلطنت کو خیر باد کہہ کر معرفت اور حقیقت کی تلاش میں نکلے تو آپ نے چھ سال تک سخت ریاضتیں کیں اور بالآخر ''گیا'' کے مقام پر ایک گھنے درخت کے نیچے مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ بدھا صاحب مسلسل چالیس دن تلاش حق میں مراقب رہے۔ شیطانی قوتوں نے طرح طرح کے روپ میں ظاہر ہو کر خلل اندازی کی لیکن آپ ثابت قدم رہے۔ روایت کے مطابق انتالیسویں رات آپ کو گیان مل گیا اور معرفت کی روشنی ظاہر ہو گئی۔ مہاتما بدھ کی تعلیمات میں جو آٹھ بنیادی نکات بیان کئے جاتے ہیں ان میں

آٹھواں نکتہ فکر کی پاکیزگی اور مراقبہ ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ مراقبہ کے لئے آنکھیں بند کی جائیں اور ایک دن یا چند دنوں میں وہ سارے تجربات و مشاہدات سامنے آ جائیں جو مراقبہ کا حاصل ہیں مسلسل مشق اور دلچسپی کے ذریعے کوئی شخص درجہ بہ درجہ مراقبہ کی دنیا میں سفر کرتا ہے۔ پہلے پہل ذہنی مرکزیت نہیں ہوتی لیکن مشق کے نتیجے میں یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔

تصور

عام طور پر لوگ اس الجھن کا شکار رہو جاتے ہیں کہ مراقبہ میں تصور کا مطلب کیا ہے یا تصور کس طرح کیا جاتا ہے۔ تصور کا مطلب یہ سمجھا جاتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے کسی چیز کو دیکھا جائے مثلاً اگر کوئی شخص روحانی استاد کا تصور (تصور شیخ) کرتا ہے تو وہ بند آنکھوں سے استاد کے جسمانی خدوخال یا چہرے کے نقوش دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوئی شخص روشنیوں کا مراقبہ کرتا ہے تو بند آنکھوں سے روشنیوں کو دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ عمل تصور کی تعریف میں نہیں آتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک شخص بند آنکھوں سے کسی چیز کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے چونکہ دیکھنے کا عمل ساقط نہیں ہوا اس لئے تصور قائم نہیں ہوگا۔

تصور سے مراد یہ ہے کہ آدمی ہر طرف سے ذہن ہٹا کر کسی ایک خیال میں بے خیال ہو جائے۔ اس خیال میں کسی قسم کے معانی نہ پہنائے اور نہ کچھ دیکھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر اگر روحانی استاد کا تصور کیا جائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی آنکھیں بند کر کے اس خیال میں بیٹھ جائے کہ میں شیخ کی طرف متوجہ ہوں یا میری توجہ کا مرکز شیخ کی ذات ہے۔ شیخ کے جسمانی خدوخال یا چہرے کے نقوش کو دیکھنے کی کوشش نہ کی جائے۔ اسی طرح روشنیوں کا مراقبہ کرتے ہوئے محسوس کیا جائے کہ میرے اوپر روشنیاں برس رہی ہیں۔ روشنی کیا ہے اور روشنی کا رنگ کس طرح کا ہے اس طرف ذہن نہ لگایا جائے۔

مبتدی کو اس وقت شدید ذہنی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب اسے مراقبہ میں اِدھر اُدھر کے خیالات آتے ہیں۔ مراقبہ شروع کرتے ہی خیالات کا ہجوم ہو جاتا ہے۔ ذہن کو جتنا پرسکون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے خیالات زیادہ آنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اعصابی تھکن اور بیزاری طاری ہو جاتی ہے۔ کبھی خیالات اتنی شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ آدمی مراقبہ ترک کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے اندر مراقبہ کی صلاحیت ہی نہیں ہے جبکہ یہ بات ایک وسوسہ سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

ذہن کر کردار گھوڑے جیسا ہوتا ہے۔ جب گھوڑے کو سدھارنا شروع کرتے ہیں تو وہ سخت مزاحمت کرتا ہے لیکن مسلسل محنت کے بعد کامیابی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ذہن کو کنٹرول کرنے کے لئے مسلسل محنت

ضروری ہے۔اصول وضوابط کے ساتھ وقت کی پابندی سے مراقبہ کیا جائے تو قوت ارادی حرکت میں آجاتی ہے اور ذہن کا سرکش گھوڑا بالآخر رام ہو جاتا ہے۔

ہماری شعوری زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن میں توجہ تمام خیالات کے باوجود زیادہ وقفہ تک کسی ایک نقطہ پر مرکوز رہتی ہے۔مثلاً بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔اس حالت میں اگرچہ ہم زندگی کے کم وبیش سارے اعمال انجام دیتے ہیں لیکن ذہن کے اندر پریشانی کا خیال دستک دیتا رہتا ہے۔اس خیال میں پریشانی کی شدت گہرائی پر منحصر ہوتی ہے۔ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، کھاتے پیتے بھی ہیں، بات چیت بھی کرتے ہیں، سوتے جاگتے بھی ہیں۔لیکن ذہنی حالت کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ذہن کے اندر پریشانی کا خیال متواتر حرکت میں ہے۔کبھی کبھی پریشانی کا خیال ذہن پر اس قدر غالب آجاتا ہے کہ ہم ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کر بیٹھتے ہیں اور گم سم ہو جاتے ہیں۔

جس طرح اوپر بیان کیا گئی مثال میں تمام جسمانی افعال اور خیالات کے ساتھ ذہن کسی ایک طرف متوجہ رہتا ہے اسی طرح مراقبہ میں خیالات کے باوجود ذہن کو مسلسل ایک تصور پر قائم رکھا جاتا ہے۔مراقبہ کرتے وقت مختلف خیالات ارادے اور اختیار کے بغیر ذہن میں آتے ہیں۔لیکن مراقبہ کرنے والے کو چاہئے کہ خیالات پر توجہ دیئے بغیر اپنے تصور کو جاری رکھے۔

بے ربط خیالات آنے کی بڑی وجہ شعور کی مزاحمت ہوتی ہے۔شعور کسی ایسے عمل کو آسانی سے قبول نہیں کرتا جو اس کی عادت کے خلاف ہو۔اگر آدمی شعور کی مزاحمت کے آگے ہتھیار ڈال دیتا ہے تو صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔اگر وہ شعوری مزاحمت کی پرواہ کئے بغیر مراقبہ جاری رکھتا ہے تو رفتہ رفتہ خیالات کی رو مدھم پڑ جاتی ہے اور طبیعت میں الجھن اور بیزاری ختم ہو جاتی ہے۔مراقبہ میں کامیاب ہونے کا آسان راستہ یہ ہے کہ خیالات کو رد کرنے یا جھٹکنے سے گریز کیا جائے۔

خیالات آئیں گے اور گزر جائیں گے۔اگر خیالات کو بار بار رد کیا جائے تو یہ خیالات کی تکرار بن جاتی ہے اور بار بار کسی خیال کی تکرار سے ذہن پر خیال کا نقش گہرا ہو جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ آدمی بہت الجھن اور بیزاری سے مغلوب ہو کر مراقبہ ترک کر دے۔اگر ہم مراقبہ کے فوائد سے آگاہی چاہتے ہیں تو جس طرح دوسرے کاموں کے لئے وقت نکال لیتے ہیں مراقبہ کے لئے بھی وقت نکالنا امر لازم ہے۔

اگر ہم دن بھر کی مصروفیات کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ معاشی اور معاشرتی مصروفیات کے علاوہ ایک قابل ذکر وقفہ بے کار وقت گزاری، سوچ بچار اور بے مقصد مصروفیات میں گزر جاتا ہے۔اس کے باوجود ہم شکایت کرتے ہیں کہ اتنی زیادہ مصروفیت ہوتی ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔اگر ہم مراقبہ

کے ذریعے کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو چوبیس گھنٹوں میں سے نصف گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتے تو دراصل ہم مراقبہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔

مراقبہ ختم کرنے کے بعد کچھ دیر تک مراقبہ کی نشست میں سکون کے ساتھ بیٹھے رہنا چاہئے۔ مراقبہ ختم کرتے ہی توجہ کا ہدف تبدیل ہو جاتا ہے۔ جس طرح بیدار ہونے کے بعد نیند کی کیفیات قدرے غالب رہتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ مکمل بیداری غالب آجاتی ہے اسی طرح مراقبہ کے بعد کچھ وقفہ تک ذہن کو آزاد چھوڑ کر بیٹھے رہنے سے مراقبہ کی کیفیت آہستہ آہستہ بیداری میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جیسے جیسے ذہنی یکسوئی میں اضافہ ہوتا ہے باطنی حواس میں حرکت بیدار ہوتی رہتی ہے اور مبتدی شعوری قوت کی مناسبت سے روحانی تجربات اور باطنی مشاہدات سے گزرتا ہے۔ قوت اور استعداد کے ان مدارج اور منازل کی تفصیل اس طرح ہے۔

غنود

جب کوئی شخص مراقبہ شروع کرتا ہے تو اکثر اس پر غنودگی یا نیند طاری ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ذہن پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے اسے نہ نیند کا نام دیا جا سکتا ہے نہ بیداری کا، یہ خواب اور بیداری کی درمیانی حالت ہوتی ہے لیکن شعور پوری طرح باخبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ مراقبہ کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ کچھ دیکھا ہے، لیکن کیا دیکھا یہ یاد نہیں رہتا۔ اس کیفیت کو غنود کہا جاتا ہے جو مراقبہ کا ابتدائی درجہ ہے۔

ادراک

مراقبہ کی مسلسل مشق سے غنود کی کیفیت کم ہونے لگتی ہے۔ غنودگی طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مراقبہ کے دوران وارد ہونے والی روشنیوں کو شعور برداشت نہیں کرتا اور اس پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ جب شعور نیند کی کیفیات سے مغلوب نہیں ہوتا اور ذہن یکسو رہتا ہے تو باطنی اطلاعات موصول ہونے لگتی ہیں۔ طالب علم روحانی واردات و کیفیات کو ادراک کی سطح پر محسوس کرتا ہے۔

ادراک ایسا خیال ہے جو لطیف ہونے کے باوجود خدوخال رکھتا ہے۔ ذہن کی پرواز ان خدوخال کو چھو لیتی ہے۔ مثلاً جب کوئی شخص سیب کا نام لیتا ہے تو ذہن میں سیب کی تصویر ضرور آتی ہے۔ یہ تصویری خدوخال اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ نگاہ ان کا مشاہدہ نہیں کرتی لیکن احساسات ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات مخفی اطلاعات آواز کی صورت میں موصول ہوتی ہیں۔ آواز کی شدت زیادہ نہیں ہوتی لیکن آواز کسی حد تک اطلاع یا منظر کی تشریح کر دیتی ہے۔

ورود

ادراک گہرا ہو کر نگاہ بن جاتا ہے اور باطنی اطلاعات تصویری خدوخال میں نگاہ کے سامنے آجاتی ہیں۔ اس کیفیت کا نام ورود ہے۔ ورود اس وقت شروع ہوتا ہے جب ذہنی یکسوئی کے ساتھ ساتھ غنودگی کا غلبہ کم سے کم ہو جائے۔ ذہنی مرکزیت قائم ہوتے ہی باطنی نگاہ حرکت میں آجاتی ہے، یکایک کوئی منظر نگاہ کے سامنے آجاتا ہے۔ چونکہ شعور اس طرح دیکھنے کا عادی نہیں ہوتا اس لئے وقفہ وقفہ سے ذہنی مرکزیت قائم ہوتی ہے اور پھر ٹوٹ جاتی ہے۔ دیکھے ہوئے مناظر میں سے کچھ یاد رہتے ہیں باقی بھول کے خانے میں جا پڑتے ہیں۔ رفتہ رفتہ آدمی ورود کی کیفیت کا عادی ہو جاتا ہے اور مراقبہ میں واردات و مشاہدات میں اتنی گہرائی پیدا ہو جاتی ہے کہ آدمی خود کو واردات کا حصہ سمجھتا ہے۔ مشاہدات میں ترتیب قائم ہونے لگتی ہے اور معانی و مفہوم ذہن پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

الہام

بعض لوگوں کی باطنی سماعت باطنی نگاہ سے پہلے کام کرنے لگتی ہے۔ سماعت کے حرکت میں آجانے سے آدمی کو ورائے صوت آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ پہلے پہل خیالات آواز کی صورت میں آتے ہیں۔ پھر فضا میں ریکارڈ شدہ مختلف آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ بالآخر آدمی کے شعور میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ جدھر اس کی توجہ جاتی ہے اس سمت کے مخفی معاملات اور مستقبل کے حالات آواز کے ذریعے سماعت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جب بار بار یہ عمل ہوتا ہے تو آواز کے ساتھ ساتھ نگاہ بھی کام کرنے لگتی ہے اور تصویری خدوخال نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں، اس کیفیت کو کشف کہتے ہیں۔

ابتدائی مرحلے میں کشف ارادے کے ساتھ نہیں ہوتا، یکایک خیال کے ذریعے آواز کے وسیلے سے یا تصویری منظر کی معرفت کوئی بات ذہن میں آجاتی ہے اور پھر اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کشف کی کیفیت میں ایک مرحلہ ایسا آتا ہے کہ ظاہری اور باطنی حواس ایک ساتھ متحرک رہتے ہیں۔ مراقب کے ذہن میں اتنی سکت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ بیک وقت مادی اور روحانی دنیا کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کیفیت کے وارد ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ صاحب مراقبہ کسی جگہ بیٹھ کر آنکھیں بند کرے البتہ یہ کیفیت اختیاری نہیں ہوتی۔ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، اچانک طاری ہو جاتی ہے اور از خود ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حالت دن میں کئی بار بھی وارد ہو سکتی ہے اور بسا اوقات ہفتوں میں ایک مرتبہ بھی طاری نہیں ہوتی۔ اس کیفیت کا نام الہام ہے۔

سیر

انسان کی روح میں ایک روشنی ایسی ہے جو اپنی وسعتوں کے لحاظ سے لامتناہی حدوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس لامتناہی روشنی کی حد بندی کرنا چاہیں تو پوری کائنات کو اس لامحدود روشنی میں مقید تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ روشنی موجودات کی ہر چیز کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے احاطے سے باہر کسی وہم، خیال یا تصور کا نکل جانا ممکن نہیں۔ روشنی کے اس دائرے میں جو کچھ واقع ہوا تھا یا بحالت موجود وقوع میں ہے یا آئندہ ہوگا وہ سب ذات انسانی کی نگاہ کے بالمقابل ہے۔

اس روشنی کی ایک شعاع کا نام باصرہ (دیکھنے کی قوت) ہے۔ یہ شعاع کائنات کے پورے دائرے میں دور کرتی رہتی ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ تمام کائنات ایک دائرہ ہے اور یہ روشنی ایک چراغ ہے۔ اس چراغ کی لو کا نام باصرہ ہے۔

جہاں اس چراغ کی لو کا عکس پڑتا ہے وہاں اردگرد اور قرب و جوار کو چراغ کی لو دیکھ لیتی ہے۔ اس چراغ کی لو میں جس قدر روشنیاں ہیں ان میں درجہ بندی ہے۔ کہیں لو کی روشنی بہت ہلکی کہیں تیز اور کہیں بہت تیز پڑتی ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت ہلکی پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا توا ہم پیدا ہوتا ہے۔ توا ہم لطیف ترین خیال کو کہتے ہیں جو صرف ادراک کی گہرائیوں میں محسوس کیا جاتا ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی ہلکی پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا خیال رونما ہوتا ہے۔ جن چیزوں پر لو کی روشنی تیز پڑتی ہے ہمارے ذہن میں ان چیزوں کا تصور قدرے نمایاں ہو جاتا ہے اور جن چیزوں پر لو کی روشنی بہت تیز پڑتی ہے ان چیزوں تک ہماری نگاہ پہنچ کر ان کو دیکھ لیتی ہے۔

شہود

وہم، خیال اور تصور کی صورت میں کوئی چیز انسانی نگاہ پر واضح نہیں ہوتی اور نگاہ اس چیز کی تفصیل کو نہیں سمجھ سکتی۔ اگر کسی طرح نگاہ کا دائرہ بڑھتا جائے تو وہ چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جن سے نگاہ وہم، خیال اور تصور کی صورت میں روشناس ہے۔ شہود کسی روشنی تک خواہ وہ بہت ہلکی ہو یا تیز ہو، نگاہ کے پہنچ جانے کا نام ہے۔

شہود ایسی صلاحیت ہے جو ہلکی سے ہلکی روشنی کو نگاہ میں منتقل کر دیتی ہے تاکہ ان چیزوں کو جو اب تک محض توا ہم تھیں، خدوخال، شکل وصورت، رنگ اور روپ کی حیثیت میں دیکھا جا سکے۔ روح کی وہ طاقت جس

کا نام شہود ہے وہم کو، خیال کو یا تصور کو نگاہ تک لاتی ہے اور ان کی جزئیات کو نگاہ پر منکشف کر دیتی ہے۔ شہود میں روح کا برقی نظام بے حد تیز ہو جاتا ہے۔

حواس میں روشنی کا ذخیرہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ اس روشنی میں غیب کے نقوش نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ مرحلہ شہود کا پہلا قدم ہے۔ اس مرحلے میں سارے اعمال باصرہ یا نگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی صاحب شہود غیب کے معاملات کو خد و خال میں دیکھتا ہے۔

سماعت

قوت بصارت کے بعد شہود کا دوسرا مرحلہ سماعت کا حرکت میں آنا ہے اس مرحلہ میں کسی ذی روح کے اندر کے خیالات آواز کی صورت میں شہود کی سماعت تک پہنچنے لگتے ہیں۔

شامہ اور لمس

شہود کا تیسرا اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ صاحب شہود کسی چیز کو خواہ اس کا فاصلہ لاکھوں برس کے برابر ہو، سونگھ سکتا ہے اور چھو سکتا ہے۔ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنی طویل شب بیداری کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں فرشتوں کو آسمان میں چلتے پھرتے دیکھتا ہوں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، اگر تم شب بیداری کو قائم رکھتے تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔ دور رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعے میں شہود کے مدارج کا تذکرہ موجود ہے۔ فرشتوں کا مشاہدہ باصرہ سے تعلق رکھتا ہے اور مصافحہ کرنا لمس کی قوتوں کی طرف اشارہ ہے جو باصرہ کے بعد بیدار ہوتی ہیں۔

شہود کے مدارج میں ایک کیفیت وہ ہے کہ جب جسم اور روح کی واردات و کیفیات ایک ہی نقطہ میں سمٹ آتی ہیں اور جسم روح کا حکم قبول کر لیتا ہے۔ اولیاء اللہ کے حالات میں اس طرح کے بہت سے واقعات موجود ہیں۔

مثلاً ایک قریبی شناسا نے حضرت معروف کرخی کے جسم پر ایک نشان دیکھ کر پوچھا کہ کل تک تو یہ نشان موجود نہیں تھا آج کیسے پڑ گیا۔ حضرت معروف کرخی نے فرمایا کہ کل رات میں حالت نماز میں تھا کہ ذہن خانہ کعبہ کی طرف چلا گیا، میں خانہ کعبہ پہنچ گیا اور طواف کے بعد جب چاہ زم زم کے قریب پہنچا تو میرا پیر پھسل گیا اور میں گر پڑا، مجھے چوٹ لگی اور یہ اسی کا نشان ہے۔

اسی طرح ایک بار ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء کے جسم پر زخم کا غیر معمولی نشان دیکھ کر میں نے اس

کی بابت دریافت کیا۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے بتایا کہ رات کو روحانی پرواز کے دوران دو چٹانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے جسم ایک چٹان سے ٹکرا گیا جس کی وجہ سے یہ زخم آ گیا۔

جب شہود کی کیفیات میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو عارف علم غیبی دنیا کی سیر اس طرح کرتا ہے کہ وہ غیب کی دنیا کی حدود میں چلتا پھرتا، کھاتا پیتا اور وہ سارے کام کرتا ہے جو اس کے نورانی مشاغل کہلا سکتے ہیں۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب مراقبہ کی مشق کے ساتھ ساتھ آدمی کے ذہن میں دنیا کی کوئی فکر لاحق نہیں ہوتی۔ یہاں وہ مکان کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کے قدم زمان کی ابتداء سے زمان کی انتہا تک ارادے کے مطابق اٹھتے ہیں۔ جب انسان کا نقطہ ذات مراقبہ کے مشاغل میں پوری معلومات حاصل کر لیتا ہے تو اس میں اتنی وسعت پیدا ہو جاتی ہے کہ زمان کے دونوں کناروں ازل اور ابد کو چھو سکتا ہے اور ارادے کے تحت اپنی قوتوں کا استعمال کر سکتا ہے۔ وہ ہزاروں سال پہلے کے یا ہزاروں سال بعد کے واقعات دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتا ہے کیونکہ ازل سے ابد تک درمیانی حدود میں جو کچھ پہلے سے موجود تھا یا آئندہ ہوگا اس وقت بھی موجود ہے۔ شہود کی اس کیفیت کو عارفوں کی اصطلاح میں سیر یا معائنہ بھی کہتے ہیں۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء کتاب لوح و قلم میں فرماتے ہیں، جب عارف کی سیر شروع ہوتی ہے تو وہ کائنات میں خارجی سمتوں سے داخل نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے نقطہ ذات سے داخل ہوتا ہے، اسی نقطہ سے وحدت الوجود کی ابتداء ہوتی ہے۔ جب عارف اپنی نگاہ کو اس نقطہ میں جذب کر دیتا ہے تو ایک روشنی کا دروازہ کھل جاتا ہے وہ اس روشنی کے دروازے سے ایسی شاہراہ میں پہنچ جاتا ہے جس سے لاشمار راہیں کائنات کی تمام سمتوں میں کھل جاتی ہیں۔ اب وہ قدم قدم تمام نظام ہائے شمسی اور تمام نظام ہائے فلکی سے روشناس ہوتا ہے۔ لاشمار ستاروں اور سیاروں میں قیام کرتا ہے، اسے ہر طرح کی مخلوق کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہر نقش کے ظاہر و باطن سے متعارف ہونے کا موقع ملتا ہے۔ وہ رفتہ رفتہ کائنات کی اصلیتوں اور حقیقتوں سے واقف ہو جاتا ہے، اس پر تخلیق کے راز کھل جاتے ہیں وہ اپنے نفس کو سمجھتا ہے، پھر روحانیت کی طرزیں اس کی فہم میں سما جاتی ہیں۔ اسے تجلی ذات اور صفات کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔ وہ اچھی طرح جان لیتا ہے کہ اللہ نے جب "کن" ارشاد فرمایا تو کس طرح یہ کائنات ظہور میں آئی اور ظہورات کس طرح وسعت در وسعت مرحلوں اور منزلوں میں سفر کر رہے ہیں۔ وہ خود کو بھی ان ہی ظہورات کے قافلے کا ایک مسافر دیکھتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ مذکورہ سیر کی راہیں خارج میں نہیں کھلتیں۔ دل کے مرکز میں جو روشنی ہے اس کی اتھاہ گہرائیوں میں اس کے نشانات ملتے ہیں۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ دنیا خیالات اور تصورات کی بے حقیقت دنیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے اس دنیا میں وہ تمام اصلیں اور حقیقتیں متشکل اور مجسم طور پر پائی جاتی ہیں جو اس دنیا میں پائی جاتی ہیں۔

فتح

اعلیٰ ترین شہود کو فتح کہتے ہیں۔اگر کسی شخص کو شہود کا کمال میسر آ جائے تو وہ عالم غیب کا مشاہدہ کرتے وقت آنکھیں بند نہیں رکھ سکتا بلکہ از خود اس کی آنکھوں پر ایسا وزن پڑتا ہے جس کو وہ برداشت نہیں کر سکتیں اور کھلی رہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔آنکھوں کے غلاف ان روشنیوں کو جو نقطۂ ذات سے منتشر ہوتی ہیں سنبھال نہیں سکتے اور بے ساختہ حرکت میں آ جاتے ہیں جس سے آنکھوں کے کھلنے اور بند ہونے یعنی پلک جھپکنے کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔

جب سیر، شہود یا معائنہ کھلی آنکھوں سے ہونے لگتا ہے تو اس کو فتح کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔فتح میں انسان ازل سے ابد تک معاملات کو بیداری کی حالت میں چل پھر کر دیکھتا اور سمجھتا ہے۔کائنات کے بعید ترین فاصلوں میں اجرام سماوی کو بنتا اور عمر طبعی کو پہنچ کر فنا ہوتے دیکھتا ہے۔لاشمار کہکشانی نظام اس کی آنکھوں کے سامنے تخلیق پاتے ہیں اور رلاحساب زمانی دور گزار کر فنا ہوتے نظر آتے ہیں۔

فتح کا ایک لمحہ بعض اوقات ازل تا ابد کے وقفے کا محیط بن جاتا ہے۔ماہرین فلکیات کہتے ہیں کہ ہمارے نظام شمسی سے الگ کوئی نظام ایسا نہیں جس کی روشنی ہم تک کم وبیش پانچ برس سے کم عرصے میں پہنچتی ہو۔وہ ایسے ستارے بھی بتاتے ہیں جن کی روشنی ہم تک ایک کروڑ سال میں پہنچتی ہے۔یعنی ہم اس سیکنڈ میں جس ستارے کو دیکھ رہے ہیں وہ ایک کروڑ سال پہلے کی ہیئت ہے۔یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ موجودہ لمحہ ایک کروڑ سال پہلے کا لمحہ ہے۔یہ بات غور طلب ہے کہ ان دونوں لمحوں کے درمیان جو ایک اور بالکل ایک ہیں ایک کروڑ سال کا وقفہ ہے، یہ ایک کروڑ سال کہاں گئے۔

معلوم ہوا کہ یہ ایک کروڑ سال فقط طرز ادراک ہیں۔طرز ادراک نے صرف ایک لمحہ کو ایک کروڑ سال پر تقسیم کر دیا ہے۔جس طرح طرز ادراک گزشتہ ایک کروڑ سال کو موجودہ لمحہ کے اندر دیکھتی ہے۔اسی ہی طرح ادراک آئندہ ایک کروڑ سال کو موجودہ لمحہ کے اندر دیکھ سکتی ہے۔پس! یہ تحقیق ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک کا تمام وقفہ ایک لمحہ ہے جس کو طرز ادراک نے ازل سے ابد تک کے مراحل پر تقسیم کر دیا ہے۔ہم اس ہی تقسیم کو مکان (Space) کہتے ہیں۔گویا ازل سے ابد تک کا تمام وقفہ مکان ہے اور جتنے حوادث کائنات نے دیکھے ہیں وہ سب ایک لمحہ کی تقسیم کے اندر مقید ہیں۔یہ ادراک کا اعجاز ہے جس نے ایک لمحہ کو ازل تا ابد کا روپ عطا کر دیا ہے۔

ہم جس ادراک کو استعمال کرنے کے عادی ہیں وہ ایک لمحہ کی طوالت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا، جو ادراک ازل سے ابد تک کا مشاہدہ کر سکتا ہے اس کا تذکرہ قرآن کی سورۃ القدر میں ہے، ہم نے یہ اتارا شب

قدر میں اور تو کیا سمجھا، کیا ہے شب قدر۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر کام پر۔ امان ہے اور وہ رات صبح نکلنے تک۔

شب قدر وہ ادراک ہے جو ازل سے ابد تک کے معاملات کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ ادراک عام شعور سے ساٹھ ہزار گنا یا اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ ایک رات کو ایک ہزار مہینے سے ساٹھ ہزار گنا کی مناسبت ہے۔ اس ادراک سے انسان کائناتی روح، فرشتوں اور ان امور کا جو تخلیق کے راز ہیں مشاہدہ کرتا ہے۔

انسان کی مادی زندگی مادی جسم کے فنا ہونے کے بعد ختم نہیں ہوتی۔ انسانی انا موت کے بعد مادی جسم کو خیرباد کہہ کر روشنی کا بنا ہوا جسم اختیار کر لیتی ہے اور مادی دنیا سے ملکوتی دنیا میں منتقل ہو جاتی ہے۔

زندگی ایک نئے زاویہ میں جاری رہتی ہے اور روشنی کے جسم کے ذریعے دوسری دنیا میں بھی زندگی کے شب و روز پورے کرتی ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی کو اعراف کی زندگی کہتے ہیں۔ بیداری میں مادی حواس کو وقتی طور پر مغلوب کر کے روشنی کے حواس کو خود پر طاری کر لینے کے لئے مراقبہ موت کیا جاتا ہے۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی مقام ہے، مر جاؤ مرنے سے پہلے۔ اس حدیث شریف میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں رہتے ہوئے مادی حواس کو اس طرح مغلوب کر لیا جائے کہ آدمی موت کے حواس سے واقف ہو جائے یعنی وہ مادی حواس میں رہتے ہوئے موت کے بعد کی دنیا کا مشاہدہ کر لے۔

مراقبہ موت

عظیمی صاحب ''مراقبہ موت'' کی کیفیات کے حوالے سے فرماتے ہیں، میں نے دیکھا کہ میری آنکھوں کے سامنے اسپرنگ کی طرح چھوٹے اور بڑے دائرے آنا شروع ہو گئے۔ یہ دائرے نہایت خوش رنگ تھے۔ پھر ایک دم اندھیرا ہو گیا دور بہت دور تقریباً دو سو میل کے فاصلے پر خلاء میں روشنی نظر آئی اور ایک بہت بڑی چہار دیواری میں قلعہ کی طرح دروازہ نظر آیا، میری روح اس دروازے میں داخل ہو گئی، دروازہ میں داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ یہاں پورا شہر آباد ہے۔ بلند و بالا عمارتیں ہیں۔ لکھوری اینٹوں کے مکان اور چکنی مٹی سے بنے ہوئے کچے مکان بھی ہیں۔ دھوبی گھاٹ بھی ہے اور ندی نالے بھی۔ جنگل بیابان بھی ہیں اور پھولوں پھلوں سے لدے ہوئے درخت اور باغات بھی۔ ایک ایسی بستی ہے جس میں محلات کے ساتھ ساتھ پتھر کے زمانے کے غاروں میں رہنے والے آدم زاد بھی ہیں۔

یہاں اس زمانے کے لوگ بھی ہیں جب آدم بے لباس تھا۔ وہ ستر پوشی کے علم سے بے خبر تھا۔ ان میں سے ایک صاحب نے آگے بڑھ کر مجھ سے پوچھا، آپ نے اپنے جسم پر کپڑوں کا یہ بوجھ کیوں ڈال رکھا

ہے۔صورت شکل سے تو آپ ہماری نوع کے فرد نظر آتے ہیں۔یہ اس زمانے کے مرے ہوئے لوگوں کی دنیا (اعراف) ہے جب زمین پر انسانوں کے لئے کوئی معاشرہ قانون رائج نہیں تھا اور لوگوں کے ذہنوں میں ستر پوشی کا کوئی تصور نہیں تھا۔

یہ عظیم الشان شہر جس کی آبادی اربوں کھربوں سے متجاوز ہے، لاکھوں کروڑوں سال سے آباد ہے۔ اس شہر میں گھوم کر لاکھوں سال کی تہذیب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔یہاں ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو آگ کے استعمال سے واقف نہیں اور ایسے لوگ بھی آباد ہیں جو پتھر کے زمانے کے لوگ کہے جاتے ہیں۔اس عظیم الشان شہر میں ایسی بستیاں بھی موجود ہیں جس میں آج کی سائنس سے بہت زیادہ ترقی یافتہ قومیں رہتی ہیں۔جنہوں نے اس ترقی یافتہ زمانے سے زیادہ طاقتور ہوائی جہاز اور میزائل بنائے تھے۔امتداد زمانہ نے جن کا نام اڑن کھٹولے وغیرہ رکھ دیا۔

اس شہر میں ایسی دانشور قوم بھی آباد ہے جس نے ایسے فارمولے ایجاد کر لئے تھے جن سے کشش ثقل ختم ہو جاتی ہے اور ہزاروں ٹن چٹانوں کا وزن کشش ثقل ختم کر کے چند کلوگرام ہو جاتا ہے۔لاکھوں سال پرانے اس شہر میں ایسی قومیں بھی محو استراحت یا مبتلائے رنج و آلام ہیں جنہوں نے ٹائم اسپیس کو Less کر دیا تھا اور زمین پر رہتے ہوئے اس بات سے واقف ہو گئے تھے کہ آسمان پر فرشتے کیا کر رہے ہیں اور زمین پر کیا ہونے والا ہے۔وہ اپنی ایجادات کی مدد سے ہواؤں کا رخ پھیر دیتے تھے اور طوفان کے جوش کو جھاگ میں تبدیل کر دیتے تھے۔

اسی ماورائی خطہ میں ایسے قدسی نفس لوگ بھی موجود ہیں جو جنت میں اللہ کے مہمان ہیں اور ایسے شقی بھی جن کا مقدر دوزخ کا ایندھن بننا ہے۔یہاں کھیت کھلیان بھی ہیں اور بازار بھی۔ایسے کھیت کھلیان جن میں کھیتی تو ہو سکتی ہے لیکن ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ایسے بازار ہیں جن میں دکانیں تو ہیں لیکن خریدار کوئی نہیں۔ ایک صاحب دکان لگائے بیٹھے ہیں اور دکان میں طرح طرح کے ڈبے رکھے ہوئے ہیں ان میں سامان کچھ نہیں ہے۔یہ شخص اداس اور پریشان نظر آتا ہے۔میں نے پوچھا، بھائی تمہارا کیا حال ہے۔بولا، میں اس بات سے غمگین ہوں کہ مجھے پانچ سو سال بیٹھے ہوئے ہو گئے ہیں۔میرے پاس ایک گاہک بھی نہیں آیا ہے۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ شخص دنیا میں سرمایہ دار تھا، منافع خوری اور چور بازاری اس کا پیشہ تھا۔

برابر کی دکان میں ایک اور آدمی بیٹھا ہوا ہے، بوڑھا آدمی ہے۔بال بالکل خشک الجھے ہوئے، چہرے پر وحشت اور گھبراہٹ ہے، سامنے کاغذ اور حساب کتاب کے رجسٹر پڑے ہوئے ہیں۔یہ ایک کشادہ اور قدرے صاف دکان ہے۔یہ صاحب کاغذ قلم لئے رقموں کی میزان دے رہے ہیں اور جب رقموں کا جوڑ

کرتے ہیں تو بلند آواز سے اعداد گنتے ہیں۔ کہتے ہیں، دو اور دو سات، سات اور دو دس، دس اور دس انیس۔ اس طرح پوری میزان کر کے دوبارہ ٹوٹل کرتے ہیں تا کہ اطمینان ہو جائے اب اس طرح میزان دیتے ہیں۔ دو اور تین پانچ، پانچ اور پانچ سات، سات اور نو بارہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مرتبہ جب میزان کی جانچ کرتے ہیں تو میزان غلط ہوتی ہے اور جب دیکھتے ہیں کہ رقموں کا جوڑ صحیح نہیں ہے تو وحشت میں چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ بال نوچتے ہیں اور خود کو کوستے ہیں۔ بڑبڑاتے ہیں اور سر کو دیوار سے ٹکراتے ہیں اور پھر دوبارہ میزان کرنے میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

میں نے بڑے میاں سے پوچھا، جناب! کتنی مدت سے آپ اس پریشانی میں مبتلا ہیں۔ بڑے میاں نے غور سے دیکھا اور کہا، میری حالت کیا ہے، کچھ نہیں بتا سکتا مگر تین ہزار سال ہو گئے ہیں کم بخت یہ میزان صحیح نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ میں زندگی میں لوگوں کے حسابات میں دانستہ ہیر پھیر کرتا تھا۔ بدمعاملگی میرا شعار تھا۔

علماء سوء سے تعلق رکھنے والے ان صاحب سے ملئے۔ داڑھی اتنی بڑی جیسے جھڑ بیری کی جھاڑی، چلتے ہیں تو داڑھی کو اکھٹا کر کے کمر کے گرد لپیٹ لیتے ہیں، اس طرح جیسے پٹکا لپیٹ لیا جاتا ہے۔ چلنے میں داڑھی کھل جاتی ہے اور اس میں الجھ کر زمین پر اوندھے گر جاتے ہیں۔ سوال کرنے پر انہوں نے بتایا، دنیا میں لوگوں کو دھوکا دینے کے لئے میں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی اور داڑھی کے ذریعے بہت آسانی سے سیدھے اور نیک لوگوں سے اپنی مطلب برآری کر لیا کرتا تھا۔

سامنے بستی سے باہر ایک صاحب زور زور سے آواز لگا رہے ہیں۔ اے لوگو! آؤ میں تمہیں اللہ کی بات سناتا ہوں۔ اے لوگو! آؤ اور سنو، اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔ کوئی بھی آواز پر کان نہیں دھرتا البتہ فرشتوں کی ایک ٹولی اُدھر آنکلتی ہیں۔ ہاں سناؤ! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں۔ ناصح فوراً کہتا ہے، بہت دیر سے پیاسا ہوں، مجھے پہلے پانی پلاؤ۔ فرشتے کھولتے ہوئے پانی کا ایک گلاس منہ کو لگا دیتے ہیں۔ ہونٹ جل کر سیاہ ہو جاتے ہیں اور جب وہ پانی پینے سے انکار کرتا ہے تو فرشتے یہی ابلتا اور کھولتا ہوا پانی اس کے منہ پر انڈیل دیتے ہیں۔ فرشتے ہنستے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں، مردود کہتا تھا، آؤ اللہ کی بات سناؤں گا۔ دنیا میں بھی اللہ کے نام کو بطور کاروبار استعمال کرتا تھا۔ یہاں بھی یہی کر رہا ہے۔ جھلسے اور جلے ہوئے منہ سے ایسی وحشت ناک آوازیں اور چیخیں نکلتی ہیں کہ انسان کو سننے کی تاب نہیں۔

اس عظیم الشان شہر میں ایک تنگ اور تاریک گلی ہے۔ گلی کے اختتام پر کھیت اور جنگل ہیں۔ یہاں ایک مکان بنا ہوا ہے۔ مکان کیا ہے بس چاردیواری ہے اس مکان پر کسی ربڑ نما چیز کی جالی دار چھت پڑی ہوئی ہے۔ دھوپ اور بارش سے بچاؤ کا کوئی سہارا نہیں ہے۔ اس مکان میں صرف عورتیں ہیں، چھت اتنی نیچی ہے

کہ آدمی کھڑا نہیں ہوسکتا۔ ماحول میں گھٹن اور اضطراب ہے۔ ایک صاحبہ ٹانگیں پھیلائے بیٹھی ہیں۔ عجیب اور بڑی ہی عجیب بات ہے کہ ٹانگوں سے اوپر کا حصہ معمول کے مطابق ہے اور ٹانگیں دس فٹ لمبی ہیں۔ اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ان سے پوچھا، محترمہ آپ کیسی ہیں اور آپ کی ٹانگیں اتنی لمبی کیوں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ میں دنیائے فانی میں جب کسی کے گھر جاتی تھی، ایک گھر کی بات دوسرے گھر جا کر سناتی تھی اور خوب لگائی بجھائی کرتی تھی۔ اب حال یہ ہے کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔ ٹانگوں میں انگارے بھرے ہوئے ہیں۔ ہائے میں جل رہی ہوں اور کوئی نہیں جو مجھ پر ترس کھائے۔

کشف القبور کے مراقبہ میں، میں نے دیکھا کہ چہرے پر ڈر اور خوف نمایاں، چھپتے چھپاتے دبے پاؤں ایک شخص ہاتھ میں چھری لئے جا رہا ہے۔ اف خدایا، اس نے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کی پشت میں چھری گھونپ دی اور بہتے ہوئے خون کو کتے کی طرح زبان سے چاٹنے لگا۔ تازہ تازہ اور گاڑھا خون پیتے ہی خون کی قے ہوگئی۔ نحیف اور نزار زندگی سے بیزار کراہتے ہوئے کہا، کاش عالم فانی میں یہ بات میری سمجھ میں آ جاتی کہ غیبت کا انجام یہ ہوتا ہے۔

شکل و صورت میں انسان، ڈیل ڈول کے اعتبار سے دیو۔ قد تقریباً بیس فٹ، جسم بے انتہا چوڑا، قد کی لمبائی اور جسم کی چوڑائی کی وجہ سے کسی کمرے یا کسی گھر میں رہنا ناممکن۔

بس ایک کام ہے کہ اضطراری حالت میں مکانوں کی چھت پر اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھوم رہے ہیں۔ بیٹھ نہیں سکتے، لیٹ بھی نہیں سکتے، ایک جگہ قیام کرنا بھی بس کی بات نہیں ہے۔ اضطراری کیفیت میں اس چھت سے اُس چھت پر اور اُس چھت سے اِس چھت پر مسلسل چھلانگیں لگا رہے ہیں۔ کبھی روتے ہیں اور کبھی بے قرار ہو کر اپنا سر پیٹتے ہیں۔ پوچھا، حضرت یہ کس عمل کی پاداش ہے۔ آپ اس قدر غمگین اور پریشان کیوں ہیں۔ جواب دیا، میں نے دنیا میں یتیموں کا حق غصب کر کے عمارتیں بنائی تھیں۔ یہ وہی عمارتیں ہیں، آج ان کے دروازے میرے اوپر بند ہیں۔ لذیذ اور مرغن کھانوں نے میرے جسم میں ہوا اور آگ بھر دی ہے۔ ہوا نے میرے جسم کو اتنا بڑا کر دیا ہے کہ گھر میں رہنے کا تصور میرے لئے انہونی بات بن گئی ہے۔ آہ! آہ! یہ آگ مجھے جلا رہی ہے۔ میں جل رہا ہوں، میں بھاگنا چاہتا ہوں مگر فرار کی تمام راہیں ختم ہو گئیں ہیں۔



بولٹن مارکیٹ سے بس میں سوار ہو کر گھر آ رہا تھا۔ بس میں اس قدر رش تھا کہ لگتا تھا کسی بڑے ڈبے میں سامان کی طرح مسافروں کو پیک کر دیا گیا ہے۔ دھوئیں اور جلے ہوئے تیل کے ساتھ آدمیوں کے پسینہ کی بو بھی بس میں بسی ہوئی تھی۔ بس چلنے پر کھڑکی سے ہوا کا جھونکا آتا تو متعفن پسینہ کی بو سے دماغ پھٹنے لگتا۔ بس

میں سوار مسافر ایسے بھی تھے جن کے سفید براق لباس سینٹ کی بھینی خوشبو سے معطر تھے۔ کچھ لوگوں نے سر میں ایسے تیل ڈالے ہوئے تھے جن میں دوائیوں کی خوشبو موجود تھی۔ خوشبو اور بدبو کے اس امتزاج سے دماغ بھاری ہوگیا اور دم گھٹنے لگا۔ جب یہ صورت واقع ہوئی تو ذہن میں یکا یک یہ خیال وارد ہوا کہ آدمی کے اندر اس قدر تعفن کیوں ہے۔

ذہن اس خیال پر مرکوز ہوگیا۔ مرکزیت اس قدر بڑھی کہ آنکھیں خمار آلود ہوگئیں اور آہستہ آہستہ یہ خمار غنودگی میں تبدیل ہوتا چلا گیا۔ دیکھا کہ ایک گول دائرہ ہے۔ اس گول دائرے کے اوپر چھ اور دائرے ہیں۔ ہر دائرہ مختلف رنگوں سے بنا ہوا ہے۔ کوئی دائرہ نیلگوں ہے، کوئی سبز ہے، کوئی سرخ ہے، کوئی سیاہ ہے اور کوئی بے رنگ ہے۔ قوس وقزح کے ان رنگوں میں ذہن کی دلچسپی بڑھی تو یہ چھ دائرے چھ روشن نقطوں میں تبدیل ہوگئے ہیں اور یہ بات منکشف ہوئی کہ ہر ذی روح دراصل ان چھ نقطوں کے اندر زندہ ہیں۔ ان چھ نقطوں کو جب اور زائد گہرائی میں دیکھا تو نقطوں کے درمیان فاصلہ قائم ہوگیا۔ پہلا نقطہ سر کے بیچ میں نظر آیا، دوسرا نقطہ پیشانی کی جگہ، تیسرا نقطہ دائیں پستان کے نیچے، چوتھا نقطہ سینے کے بیچ میں، پانچواں نقطہ دل کی جگہ اور چھٹا نقطہ ناف کے مقام پر دیکھا۔ ناف کے مقام پر جو نقطہ موجود تھا اس میں تاریک غالب تھی اور اس میں تعفن کا احساس نمایاں تھا۔ بڑی حیرت ہوئی کہ اس قدر روشن اور تابناک نقطوں کے ساتھ یہ کثیف تاریک اور متعفن نقطہ کیوں ہے۔ ذہن اس کھوج میں لگ گیا۔ اب میری حالت یہ تھی کہ ذہن جسم کو چھوڑ چکا تھا۔ گوشت پوست کے جسم کی حیثیت ایک خالی لفافہ کی تھی۔ یہ احساس ہی نہیں رہا کہ میں بس میں سفر کر رہا ہوں۔

اب میں پوری طرح مراقبہ کے عالم میں تھا۔ مراقبہ میں دیکھا کہ ہر آدمی کے کندھوں پر دو دو فرشتے موجود ہیں اور یہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ لیکن لکھنے کی طرز یہ نہیں ہے جو ہماری دنیا میں رائج ہے نہ ان کے ہاتھوں میں قلم ہے نہ سامنے کسی قسم کا کاغذ نقش ہو جاتی ہے۔ نقش ونگار کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی کے ذہن میں ذخیرہ اندوزی اور منافع خوری ہے۔

لطائف ستہ

واہمہ

خیال

تصور

ادراک

مظاہرہ

دوسرے آدمی کے ذہن میں ایذا رسانی اور حسد کے جذبات متحرک ہیں۔ تیسرا آدمی کسی کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ یہ آدمی قتل کرنے کے ارادے سے گھر سے باہر نکلا۔ ایک فرشتے نے فوراً اس کے ذہن میں

ترغیب کے ذریعہ یہ بات ڈالی کہ قتل کرنا بہت بڑا جرم ہے اور جان کا بدلہ جان ہے۔ لیکن اس آدمی نے اس ترغیب کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور قدم بقدم اپنے ارادے کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھتا رہا۔ ترغیبی پروگرام پر جب عمل نہیں ہوا تو دوسرے فرشتے نے اس جھلی نما فلم پر اپنا ذہن مرکوز کر دیا اور اس فلم پر یہ تصویر منعکس ہو گئی کہ وہ بندہ گھر سے قتل کی نیت سے باہر آ گیا اور اس کے اوپر اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوا کہ جان کا بدلہ جان ہے۔ یہ بندہ اور آگے بڑھا اور متعین مقام پر پہنچ کر اپنے ہی جیسے دوسرے انسان کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا۔ دوسرے فرشتے نے فوراً ہی اس عمل کو بھی فلما دیا۔ جرم کرنے کے بعد اس بندے کے ضمیر میں ہلچل برپا ہو گئی۔ دماغ میں مسلسل اور تواتر سے یہ بات آتی رہی کہ یہ کام میں نے صحیح نہیں کیا ہے۔ جس طرح میں نے ایک جان کا خون کیا ہے اسی طرح میری سزا بھی یہی ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے۔ ضمیر کی یہ ملامت بھی فلم بن گئی۔ علیٰ ہذا القیاس، تینوں آدمیوں نے اپنے ارادے اور پروگرام کے تحت عمل کیا اور جیسے جیسے اس پروگرام کو پورا کرنے کے لئے انہوں نے اقدام کیا ہر عمل اور ہر حرکت کی فلم بنتی چلی گئی۔

اس کے برعکس ایک آدمی نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف بڑھا۔ مسجد میں پہنچ کر خلوص نیت سے نماز ادا کی۔ خلوص نیت اللہ کو پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس پسندیدگی کے نتیجہ میں وہ انعامات واکرامات کا مستحق قرار پایا۔ گو کہ اسے معلوم نہیں کہ اس کا عمل مقبول ہوا یا مقبول نہیں ہوا لیکن چونکہ اس کی نیت مخلصانہ تھی اس لئے یہ عمل کرنے کے بعد اس کا ضمیر مطمئن ہو گیا اور اس کے اوپر سکون کی حالت قائم ہو گئی۔

سکون کا اصل مقام جنت ہے۔ ضمیر نے مطمئن ہو کر اس بات کا مشاہدہ کیا کہ میرا مقام جنت ہے۔ جیسے ہی جنت سامنے آئی جنت کے اندر تمام انواع اقسام کے پھل، شہد کی نہریں، حوض کوثر وغیرہ وغیرہ سامنے آ گئے۔ جب ضمیر ایک نقطہ پر مرکوز ہو کر ان انعامات واکرامات سے فیضیاب ہو چکا تو فرشتے نے اس جھلی نما فلم پر اپنا ذہن مرکوز کر دیا اور یہ ساری کارروائی فلم بن گئی۔

ایک دوسرا آدمی گھر سے نماز کے لئے چلا۔ ذہن میں کثافت ہے، اللہ کی مخلوق کے لئے بغض وعناد ہے، مشغلہ حق تلفی، سفاکی، بربریت اور جبر وتشدد ہے۔ مسجد میں داخل ہوا، نماز ادا کی لیکن ضمیر مطمئن نہیں ہوا۔ ضمیر مطمئن نہ ہونا دراصل وہ کیفیت ہے جس کو دوزخ کی کیفیت کے سوا دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ جب یہ آدمی نماز سے فارغ ہوا اور دل و دماغ خالی اور بے سکون محسوس کئے تو فوراً دوسرے فرشتے نے اس جھلی نما فلم پر اپنا ذہن مرکوز کیا اور یہ ساری روئیداد بھی فلم بن گئی۔

فرشتوں نے مجھے بتایا اس وقت آپ کے سامنے دو کردار ہیں۔ ایک کردار وہ ہے جس نے ترغیبی پروگرام سے روگردانی کی اور محض اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے اپنے ہی بھائی کو قتل کر دیا۔ ایک وہ

شخص ہے جس نے بظاہر وہ عمل کیا جو نیکوکار لوگوں کا عمل ہے لیکن اس کی نیت میں خلوص نہیں تھا وہ خود کو اور اللہ کے نظام کو دھوکا دے رہا تھا۔ دوسرا کردار وہ ہے جس کی نیت میں خلوص ہے، ذہن میں پاکیزگی ہے اور اللہ کے قانون کا احترام ہے۔

آیئے! اب ہم ان دونوں کرداروں میں سے ایک ایک فرد کی زندگی کا مطالعاتی تجزیہ کرتے ہیں۔ قتل کرنے والا جب بندہ دنیا کی ہماہمی اور گہما گہمی اور لامتناہی مصروفیات سے فارغ ہوتا ہے تو اس کے اوپر جرم کا احساس مسلط ہو جاتا ہے۔

دل بے چینی اور دماغ پریشانی کے عالم میں سیدھی حرکت کے بجائے اس طرح گھومتے ہیں کہ یہ پریشانی، ذہنی خلفشار و دماغی کشاکش میں پیش آنے والے آلام و مصائب کی تصویریں بن جاتی ہیں۔ اب فرشتے کی بنائی ہوئی فلم پر نقوش اس بندے کے اپنے ارادے اور اختیار سے گہرے ہو جاتے ہیں۔ جیسے جیسے ان نقوش میں گہرائی واقع ہوتی ہے۔ اس آدمی کے اندر روشن نقطے دھندلے ہونے لگتے ہیں اور یہ دھند بڑھتے بڑھتے اس نقطہ پر جو ناف کے مقام پر ہے محیط ہو جاتا ہے اور اس نقطہ کے اندر روشنیاں تاریکی میں ڈوب جاتی ہیں۔ کسی بندے کے اوپر جب یہ کیفیت وارد ہو جاتی ہے تو تاریکی اور کثافت ایک متعفن پھوڑا بن جاتی ہیں اور اس پھوڑے کی سڑاند بڑھتے بڑھتے اتنی زیادہ ہو جاتی ہے کہ باقی پانچ نقطے اس آدمی سے کافی حد تک لاتعلق ہو جاتے ہیں۔

فرشتوں کی اس تعلیم سے میں مبہوت اور ششدر تھا کہ سماوات سے ایک آواز گونجی۔ وہ آواز گھنٹیوں کی طرح تھی۔ جب اس مدھ بھری اور سریلی آواز میں، میں نے اپنی تمام تر توجہ مبذول کی تو میری سماعت سے یہ آواز ٹکرائی، مہر لگا دی اللہ نے ان کے دلوں پر۔ ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیئے۔ ایسے ناسعادت آثار لوگوں کے لئے عذاب الیم کی وعید ہے۔

آواز کا سننا تھا کہ خوف سے دل لرز اٹھا۔ جسم کے سارے مسامات کھل گئے۔ زبان پر فریاد تھی اور آنکھوں میں آنسو۔ اتنا رویا اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ لوگوں نے دیکھا، سمجھے کہ پاگل ہے۔ کچھ لوگوں نے آوازے بھی کسے۔ کتنی ستم ظریفی ہے کہ بس میں موجود ایک آدمی نے بھی ہمدردی کا کوئی لفظ زبان سے ادا نہیں کیا اور میں اسی عالم بے قراری میں بس سے اتر گیا۔

جس وقت گھر پہنچا، گھر میں اندھیرا تھا۔ اس غمناک اور الم آمیز کیفیت کا اثر یہ ہوا کہ نڈھال ہو کر چارپائی پر گر گیا۔ دل میں کسک نے درد کی شکل اختیار کر لی۔ لگتا تھا کسی نے دل کے اندر کوئی کیل ٹھونک دی ہے۔ یکایک سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت و لطف و کرم کی طرف توجہ مبذول ہو گئی۔ اب پھر دیکھا کہ

وہ دونوں فرشتے موجود ہیں اور سر پر ہاتھ پھیر کر مجھے تسلی دے رہے ہیں ۔اس فرشتے نے جو نیکی کی فلم بنانے پر متعین تھا، میرے سامنے اپنی بنائی ہوئی فلم کو کھولنا شروع کر دیا اور آنکھوں کے سامنے ایک اسکرین آ گئی ۔

یا مظہر العجائب! ناف کے مقام پر کثیف اور تاریک نقطہ کی بجائے روشن نقطہ آنکھوں کے سامنے آ گیا ۔اتنا روشن کہ سورج کی روشنی اس کے سامنے چراغ اور چاند کی چاندنی ان نورانی روشنیوں کے سامنے ٹمٹما تا دیا ۔دماغ کے اوپر المناک کثافت دیکھتے ہی دیکھتے ڈھل گئی ۔

وہ شخص جس نے خلوص نیت سے نماز ادا کی تھی اور جس کے دل میں اللہ کے بنائے ہوئے قانون کی حرمت تھی، موجود تھا ۔اس آدمی کے اندر روشن نقطے کی شعاعیں، سورج کی شعاعوں کی طرح گردش کرنے لگیں ۔ایک سکون کا عالم تھا ،ٹھہرے ہوئے سمندر کا سکوت تھا ۔روشن روشن دل میں جلترنگ کا سماں تھا اور اس کیف و مستی کے عالم میں وہ شخص جنت کی پرفضا وادی میں گلگشت چمن تھا ۔جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے، یہ مقام ان قدسی نفس حضرات کا مقام ہے جو خلوص نیت سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں ۔ان کے دل میں اللہ کی مخلوق کی خدمت کا جذبہ کار فرما ہے، جن کے دل حق آشنا ہیں اور جو آدم و حوا کے رشتہ سے اپنے بہن بھائیوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھ کر کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس دکھ درد سے نجات حاصل کرے ۔

اس پرسکون عالم کو دیکھ کر میرے اوپر سکوت طاری ہو گیا، عقل گم ہو گئی ۔سماعت ڈوبتی ہوئی محسوس ہوئی ۔دنیا کو دیکھنے والی بصارت ایک فریب اور دھوکا نظر آئی اور پھر بے اختیار آنکھیں پانی بن گئیں ۔یہ آنسو غم اور خوف کے آنسو نہیں تھے ۔تشکر کے آنسو تھے ۔میری اس والہانہ خوشی سے دونوں فرشتے بھی خوش ہوئے اور پوچھا جانتے ہو یہ کن لوگوں کا مقام ہے ۔یہ ان لوگوں کا مقام ہے جو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستے پر خلوص نیت سے عمل کرتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست کہا ہے ۔بیشک اللہ کے دوستوں کے لئے خوف ہوتا ہے اور نہ وہ غم آشنا ہوتے ہیں ۔یہ دونوں فرشتے کراماً کاتبین تھے ۔



مراقبہ میں دیکھا کہ میرے دماغ کے خلیات چارج ہو گئے ہیں ۔بجلی کی رو دماغ سے کمر کی طرف جا رہی ہے اور میرا جسم سنہری روشنی کا بنا ہوا ہے ۔حضور بابا تاج الدین رحمتہ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی ۔فرمایا، تین باتوں کا خاص طور سے خیال رکھو ۔

۱۔ ذہن جنس کی طرف مائل نہ ہو ۔

۲۔ گفتگو کم سے کم کرو اور مخاطب کی صلاحیتوں کے مطابق ۔

۳۔ کسی راز کی حقیقت کو ظاہر نہ کرو۔

حضور بابا تاج الدین نے میرے سر پر پھونک ماری۔ میں نے اپنے کو اپنے اندر دیکھا۔ محسوس ہوا کہ ظاہری جسم محض خول اور غلاف کی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے حقیقی وجود یعنی اصلی جسم سے گوشت پوست کے جسم کا فاصلہ نو انچ ہے۔

حضور لعل شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی قبر شریف کے پیروں کی جانب مراقبہ کیا تو دیکھا کہ میرے اندر سے روح کا ایک پرت نکلا اور قبر کے اندر اتر گیا، دیکھا کہ حضور لعل شہباز قلندر تشریف فرما ہیں۔ قبر بڑے وسیع و عریض کمرے کی مانند ہے۔ قبر کے بائیں طرف دیوار میں ایک کھڑکی یا چھوٹا دروازہ ہے۔

حضور قلندر لعل شہباز نے فرمایا، جاؤ! یہ دروازہ کھول کر اندر کی سیر کرو تم بالکل آزاد ہو۔ دروازہ کھول کر دیکھا تو ایک باغ نظر آیا۔ اتنا خوبصورت اور دیدہ زیب باغ جس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی۔ اس میں کیا کچھ نہیں ہے۔ سب ہی کچھ تو موجود ہے۔ ایسے پرندے دیکھے جن کے پروں سے روشنی نکل رہی ہے۔ ایسے پھول دیکھے جن کا تصور نوع انسان کے شعور سے ماوراء ہے۔ پھولوں میں ایک خاص اور عجیب بات نظر آئی کہ ایک ایک پھول میں کئی کئی سو رنگوں کا امتزاج اور یہ رنگ محض رنگ نہیں بلکہ ہر رنگ روشنی کا ایک قمقمہ بنا ہوا ہے۔

جب ہوا چلتی ہے تو یہ رنگ آمیز روشنیوں سے مرکب پھول ایسا سماں پیدا کرتے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں روشنیوں کے رنگ برنگ قمقمے درختوں اور پودوں کے جھولوں پر جیسے جھول رہے ہوں۔ درختوں میں ایک خاص بات نظر آئی کہ ہر درخت کا تنا اور شاخیں، پتے، پھل اور پھول بالکل ایک دائرے میں تخلیق کئے گئے ہیں۔ جس طرح برسات میں سانپ کی چھتری زمین میں سے اگتی ہے۔ اسی طرح گول اور بالکل سیدھے تنے کے ساتھ یہاں کے درخت ہیں۔ ہوا جب درختوں اور پتوں سے ٹکراتی ہے تو ساز بجنے لگتے ہیں۔ ان سازوں میں اتنا کیف ہوتا ہے کہ آدمی کا دل وجدان سے معمور ہو جاتا ہے۔

اس باغ میں انگور کی بیلیں بھی ہیں۔ انگوروں کا رنگ گہرا گلابی یا گہرا نیلا ہے۔ بڑے بڑے خوشوں میں ایک ایک انگور اس فانی دنیا کے بڑے سیب کے برابر ہے۔ اس باغ میں آبشار اور صاف شفاف دودھ جیسے پانی کے چشمے بھی ہیں۔ بڑے بڑے حوضوں میں سینکڑوں قسم کے کنول کے پھول گردن اٹھائے کسی کی آمد کے منتظر نظر آتے ہیں۔ باغ میں ایسا سماں ہے جیسے صبح صادق کے وقت ہوتا ہے یا بارش تھمنے کے بعد، سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے ہوتا ہے۔ اس باغ میں پرندے، طیور تو ہزاروں قسم کے ہیں مگر چوپائے کہیں نظر نہیں آئے۔

بہت خوبصورت درخت پر بیٹھے ہوئے ایک طوطے سے میں نے پوچھا کہ یہ باغ کہاں واقع ہے اس طوطے نے انسانوں کی بولی میں جواب دیا، یہ جنت الخلد ہے۔ یہ اللہ کے دوست لعل شہباز قلندر کا باغ ہے اور حمد و ثناء کے ترانے گاتا ہوا اڑ گیا۔ المختصر میں نے جو کچھ دیکھا زبان الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ انگوروں کا ایک خوشہ توڑ کر واپس اسی جنت کی کھڑکی سے حضور لعل شہباز قلندر کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا، ہمارا باغ دیکھا، پسند آیا تمہیں۔ میں نے عرض کیا۔

حضور! ایسا باغ نہ تو کسی نے دیکھا اور نہ سنا ہے۔ میں تو اس کی تعریف کرنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ حضور لعل شہباز قلندر نے خوش ہو کر میری کمر تھپکی اور میرے ہاتھ سے انگوروں کا خوشہ لے کر ایک ایک انگور مجھے کھانے کو دیتے رہے۔ مجھے صحیح طرح یاد نہیں غالباً میں نے پانچ یا سات انگور کھائے ہیں۔ ان انگوروں کا ذائقہ دنیا کے انگوروں سے قطعاً مختلف تھا۔



آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ دیکھا آسمان نظروں کے سامنے ہے۔ درمیان میں کوئی خلاء نہیں ہے۔ یہ بات منکشف ہوئی کہ نوع انسانی کے افراد جس چیز کو آسمان کہتے ہیں وہ آسمان نہیں خلاء ہے۔ آسمان کی چھت سائبان کی طرح نہیں ہے۔ ہم جس چیز کو آسمان کہتے ہیں وہ دراصل خلاء ہے۔ آسمان فی الواقع ایک بساط ہے اور اس بساط پر بھی مخلوق آباد ہے۔ ایسی مخلوق جو ہماری طرح کھاتی پیتی، ہنستی بولتی اور چلتی پھرتی ہے۔ اور ہماری اس طرح اس مخلوق کے اندر زندگی کی خواہشات، تمام تقاضے اور حواس موجود ہیں۔ ہمیں آسمان پر جو رنگ نظر آتا ہے وہ آسمان کا رنگ نہیں بلکہ خلاء کا رنگ ہے۔

خلاء میں بھی آدمی اسی طرح چلتا پھرتا ہے جیسے زمین پر چلتا پھرتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اس خلاء میں جسم لطیف محسوس ہوا ہے لیکن روشنیوں سے بنا ہوا یہ جسم ہڈیوں کے ڈھانچے اور گوشت پوست کے جسم کی طرح ٹھوس ہے۔ خلاء میں موجود کسی انسان کے ساتھ ہاتھ ملایا جائے یا معانقہ کیا جائے تو محسوسات بالکل وہی رہتے ہیں جو زمین پر رہنے والے کسی فرد کے ساتھ معانقہ کرنے یا ہاتھ ملانے کے وقت ہوتے ہیں۔ البتہ جسم ٹیلی ویژن کی تصویر کی طرح ٹرانسپیرنٹ نظر آتا ہے۔ ایک بات بطور خاص یہ دیکھی کہ جس وقت میں خلاء میں تھا، خلاء میں چلنے پھرنے کے ساتھ ساتھ نیچے زمین کو بھی دیکھ رہا تھا اور زمین ایک گول دائرے کی شکل میں نظر آ رہی تھی بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ زمین کے تمام حصے اپنی سمتوں کے ساتھ نظر کے سامنے تھے۔

زمین کے سلسلے میں عجیب و غریب انکشافات ہوئے مثلاً یہ کہ زمین کے اوپر پہاڑ ایک دائرہ یا گول کڑے کی مانند رکھا ہوا ہے۔ کہیں وہ باہر ہو گیا ہے اور کہیں زمین کے اندر۔ جہاں باہر نظر آتا ہے وہ سب

پہاڑی علاقہ ہے۔

جہاں پہاڑ زمین کے اندر ہے وہ سب سمندر ہے۔ پہاڑ کے چھلے یا کڑے کے درمیان جو جگہ ہے اس کو ہم خشکی یا زمین کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ایسا ہوتا رہتا ہے کہ پانی اپنی جگہ بدل کر خشکی کی جگہ آجاتا ہے۔ ایسی صورت حال واقع ہونے کے بعد پہاڑ کے چھلے کا درمیانی حصہ خشکی یا زمین سمندر بن جاتی ہے اور سمندر زمین کہلانے لگتا ہے۔ یہ بھی القا ہوا کہ اس طرح کا عمل ہر دس ہزار سال کے بعد ہوتا ہے۔ ہم اس کو اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ اب سے دس ہزار سال کے بعد ہوتا ہے۔ ہم اس کو اس طرح بیان کرسکتے ہیں کہ اب سے دس ہزار سال پہلے ہمالہ اور ایورسٹ سمندر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اب پھر دس ہزار سال پورے ہونے کے بعد پہاڑ کی یہ بلند و بالا چوٹیاں تہہ آب آجائیں گی اور موجودہ دنیا سب کی سب سمندر بن جائے گی اور سمندر کی جگہ نئی دنیا آباد ہوگی۔ ۲۰۰۶ء کے بعد ہماری زمین دس ہزار سال پورے کرے گی اور جب ایسا ہوگا تو دنیا کی آبادی چار ارب سے گھٹ کر ایک ارب رہ جائے گی اور جو لوگ بچ جائیں گے وہ گھروں اور شاندار محلات میں رہنے کی بجائے درختوں پر بسیرا کریں گے، جنگلوں اور غاروں کے اندر سکونت پذیر ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضری ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف نصیب ہوا۔ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک آنکھوں سے لگانے اور لرزتے ہونٹوں سے چومنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پیر کی انگلیوں کے نیچے جو گوشت ہوتا ہے اس پر دیر تک آنکھیں لگائے رکھیں۔ جتنی دیر یہ عمل جاری رہا میرے اندر آنکھوں کے راستے نور کی لہریں منتقل ہوتی رہیں اور میں سرور و کیف کی مدہوش کن لذت سے مستفیض ہوتا رہا۔

دل میں خیال آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپائے اقدس غور سے دیکھنا چاہئے تاکہ مہر نبوت کا مشاہدہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے قدموں کی خاک کا یہ ذرہ سراپائے اقدس و مطہر و مکرم میں اس قدر غرق ہوگیا کہ خود کو بھول گیا اور علم کیف و وجدان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت مبارک پر جا کھڑا ہوا اور نہایت ادب و عقیدت کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتۂ مبارک اوپر اٹھا دیا اور اس فقیر کو اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کا مشاہدہ کرایا۔

مہر نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر سیدھے کندھے اور گردن کے درمیان ایک گول دائرہ نشان کی صورت میں ہے۔ گول دائرے کے اندر گوشت یا کھال سرخ رنگ کی ہے اور گوشت عام جسم سے قدرے ابھرا ہوا ہے۔ اور اس دائرہ کے اندر نہایت لطیف و نرم پروں کی مانند رواں ہے۔ اس

روئیں کا رنگ سفید بھورا ہے اور یہ روواں اتنا خوشنما اور دیدہ زیب ہے جس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ دائرہ کا قطر تقریباً روپے کے برابر ہے۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھ کر والہانہ انداز سے بوسہ دیا اور آنکھوں سے چھوا۔ اس سعادت ازلی کے بعد اس بندے نے سراپا کا مشاہدہ کیا جو حسب ذیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِک وَسَلَّم

کمر

حضور سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت مبارک سیدھی اور چوڑی ہے۔ شانے قدرے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں۔

سر

سر مبارک گول اور بڑا، پیشانی کھلی ہوئی۔ پر عظمت اس قدر کہ نظر بھر کر دیکھنا ممکن نہیں۔ نظر اٹھتی ہے تو پلک جھپک جاتی ہے اور ساتھ ہی سر تسلیم خم ہو جاتا ہے۔ باعث تخلیق کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک گھنے اور مضبوط، رنگ سیاہ، بالوں میں ایسی عجیب و غریب چمک جو کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ کھلتا ہوا گندمی، بھنویں گھنی اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست۔

آنکھیں

آنکھیں روشن اور بڑی۔ نہ بہت بڑی، نہ بہت چھوٹی۔ بہت حسین، اتنی حسین خوبصورت کہ بے مثال۔ خاص بات جو آنکھوں میں نظر آئی یہ ہے کہ آنکھ کا ڈیلا سفید چمک دار اور پتلی کا رنگ کالا لیکن گہرائی میں نیلا۔ پتلی کے چاروں طرف ڈورے اس طرح جیسے سورج کے چاروں طرف شعاعیں پھوٹتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ شعائیں یا لہریں براہ راست ذات باری تعالیٰ پر جا کر ٹھہرتی ہیں۔ آنکھ کے ڈیلے میں جو سفیدی ہے اس میں سچے موتی جیسی چمک ہے۔ پتلی کی گہرائی میں جو نیلا پن ہے اس میں بھی سچے موتیوں کی چمک نمایاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں گھنی اور سیاہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پلک مبارک جب جھپکتی ہے تو فضا اور ماحول میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ پلک جھپکتے وقت میں نے اپنے اندر کرنٹ کی طرح رو دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

ناک

ناک مبارک لانبی اور نیچے سے چوڑی۔ دیکھ کر گلدستے کی تشبیہ ذہن میں آئی۔

دہانہ

اوپر کا ہونٹ پتلا اور نیچے کا ہونٹ قدرے موٹا۔ دہانہ نسبتاً بڑا اور انتہائی خوبصورت۔ گفتگو فرماتے ہیں تو ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کلام ہیں۔ آواز کے بارے میں کوئی وضاحت اس لئے نہیں کر سکتا کہ ذہن میں یہ بات محفوظ نہیں رہی۔

داڑھی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مبارک گھنی، گول اور چھوٹی یعنی ایک مشت سے تقریباً نصف کم۔ لبیں باریک اس طرح کہ ریش مبارک سے ملی ہوئی ہیں۔

سینہ اور گردن

گردن مبارک بھری ہوئی، قدرے لانبی نہ زیادہ لمبی نہ زیادہ چھوٹی۔

سینہ مبارک ابھرا ہوا۔ سینہ مبارک سے ناف تک بالوں کی ایک لمبی لکیر نظر آتی ہے جیسے الف بنا ہوا ہے۔

پائے مبارک

پنڈلی میں گوشت بھرا ہوا ہے لیکن پیر کے جوڑ سے اوپر پتلی اور بالکل سیدھی ہے۔ پائے مبارک کے اوپر کا حصہ اٹھا ہوا، اتنا اٹھا ہوا کہ پہلی نظر میں محسوس ہو جاتا ہے۔ اوپر کا حصہ اٹھا ہوا ہونے کی وجہ سے پیر کے نیچے تلووں میں خلاء ہے۔

میں نے زمین پر لیٹ کر دیکھا کہ اگر آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لیٹ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے ہوں تو پیر مبارک کے نیچے سے آر پار نظر آتا ہے۔

دندان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک سیدھے اور نمایاں۔ دانتوں کے درمیان فاصلہ ہے دانتوں میں چمک ایسی کہ نظر خیرہ ہو جائے۔ مسکراہٹ دل آویز۔ ہنستے وقت دندان مبارک ظاہر نہیں ہوتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہیں تو آنکھیں بھی مسکراتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذہن کو مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ حقیقت محمدیہ ایک نورانی لہر کی شکل

میں نزول کرتی ہے۔اس نزول میں شگاف پڑ گیا اور میں اس شگاف کے اندر چلا گیا۔اب خود کو عرش معلی پر دیکھا۔ اللہ تعالیٰ حجاب میں تشریف فرما ہیں۔ میں ہاتھ جوڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دو زانو نہایت مؤدب بیٹھا ہوں۔اللہ تعالیٰ حجاب سے ماورا محض احساس کی حد میں نظر آئے۔میں نے خود کو بھی صرف محسوس کیا۔خدوخال غائب ہو گیا۔صرف یہ احساس باقی رہ گیا کہ میں اور اللہ تعالیٰ یہاں موجود ہیں۔میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، میرے اللہ! میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ حجاب عظمت کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، حجاب عظمت ہماری تسبیح، ہمارے تقدس اور ہماری شان کا مظہر ہے۔میں نے عرض کیا، حجاب کبریا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، حجاب کبریا ہماری ربانیت، ہماری معبودیت اور ہماری خالقیت کا مظہر ہے۔

دیکھا کہ حجاب محمود میں ہوں۔ یہاں بھی صرف احساس باقی رہ گیا۔ میں نے ذہن یکسو کر کے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔دیکھا کہ ہر طرف تجلیات کا ہجوم ہے۔میں تجلیات میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنا چاہتا ہوں۔

میری کوشش یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ جاؤں۔تجلیات دائروں کی صورت میں میرے چاروں طرف ہجوم کئے ہوئے ہیں۔بالآخر تجلیات میں ایک محراب نما راستہ بنا۔میں جلدی سے اس کے اندر چلا گیا، اللہ تعالیٰ کو خدوخال اور حجاب سے ماوراء مشاہدہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی ہستی کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ سے میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ! آپ نے اپنی رحمت سے مجھے اپنی بصارت، سماعت اور فواد عطا فرما دیا۔آپ اپنا تکلم بھی عطا فرما دیجئے۔میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چند چھینٹے میرے اندر جذب ہو گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ہم نے تجھے اپنا تکلم عطا فرما دیا۔میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ! مجھے ان سب کا استعمال بھی سکھا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ایک ایک بات عرض کرو۔میں نے عرض کیا، بصارت کا استعمال بتا دیجئے۔میں آپ کی بصارت کیسے استعمال کروں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب تو کسی چیز کو دیکھے تو یہ خیال کر کہ تو نہیں، اللہ دیکھ رہا ہے۔اللہ کی بصارت مجھے دکھا رہی ہے۔تو سوچتا ہے کہ تو دیکھ رہا ہے۔تو نہیں دیکھ رہا۔ہم دیکھ رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ اور وضاحت فرما دیجئے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہر چیز کو ہماری معرفت دیکھ۔خود کی نفی کر دے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو جو کچھ سنتا ہے ہمارے سننے کو سنتا ہے۔جو آواز بھی آئے اس کو یہ جان کہ یہ اللہ کی صفت ہے۔فواد کے بارے میں ارشاد ہوا جو کچھ سوچے اللہ کے لئے سوچے۔میں نے عرض

کی، سوچنے میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو انسان کی زندگی پراگندہ کرتی ہیں۔ کیا یہ باتیں بھی آپ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ہر سوچ ہماری طرف سے ہے۔ جب انسان اس میں اپنی ذات شامل کر دیتا ہے تو وہ اس کے لئے بارِ خاطر ہو جاتی ہے۔

ذات

تجلی ذات

کثرت اور وحدت

خلاءِ نور

کتاب المبین

حقیقت محمدیہ

لوح محفوظ

صفات الٰہیہ

وحدت

کثرت

نقطۂ وحدانی

کوئی بھی سوچ اپنی جگہ خراب نہیں ہے۔ انسان جب اس میں اپنی ذات کو وابستہ کر کے معنی نکالتا ہے

،اس وقت یہ بات ہماری نہیں رہتی۔ جب تک ذات شامل نہیں ہوتی، ہر سوچ ہماری طرف سے ہے۔اس بات کو ذہن میں راسخ کرلے اوراس کا رخ اللہ کی جانب موڑ دے۔

میں نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ! آپ کا ذکر کس طرح کروں۔فرمایا، میرا ذکر شکر کے ساتھ کر اور ساتھ ہی قرآن پاک کی آیت،

اعملوا ال دائود شکر او قلیل من عبادی الشکور

زبان سے ادا ہوئی۔عرض کی، اللہ تعالیٰ! کوئی لفظ ارشاد فرمایئے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، اللہ احد.........ذہن میں یہ معنی آئے کہ ایسا اللہ جو مخلوق کے تمام اوصاف سے ماوراء ہے۔عرض کیا فواد کے بارے میں کچھ اور فرمایئے۔ارشاد ہوا کہ قرآن پاک میں تفکر کو اپنا شعار بنا لے۔

سلسلہ عظیمیہ کا قیام

حضور قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں، ضمیر نور باطن ہے۔ ضمیر یا نور باطن سے استفادہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ذریعے شریعتیں نافذ کی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات (شریعت وتکوین) پر غور وفکر کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ نوع انسان کی تخلیق کا اجمالی پہلو یہ ہے کہ اللہ کو یکتا اور ایک مانا جائے۔

یہ اسرار انبیائے کرام اور آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کے ذریعے منکشف ہوا۔ چونکہ انبیاء کو یہ کشف وحی کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے ان کے فرمودات میں قیاس کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے والے فرقے توحید کو اپنے قیاس میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک طاقت کی حکمرانی تسلیم کرنے کے لئے قیاس سے رہنمائی چاہتے ہیں۔ انبیاء کو نہ ماننے والے فرقے ہمیشہ توحید کو قیاس میں تلاش کرتے رہے۔ ان کے قیاس نے غلط رہنمائی کر کے توحید کو غیر توحیدی نظریات بنا کر پیش کیا اور یہ نظریات کہیں نہ کہیں دوسرے فرقوں سے متصادم ہوتے رہے۔ قیاس (مفروضہ یا فکشن) کا پیش کردہ نظریہ کسی دوسرے نظریے کا چند قدم تو ساتھ دے سکتا ہے لیکن بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔

جب کہ انبیاء کا توحید کا نظریہ قیاس پر مبنی نہیں ہے۔ ہم جب نوع انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو ہمیں لازماً اس طرف توجہ دینی پڑے گی کہ نوع انسانی ایک کنبہ ہے۔ اس کنبہ کا ایک سرپرست ہے اور وہ ایسا سرپرست ہے جس کی سرپرستی میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اس نظریے پر نوع انسانی کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک مکتبہ فکر پر جمع ہونا ضروری ہے۔ وہ نقطۂ فکر یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، اللہ نوع انسانی کا سرپرست ہے۔ ابتدائے آفرینش سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے انبیاء مبعوث ہوئے، ان سب نے توحید کا ہی تذکرہ فرمایا ہے۔ کسی نبی کی تعلیم ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے۔ اگر نوع انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر فلاح چاہتی ہے تو اسے انبیاء کی بتائی ہوئی توحید پر عمل کرنا ہوگا۔

یہ اسرار انبیائے کرام اور آخری نبی سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کے ذریعے منکشف ہوا۔ چونکہ انبیاء کو یہ کشف وحی کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے ان کے فرمودات میں قیاس کو دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے والے فرقے توحید کو اپنے قیاس میں تلاش کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک طاقت کی حکمرانی تسلیم کرنے کے لئے قیاس سے رہنمائی چاہتے ہیں۔ انبیاء کو نہ ماننے والے فرقے ہمیشہ توحید کو قیاس میں تلاش کرتے رہے۔ ان کے قیاس نے غلط رہنمائی کر کے توحید کو غیر توحیدی نظریات بنا کر پیش کیا اور یہ

نظریات کہیں نہ کہیں دوسرے فرقوں سے متصادم ہوتے رہے۔ قیاس (مفروضہ یا فکشن) کا پیش کردہ نظریہ کسی دوسرے نظریے کا چند قدم تو ساتھ دے سکتا ہے لیکن بالآخر ناکام ہو جاتا ہے۔

جب کہ انبیاء کا توحید کا نظریہ قیاس پر مبنی نہیں ہے۔ ہم جب نوع انسانی کا تذکرہ کرتے ہیں اور نوع انسانی کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو ہمیں لازماً اس طرف توجہ دینی پڑے گی کہ نوع انسانی ایک کنبہ ہے۔ اس کنبہ کا ایک سرپرست ہے اور وہ ایسا سرپرست ہے جس کی سرپرستی میں شک کی گنجائش نہیں ہے۔

اس نظریے پر نوع انسانی کو اکٹھا کرنے کے لئے ایک مکتبہ فکر پر جمع ہونا ضروری ہے۔ وہ نقطۂ فکر یہ ہے کہ اللہ ایک ہے، اللہ نوع انسانی کا سرپرست ہے۔ ابتدائے آفرینش سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے انبیاء مبعوث ہوئے، ان سب نے توحید کا ہی تذکرہ فرمایا ہے۔ کسی نبی کی تعلیم ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہے۔ اگر نوع انسانی ایک مرکز پر جمع ہو کر فلاح چاہتی ہے تو اسے انبیاء کی بتائی ہوئی توحید پر عمل کرنا ہوگا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء کی توحید کے نظریے کے علاوہ آج تک جتنے نظام ہائے حکمت بنائے گئے وہ تمام اپنے ماننے والوں کے ساتھ مٹ گئے یا آہستہ آہستہ مٹتے جا رہے ہیں۔ موجودہ دور میں تقریباً تمام پرانے نظام ہائے فکر یا تو فنا ہو چکے ہیں یا ردوبدل کے ساتھ فنا کے راستے پر سرگرم عمل ہیں۔ اگرچہ ان نظام ہائے فکر کے ماننے والوں کی کوشش یہی ہے کہ تمام نوع انسانی کے لئے روشنی بن سکیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قیاس پر مشتمل سارے نظام ناکام ہوئے اور ناکام ہوتے رہیں گے۔ آج کی نسلیں گزشتہ نسلوں سے کہیں زیادہ مایوس ہیں اور آئندہ نسلیں اور بھی زیادہ مایوس ہوں گی۔ ایک وقت آئے گا کہ نوع انسانی کو کسی نہ کسی وقت اس نقطۂ توحید کی طرف لوٹنا پڑے گا جس نقطۂ توحید کو انبیاء علیہم السلام نے متعارف کرایا ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء موجودہ دور کے مفکرین کو نصیحت کرتے ہیں کہ اگر وہ نوع انسانی کی فلاح و بہبود چاہتے ہیں تو اس کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہے کہ قیاس سے ہٹ کر اس نقطۂ فکر کو سمجھا جائے جو نقطۂ فکر وحی کے ذریعے منکشف ہوا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک اور مختلف قوموں میں زندگی کی طرزیں مختلف ہیں۔ لباس اور جسمانی وظائف جداگانہ ہیں۔

یہ بات کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ تمام نوع انسانی کا جسمانی وظیفہ ایک ہو سکے۔ ہم جب جسمانی وظیفے سے ہٹ کر داخل میں دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ جسمانی وظائف الگ الگ ہونے کے باوجود نوع انسانی کا ہر فرد روحانی وظائف میں باہم اشتراک رکھتا ہے اور باہمی اشتراک یہ ہے کہ مخلوق کی ضروریات پوری کرنے والا ایک اللہ ہے۔ ایک ہی ہستی ہے جس نے تمام مخلوق کو سنبھالا ہوا ہے۔ نوع انسانی کی جتنی ترقیاں ہیں، جتنے علوم کے مدارج ہیں، ان سب کا تعلق اسی ایک ذات سے ہے۔ کوئی علم اس وقت تک علم

نہیں بن سکتا جب تک کوئی ذات ان علوم کو انسانی دماغ پر وارد نہ کرے۔ کوئی ترقی ممکن نہیں ہے جب تک اس دنیا میں کسی شے کے اندر تفکر نہ کیا جائے۔ کوئی شے موجود ہوگی تو ترقی ہوگی، موجود نہیں ہوگی تو ترقی نہیں ہوگی۔ نوع انسانی موجود ہوگی تو ارتقا ہوگا۔ نوع انسان موجود ہی نہیں ہوگی تو ارتقا کیسے ہوگا۔

نوع انسانی کے دماغ میں کچھ کرنے کچھ بنانے کا خیال وارد نہ ہو تو وہ کچھ نہیں بنا سکتی۔ یہ وہ باہمی ربط ہے جو روحانی اعتبار سے تمام نوعوں میں اور تمام افراد میں ہمہ وقت متحرک ہے اور اس کا مخزن توحید کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ دنیا کے مفکرین کو چاہئے کہ دنیا میں رائج ان وظائف کی غلط تعبیروں کو درست کریں اور اقوام عالم کو وظیفہ روحانی کے ایک ہی دائرہ میں اکٹھا کرنے کی ہمہ گیر کوشش کریں۔ یہ روحانی دائرہ محض قرآن کی پیش کردہ توحید ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ قوم مستقبل کے خوفناک تصادم، چاہے وہ معاشی ہوں یا نظریاتی، نوع انسانی کو مجبور کر دیں گے کہ وہ بڑی سے بڑی قیمت لگا کر اپنی بقا تلاش کرے اور بقا کے ذرائع قرآنی توحید کے سوا کسی نظام حکمت میں نہیں ہیں۔ دنیا کے مفکرین پر لازم ہے کہ وہ خود کو تعصبات سے آزاد کر کے قرآن پاک کی بیان کردہ توحید کو اپنے اوپر اور پوری نوع انسانی پر جاری وساری کریں۔

اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مادی زندگی، کل زندگی کا نصف ہے۔ اگر اس نصف کا کسی مسلک میں کوئی مقام نہیں ہے تو معاشرتی زندگی کی تمام تعمیریں منہدم ہو جائیں گی۔ اگر اس قسم کی وجوہات پیش آ جائیں تو مذہب کو خیال کی حدود میں مقید تسلیم کرنا پڑے گا اور جب عملی زندگی کا ڈھانچہ مذہب کی گرفت سے آزاد ہو جائے تو عقائد میں بے راہ روی پیدا ہونا لازمی ہے۔

اطمینان قلب سے نامانوس ہونے کی بناء پر انسان روحانیت کی طرف متوجہ تو ہوا لیکن روحانیت کے حصول کے لئے وہ غیر سائنسی طور طریقوں کو اپنانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی خیال کے تحت عظیمی صاحب کے ذہن میں آیا کہ ایک ایسا روحانی سلسلہ قائم کیا جائے جو وقت کے جدید تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرے لہٰذا آپ نے حضور قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں سلسلہ کی بنیاد رکھنے کی درخواست پیش کی۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے آپ کی یہ درخواست سرورِ کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں پیش کی جسے حضور ﷺ نے شرف قبولیت بخشا۔

اس طرح جولائی ۱۹۶۰ء میں ابدال حق سید محمد عظیم برخیا کے نام نامی سے منسوب عظیمیہ قائم کیا گیا۔ چونکہ امام سلسلہ عظیمیہ ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء شعبہ تکوین کے اعلیٰ ترین عہدے اور قلندریت کے نہایت بلند مقام پر فائز ہیں اس لئے سلسلہ عظیمیہ میں قلندری رنگ مکمل طور پر موجود ہے۔ سلسلہ عظیمیہ جذب وسلوک دونوں روحانی شعبوں پر محیط ہے۔ اس میں روایتی پیری مریدی کا مروج طریقہ، مخصوص لباس اور نہ کوئی وضع

قطع مختص ہے۔ سلسلہ میں شامل افراد کو ''دوست'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور نوع انسانی میں تفکر کا پیٹرن اجاگر کرنے کے لئے روایتی طریقوں کو نظر انداز کر کے جدید طرزیں اختیار کی گئی ہیں۔

مراقبہ ہال کا قیام

قرآن کریم کے مطابق آدمی کا شرف یہ ہے کہ اسے وہ علوم حاصل ہیں جو کائنات میں کسی دوسری مخلوق کو نہیں سکھائے گئے۔ یہ علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا ورثہ ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں:

جو قوم کائناتی قدروں کا مشاہدہ نہیں
کرتی اس کی فہم کائناتی علوم تک نہیں
پہنچتی۔ اس وضع کی قوم ہزاروں
سال کی عمر پانے کے باوجود پالنے کا
بچہ ہی رہے گی۔

بالخصوص امت مسلمہ اور بالعموم نوع انسانی کو باطنی علوم سیکھنے کی طرف راغب کرنے اور ان کے اندر تحقیق و تلاش کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے امام سلسلہ عظیمیہ کی سرپرستی میں ۱۹۶۵ء بروز اتوار I-D-1/7 کی بالائی منزل پر بعد از نماز مغرب "محفل مراقبہ" کا آغاز کیا گیا جبکہ ۱۷ اگست ۱۹۸۴ء کو خواتین و حضرات کی اجتماعی محفل مراقبہ منعقد کی گئی۔ حاضرین کی تعداد میں اضافے کے باعث ۲۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو مراقبہ ہال D-32 بلاک A، نارتھ ناظم آباد منتقل کر دیا گیا جہاں ۲۷ ستمبر ۱۹۸۵ء کو محفل مراقبہ کا پہلا اجتماع منعقد ہوا۔ محفل مراقبہ میں شرکاء کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی سہولت کے پیش نظر سرجانی ٹاؤن کراچی میں مراقبہ ہال کے لئے تین ہزار گز پر مشتمل جگہ خریدی گئی جس کا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۸ء کو سنگ بنیاد رکھا گیا اور حضور قلندر بابا اولیاءؒ کے نویں عرس کے موقع پر مراقبہ ہال کا باضابطہ افتتاح ہوا۔

افتتاحی تقریب میں شریک زائرین میں سے ایک صاحب نے نماز جمعہ کے بعد دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حضرت اویس قرنیؓ تشریف لائے ہیں۔ جب انہوں نے اس کا تذکرہ عظیمی صاحب سے کیا تو آپ نے فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حضرت اویس قرنیؓ کی آمد بہت اہم بات ہے اس لئے کہ حضرت اویس قرنیؓ اللہ تعالیٰ کے نظام تکوین میں بہت اہم منصب کے مالک ہیں اور آپ کی آمد اس بات کی دلیل ہے کہ مراقبہ ہال کو نظام رشد و ہدایات کے لئے منظور کر لیا گیا ہے۔

۱۰ جون ۱۹۸۹ء سے سرجانی ٹاؤن میں باقاعدہ محفل مراقبہ کا انعقاد شروع ہوا۔ سلسلہ عظیمیہ کی دعوت حق کو ہر طبقۂ فکر اور مسلک تک موثر انداز میں پہنچانے کے لئے ملک کے مختلف شہروں میں مراقبہ ہال کے

قیام کا آغاز ۱۹۸۰ء میں مراقبہ ہال حیدر آباد، سندھ (پاکستان) کے قیام سے ہوا اور یہ پیش رفت ملکی سطح سے ۱۹۸۲ء میں مراقبہ ہال مانچسٹر (برطانیہ) کے قیام سے بیرون ملک تک پہنچ گئی۔ دیگر مراقبہ ہالز کے لئے مراقبہ ہال کراچی کو مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ تمام مراقبہ ہالز کو ایک مربوط نظام کے تحت مرکز سے منسلک رکھنے کے لئے ۱۹۸۴ء میں قلندر شعور فاؤنڈیشن، سندھ (پاکستان) اور ۱۹۸۹ء میں عظیمیہ فاؤنڈیشن، برطانیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ قلندر شعور فاؤنڈیشن مختلف شعبوں پر مشتمل ہے اور انہی شعبوں پر تمام مراقبہ ہالز کا نظام قائم ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے بشری استعداد کے مطابق علم کے سمندر میں سے جو موتی چنے ہیں، وہ کتنے ہیں اور ان کی ضوفشانی سے اللہ کی مخلوق کو کس قدر فائدہ پہنچا ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ ہم اور ان کے ادنیٰ کارکنان جن کشتیوں میں سوار ہیں اور آپ کی ہدایات سے روحانی مشن کی آبیاری کے لئے تائید ایزدی سے حتی المقدور کوشاں ہیں ان کی تفصیل اس طرح سے ہے:

شعبہ خدمت خلق

مفت علاج معالجہ کی سہولیات

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کو حکم دیا گیا ہے کہ جس طرح بھی ہو ''توحید'' کو ہر مذہب و ملت میں روشناس کرانے کی عملی جدوجہد کریں۔اس عملی جدوجہد میں امراض کا علاج اور مسائل کا حل بھی شامل ہے۔

حکم کی تعمیل میں آپ اوائل ۱۹۶۹ء سے ہی حضور قلندر بابا اولیاء کی زیر پرستی علاج معالجہ کے شعبہ سے منسلک ہیں جس میں مریضوں کو دم کرنا آپ کی ذمہ داری تھی (یاد رہے کہ حضور قلندر بابا اولیاء نے آپ کو امراض سلب کرنے کا تین سال کا کورس کروایا ہے)۔آپ بیٹھ کر مریضوں کے امراض سلب کر کے زمین میں جذب کرتے تھے۔بعض اوقات آپ کے ہاتھ متورم ہو جاتے اور رات کو ہاتھوں پر مالش کرنا پڑتی تھی۔ مریضوں کا اتنا ہجوم ہو جاتا تھا کہ گھر کے سامنے سڑک پر ٹینٹ لگانا پڑتا تھا۔

۱۹۶۸ء سے تادم تحریر خدمت خلق کی اس روایت کو قائم رکھا گیا ہے۔مرکزی مراقبہ ہال میں ہفتہ میں دو روز خواتین و مرد حضرات کے علاج معالجہ کا پروگرام ہوتا ہے۔جس دوران ایک محتاط اندازے کے مطابق سالانہ ۱۴،۴۰۰ مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ عظیمی صاحب سے مسائل کے حل کے لئے ملاقات کرنے والے خواتین وحضرات کے مسائل کے حل کے لئے ملاقات کرنے والے خواتین وحضرات کے مسائل کے حل کی تعداد اس سے کئی گنا ہے۔ملک اور بیرون ملک قائم تمام مراقبہ ہالز میں مرکزی مراقبہ ہال کی پیروی میں مفت علاج معالجہ کی سہولیات فراہم کی جارہی ہیں۔

عظیمی صاحب نے امراض کے علاج کے لئے مختلف طریقہ ہائے علاج استعمال فرمائے ہیں۔ جن کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ رنگ اور روشنی سے علاج

انسان نے اب تک رنگ کی تقریباً ساٹھ قسمیں معلوم کی ہیں ان میں بہت تیز نگاہ والے ہی امتیاز کر سکتے ہیں۔جس چیز کو اس کی نگاہ محسوس کرتی ہے، اس کو رنگ، روشنی، جواہرات اور آخر میں کم وبیش پانی سے تعبیر کرتا ہے۔اس بات سے قطع نظر کہ آسمانی رنگ کیا ہے، کس طرح بنا ہے۔آیا وہ صرف خیالی ہے یا کوئی حقیقت ہے۔بہر کیف انسان کی نگاہ اسے محسوس کرتی ہے اور اسے جو نام دیتی ہے وہ آسمانی ہے۔

حد نگاہ سے زمین کی طرف آیئے تو آپ کو نیلے رنگ کی لاتعداد رنگین شعاعیں ملیں گی، یہاں اس لفظ رنگ کو "قسم" کہا جا سکتا ہے۔ دراصل قسم ہی وہ چیز ہے جو ہماری نگاہوں میں رنگ کہلاتی ہے۔ یعنی رنگ کی قسمیں صرف رنگ نہیں بلکہ رنگ کے ساتھ فضا میں اور بہت سی چیزیں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ اس میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہیں، اسی چیز کو "قسم" کے نام سے بیان کرنا ہمارا منشاء ہے۔

رنگ کا جو منظر ہمیں نظر آیا ہے اس میں روشنی، آکسیجن، نائٹروجن اور قدرے دیگر گیسیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ ان گیسوں کے علاوہ کچھ سائے بھی ہوتے ہیں جو ہلکے ہوتے ہیں یا دبیز، کچھ اور بھی اجزاء اسی طرح آسمانی رنگ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان ہی اجزاء کو ہم مختلف قسمیں کہتے ہیں یا مختلف رنگوں کا نام دیتے ہیں لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ان میں ہلکے اور دبیز سالوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

جس فضا سے ہمیں رنگ کا فرق نظر آتا ہے اس فضا میں نگاہ اور حد نگاہ کے درمیان باوجود مطلع صاف ہونے کے بہت کچھ موجود ہوتا ہے۔ اول ہم ان روشنیوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو خاص طور پر آسمانی رنگ پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

روشنیوں کا سرچشمہ کیا ہے اس کا بالکل صحیح علم انسان کو نہیں ہے۔ قوس قزح کا جو فاصلہ بیان کیا جاتا ہے وہ زمین سے تقریباً نو کروڑ میل ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو رنگ ہمیں اتنے قریب نظر آتے ہیں وہ نو کروڑ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ اب یہ سمجھنا مشکل کام ہے کہ سورج کے اور زمین کے درمیان علاوہ کرنوں کے اور کیا کیا چیزیں موجود ہیں جو فضا میں تحلیل ہوتی رہتی ہیں۔

جو کرنیں سورج سے ہم تک منتقل ہوتی رہتی ہیں ان کا چھوٹے سے چھوٹا جزو فوٹان کہلاتا ہے اور اس فوٹان کا ایک وصف یہ ہے کہ اس میں اسپیس نہیں ہوتا۔ اسپیس سے مراد "ابعاد" ہیں یعنی اس میں لمبائی چوڑائی موٹائی نہیں ہے۔ اس لئے جب یہ کرنوں کی شکل میں پھیلتے ہیں تو نہ ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں، نہ ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ جگہ نہیں روکتے، اس وقت تک جب تک کہ دوسرے رنگ سے نہ ٹکرائیں۔

یہاں رنگ کو پھر سمجھئے! فضا میں جس قدر عناصر موجود ہیں ان میں سے کسی عنصر سے فوٹان کا ٹکراؤ ہی اسے اسپیس دیتا ہے۔ دراصل یہ فضا کیا ہے، رنگوں کی تقسیم ہے۔ رنگوں کی تقسیم جس طرح ہوتی ہے وہ اکیلے فوٹان کی رو سے نہیں ہوتی بلکہ ان حلقوں سے ہوتی ہے جو فوٹانوں سے بنتے ہیں۔ جب فوٹانوں کا ان حلقوں سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسپیس یا رنگ وغیرہ کئی چیزیں بن جاتی ہیں۔

ہمارے کہکشانی نظام میں بہت سے سورج ہیں، وہ کہیں نہ کہیں سے روشنی لاتے ہیں۔ ان کا درمیانی

فاصلہ کم سے کم پانچ نوری سال بتایا جاتا ہے۔ جہاں ان کی روشنیاں آپس میں ٹکراتی ہیں وہ روشنیاں چونکہ قسموں پر مشتمل ہیں اس لئے حلقے بنا دیتی ہیں جیسے ہماری زمین یا اور سیارے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورج سے یا کسی اور اسٹار سے جن کی تعداد ہمارے کہکشانی نظام میں دو کھرب بتائی جاتی ہے۔ان کی روشنیاں سنکھوں کی تعداد پر مشتمل ہیں اور جہاں ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے وہیں ایک حلقہ بن جاتا ہے جسے سیارہ کہتے ہیں۔اب فوٹان میں اسپیس پیدا ہو جاتا ہے اور اسپیس کے چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو الیکٹران کہتے ہیں۔ جہاں فوٹان اور الیکٹران دونوں ٹکراتے ہیں وہیں سے نگاہ رنگ دیکھنا شروع کر دیتی ہے۔

چار پیروں سے چلنے والے جانور اور اڑنے والے پرندے آسمانی رنگ کو تمام جسم میں یکساں قبول کرتے ہیں۔اسی وجہ سے عام طور پر ان میں جبلت کام کرتی ہے، فکر کام نہیں کرتی یا زیادہ سے زیادہ انہیں سکھایا جاتا ہے لیکن وہ بھی فکر کے دائرے میں نہیں آتا۔جن چیزوں کی انہیں اپنی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے صرف ان چیزوں کو قبول کرتے ہیں،ان میں زیادہ غیر ضروری چیزوں سے یہ واسطہ نہیں رکھتے۔جن چیزوں کی انہیں ضرورت ہوتی ہے ان کا تعلق زیادہ تر آسمانی رنگ کی لہروں سے ہوتا ہے۔

آدمی سب سے پہلے آسمانی رنگ کا مخلوط یعنی بہت سے ملے ہوئے رنگوں کو اپنے بالوں اور سر میں قبول کرتا ہے اور اس رنگ کا مخلوط پیوست ہوتا رہتا ہے۔یہاں تک کہ جتنے خیالات، کیفیات اور محسوسات وغیرہ اس رنگ کے مخلوط سے اس کے دماغ کو متاثر کرتے ہیں وہ اتنا ہی متاثر ہوتا ہے۔دماغ میں کھربوں خانے ہوتے ہیں اور ان میں سے برقی رو گزرتی رہتی ہے۔اسی برقی رو کے ذریعے خیالات،شعور اور تحت الشعور سے گزرتے رہتے ہیں اور اس سے بہت زیادہ لاشعور میں۔دماغ میں مخلوط آسمانی رنگ آنے سے اور پیوست ہونے سے خیالات، کیفیات، محسوسات وغیرہ برابر بدلتے رہتے ہیں۔

اس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ اس رنگ کے سائے ہلکے بھاری یعنی طرح طرح کے اپنا اثر کم وبیش پیدا کرتے ہیں اور فوراً اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں تاکہ دوسرے سائے ان کی جگہ لے سکیں۔بہت سے سائے جنہوں نے جگہ چھوڑ دی ہے محسوسات بن جاتے ہیں اس لئے کہ وہ گہرے ہوتے ہیں۔ان کے علاوہ بہت سے خیالات کی صورتیں منتشر ہو جاتی ہیں۔رفتہ رفتہ انسان ان خیالات کو ملانا سیکھ لیتا ہے ان میں سے جن خیالات کو بالکل کاٹ دیتا ہے وہ حذف ہو جاتے ہیں اور جو جذب کر لیتا ہے وہ عمل بن جاتے ہیں۔یہ سائے اسی طرح کام کرتے رہتے ہیں۔انہی سایوں کے ذریعہ انسان رنج و راحت حاصل کرتا ہے۔کبھی وہ رنجیدہ اور بہت رنجیدہ ہو جاتا ہے،کبھی وہ خوش اور بہت خوش ہو جاتا ہے۔

یہ سائے جس قدر جسم سے خارج ہو سکتے ہیں ہو جاتے ہیں لیکن جتنے جسم کے اندر پیوست ہو جاتے ہیں وہ اعصابی نظام بن جاتے ہیں۔ آدمی دو پیر سے چلتا ہے اس لئے سب سے پہلے ان سایوں کا اثر اس کا دماغ قبول کرتا ہے۔ دماغ کی چند حرکات معین ہیں جن سے وہ اعصابی نظام میں کام لیتا ہے۔ سر کا پچھلا حصہ یعنی ام الدماغ اور حرام مغز اس اعصابی نظام میں خاص کام کرتا ہے۔ رنج و خوشی دونوں سے اعصابی نظام متاثر ہوتا ہے۔ رنج و خوشی دراصل بجلی کی ایک رو ہے جو دماغ سے داخل ہو کر تمام اعصاب میں سما جاتی ہے۔

ان لہروں کا وزن، تجزیہ، فضا، ہر جگہ بالکل یکساں نہیں ہوتا بلکہ جگہ جگہ تقسیم ہوتا ہے اور اس تقسیم کار میں وہ لہروں کے کچھ سائے زیادہ جذب کرتا ہے اور کچھ سائے کم۔ انسان کے دماغ میں لاشمار خلیے بھی کام کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ان لاشمار خلیوں میں سائے کی لہریں جو فضا سے مخفی ہیں وہ اپنے اثرات کو برقرار رکھیں۔

کبھی ان کے اثرات بہت کم رہ جاتے ہیں، کبھی ان کے اثرات بالکل نہیں رہتے لیکن یہ واضح رہے کہ یہ تمام خلیے جو دماغ سے تعلق رکھتے ہیں کسی وقت خالی نہیں رہتے۔ کبھی ان کا رخ ہوا کی طرف زیادہ ہوتا ہے کبھی پانی، کبھی غذا اور کبھی تنہا روشنی کی طرف۔ اسی روشنی سے رنگ اور رنگوں کی ملاوٹی شکلیں مخفی ہیں اور خرچ ہوتی رہتی ہیں۔ آسمانی رنگ فی الحقیقت کوئی رنگ نہیں بلکہ وہ ان کرنوں کا مجموعہ ہے جو ستاروں سے آتی ہیں۔ کہیں بھی ان ستاروں کا فاصلہ پانچ نوری سالوں سے کم نہیں (ایک کرن ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے۔ اس طرح نوری سال کا حساب لگایا جا سکتا ہے)۔ ہر ستارہ کی روشنی سفر کرتی ہے اور سفر کرنے کے دوران ایک دوسرے سے ٹکراتی ہے۔ ان میں ایک کرن کا کیا نام رکھا جائے یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ نہ انسان کرن کے رنگ کو آنکھوں میں جذب کر سکتا ہے۔

یہ کرنیں مل جل کے جو رنگ بناتی ہیں وہ تاریک ہوتا ہے اور اس تاریکی کو نگاہ آسمانی محسوس کرتی ہے۔ انسان کے سر میں اس کی فضا سرایت کر جاتی ہے۔ نتیجے میں وہ لاتعداد خلیے جو انسان کے سر میں موجود ہیں اس فضا سے معمور ہو جاتے ہیں اور یہاں تک معمور ہوتے ہیں کہ ان خلیوں میں مخصوص کیفیات کے علاوہ کوئی کیفیت سما نہیں سکتی۔ یا تو ہر خلیے کی ایک کیفیت ہوتی ہے یا کئی خلیوں میں مماثلت پائی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے ایک دوسرے کی کیفیات شامل ہو جاتی ہیں لیکن یہ اس طرح کی شمولیت نہیں ہوتی کہ بالکل مدغم ہو جائے بلکہ اپنے اپنے اثرات لے کر خلط ملط ہو جاتی ہے۔ اس طرح دماغ کے لاتعداد خلیے ایک دوسرے میں پیوست ہو جاتے ہیں اور یہاں تک پیوست ہوتے ہیں کہ ہم کسی خلیے کا عمل، ردعمل ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے بلکہ وہ مل جل کر وہم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ انسان تو ہماتی جانور ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔خلیوں کی یہ فضا تو ہمات کہلا سکتی ہے یا خیالات یا محسوسات یہ تو ہماتی فضا دماغی ریشوں میں سرایت کر جاتی ہے، ایسے ریشے جو باریک ترین ہیں۔ خون کی گردش رفتار ان میں تیز تر ہوتی ہے، اسی گردش رفتار کا نام انسان ہے۔خون کی نوعیت اب تک جو کچھ سمجھی گئی ہے فی الواقع اس سے کافی حد تک مختلف ہے۔

آسمانی فضا سے جو تاثرات دماغ کے اوپر مرتب ہوتے ہیں وہ ایک بہاؤ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور حقیقت میں ان کو تو ہمات یا خیالات کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔جب آسمانی رنگ کی فضا خون کی رو بن جاتی ہے تو اس کے اندر وہ حلقے کام کرتے ہیں جو دوسرے ستاروں سے آئے ہیں وہ حلقے چھوٹے سے چھوٹے ہوتے ہیں، اس قدر چھوٹے کہ دوربین بھی انہیں نہیں دیکھ سکتی لیکن ان کے تاثرات عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔انسان کے اعصاب میں وہی حرکات بنتے ہیں اور انہیں کی زیادتی یا کمی اعصابی نظام میں خلل پیدا کرتی ہے۔رنگوں کا فرق بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

ہلکا آسمانی رنگ بہت ہی کمزور قسم کا وہم پیدا کرتا ہے۔یہ وہم دماغی فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے اس طرح کہ ایک ایک خلئے میں درجنوں آسمانی رنگ کے پرتو ہوتے ہیں یہ پرتو الگ الگ تاثرات رکھتے ہیں۔وہم کی پہلی رو خاص کر بہت ہی کمزور رہوتی ہے۔جب یہ رو دو یا دو سے زیادہ چھوتک ہو جاتی ہے اس وقت ذہن میں اپنے اندر وہم کو محسوس کرنے لگتا ہے۔یہ وہم اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اگر جنبش نہ کرے اور ایک جگہ مرکوز ہو جائے تو آدمی نہایت تندرست رہتا ہے اسے کوئی اعصابی کمزوری نہیں ہوتی بلکہ اس کے اعصاب صحیح سمت میں کام کرتے ہیں۔اس رو کا اندازہ بہت ہی شاذ ہوتا ہے۔

اگر یہ رو کسی ایک ذرہ پر یا کسی ایک سمت میں یا کسی ایک رخ پر مرکوز ہو جائے اور تھوڑی دیر بھی مرکوز رہے تو دور دراز تک اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔انسان کو اس رو کے ذریعہ متاثر کیا جا سکتا ہے۔سب سے پہلا اثر اس کا دماغی اعصاب پر ہوتا ہے، یہاں تک کہ دماغ کے لاکھوں خلئے اس کی چوٹ سے فنا ہو جاتے ہیں۔اب دماغی خلئے جو باقی رہتے ہیں وہ ام الدماغ کے ذریعہ اسپائنل کوڈ (Spinal Cord) میں اپنا تصرف لے جاتے ہیں۔یہی وہ تصرف ہے جو باریک ترین ریشوں میں تقسیم ہوتا ہے۔

اس تصرف کے پھیلنے سے جو حواس بنتے ہیں، ان میں سب سے پہلی حس نگاہ کی ہے۔آنکھ کی پتلی پر جب کوئی عکس پڑتا ہے تو وہ اعصاب کے باریک ترین ریشوں میں ایک سنسناہٹ پیدا کر دیتا ہے۔یہ ایک مستقل برقی رو ہوتی ہے اگر اس کا رخ صحیح ہے تو آدمی بالکل صحت مند ہے، اگر اس کا رخ صحیح نہیں ہے تو دماغ کی فضا کا رنگ گہرا ہو جاتا ہے اور گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔یہاں تک کہ دماغ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور

اعصاب اس رنگ کے پریشر کو برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر میں یہ رنگ اتنا گہرا ہو جاتا ہے کہ اس میں تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں مثلاً آسمانی رنگ سے نیلا رنگ بن جاتا ہے۔ درمیان میں جو مرحلے پڑتے ہیں وہ بے اثر نہیں ہیں۔ سب سے پہلے مرحلے زیر اثر آدمی کچھ وہمی ہو جاتا ہے، اسی طرح کے بعد دیگر مرحلے رونما ہوتے ہیں۔ رنگ گہرا ہوتا جاتا ہے اور وہم کی قوتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ دماغ کے باریک ترین ریشے بھی اس تصرف کا اثر قبول کرتے ہیں۔

اگر رنگ کی مقدار کو کنٹرول کرلیا جائے تو مرض کا علاج ہو جاتا ہے۔ ان رنگوں کی کمی کو پورا کرنے یا زیادتی کو ختم کرنے کے لئے سورج کی شعاعوں یا روشنی کو رنگین بوتلوں کی مدد سے پانی، تیل یا Distilled Water Ampules میں جذب کر کے، کمرے کی کھڑکیوں میں مختلف رنگ شیشے لگوا کر یا مطلوبہ رنگ کے بلب سے روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔ رنگوں کی کمی کو پورا کرنے یا زیادتی ختم کرنے کے لئے روشنی اور رنگ سے تیار کردہ پانی انتہائی درجہ فائدہ مند ثابت ہوا ہے کیونکہ یہ علاج مفت برابر ہے۔ آسان ہے اور کوئی پابندی یا کسی قسم کا قابل ذکر پرہیز نہیں کیا جاتا اور علاج ہر گھر میں جو پانی استعمال ہوتا ہے اسی پانی سے ہوتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ چند قسم کے رنگ اور چند قسم کی روشنیاں پانی میں سرایت کر جاتی ہیں۔ جب یہ پانی استعمال ہوتا ہے تو معدہ اس کو چیک نہیں کرتا بلکہ براہ راست یہ پانی خون میں اور اعصاب میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی بہت بڑی خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی دوا میں نہیں ہے۔ آپ اس بات سے اندازہ لگاسکتے ہیں کہ انسانی جسم کے اندر یہ پانی کیا تغیر پیدا کرسکتا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ پانی خون کے اندر دور کرتا ہے جیسے عام پانی دور کرتا ہے یہ خصوصیت بھی دنیا کی کسی دوا میں نہیں ہے۔ تیسری سب سے بڑی اس کی اہمیت یہ ہے کہ یہ پانی جس وقت خون کے اندر گردش کرتا ہے اس وقت رگوں، نسوں اور گوشت پوست کے اندر اس کا رنگ اور اس کی روشنیاں تحلیل ہو جاتی ہیں اور باقی عام پانی پسینہ کے ذریعے یا بول براز کے ذریعہ خارج ہو جاتا ہے۔ دنیا کی ہر دوا اپنا اثر چھوڑتی ہے اور اپنا اثر چھوڑ کر خارج ہو جاتی ہے۔ رنگ اور روشنی کی طرح اعصاب میں پیوست نہیں ہوتی۔ یہ اسی علاج کی ایک اہم خصوصیت ہے۔

رنگ اور روشنی سے تیار شدہ پانی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ رنگ اور روشنی سے جو پانی الگ ہوتا ہے وہ اپنی اعصاب، رگوں، دل، دماغ اور خون کے ذرات کو دھو ڈالتا ہے اور جتنے زہریلے مادے ہوتے ہیں انہیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے جو خارج ہو جاتے ہیں۔

تجربہ میں یہ بات آئی ہے کہ ماسوا سرخ رنگ پانی کے کسی رنگین پانی کا ری ایکشن نہیں ہوتا۔ سرخ

رنگ پانی کی زیادتی سے دست آجاتے ہیں یا بلڈ پریشر بھی ہائی ہوسکتا ہے جو بڑی آسانی کے ساتھ سبز شعاعوں کے پانی سے ٹھیک ہوجاتا ہے۔

۲۔ پتھر یا نگینوں سے علاج

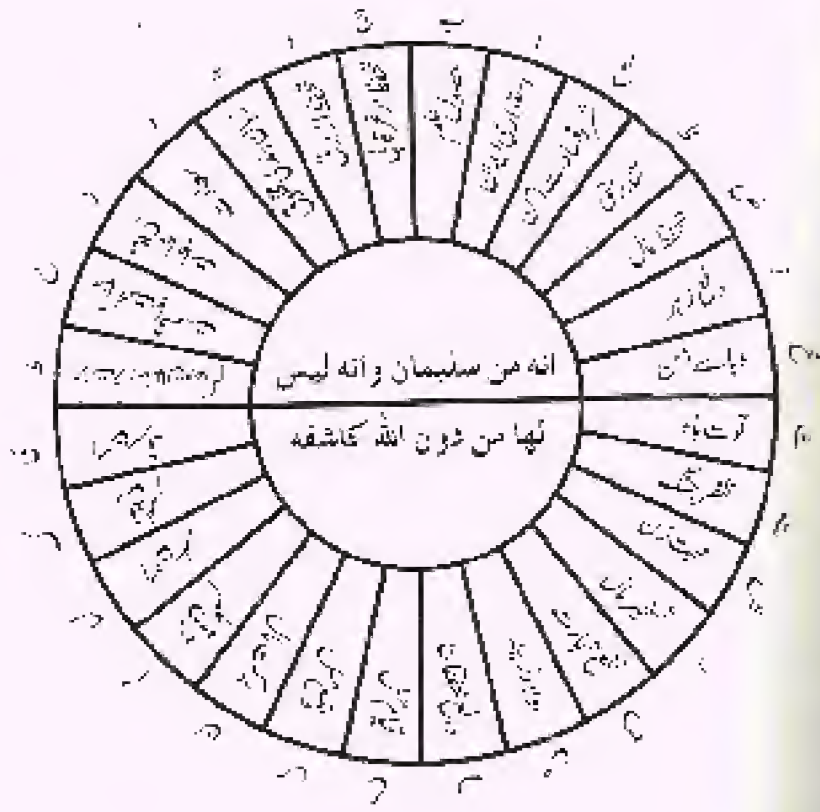
قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے"اللہ سماوات اور ارض کا نور ہے" اس آیت میں نور کی پوری تشریح کی گئی ہے۔آیت مقدسہ کی تشریح کے پیش نظر آسمان اور زمین روشنی ہے یعنی آسمان اور زمین پر موجود ہر شئے کا قیام نور (روشنی) پر ہے۔کائنات میں کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے جو روشنی کے ہالے میں بند نہ ہو۔اللہ پاک کا یہ بھی ارشاد ہے۔"پاک اور بلند ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں کے ساتھ تخلیق کی۔"

روشنی کی یہ الگ الگ مقداریں ہی انفرادیت پیدا کرتی ہیں۔روشنی جب دماغ پر نزول کر کے بکھرتی ہے تو اس میں رنگ پیدا ہوجاتے ہیں۔رنگوں کی یہ لہریں ہر تخلیق میں وولٹیج کا کام کرتی ہیں۔کوئی انسان سنکھیا کھا کر اس لئے مرجاتا ہے کہ سنکھیا کے اندر کام کرنے والے برقی نظام کا وولٹیج انسان کے اندر کام کرنے والے وولٹیج سے زیادہ ہوتا ہے۔

نگینہ یا پتھر کے اندر بھی روشنی دور کرتی رہتی ہے۔اگر انسان کی روشنیاں اور پتھر کی روشنیاں باہم مطابقت رکھتی ہیں تو یہ پتھر انسان کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں۔پتھر کی روشنیاں اور انسان کے اندر دور کرنے والی روشنیاں باہم دگر مل کر ایک طاقت بنا لیتی ہیں۔یہ طاقت براہ راست دماغ کو تقویت دیتی ہے اور انسان کی بہت سی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہوجاتی ہیں۔یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو فہم و ادراک سے ماوراء ہو۔

ہمارا عام مشاہدہ ہے کہ محلول جسم پر لگانے سے کھال جل جاتی ہے اور کوئی دوسری چیز جسم پر رکھنے یا ملنے سے ہمیں راحت ملتی ہے۔بات یہ ہے کہ جب ہمارے جسم پر کوئی چیز رکھی جاتی ہے یا ہمارا ہاتھ کسی چیز سے مس ہوتا ہے تو اس چیز کے اندر کام کرنے والی لہریں فی الفور ہمارے دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔بالکل یہی صورت نگینہ اور پتھر کی ہے۔انگوٹھی میں کوئی نگینہ یا پتھر انگلی سے مس ہوتا ہے تو ان کے اندر کام کرنے والا وولٹیج دماغ میں پہنچتا ہے اور دماغ کو طاقت بخشتا ہے۔

جہاں تک انگوٹھی میں پتھر یا نگینہ پہننے کا تعلق ہے، معمولی نگینہ بھی اپنے رنگ کی بنا پر وہی خاصیت رکھتا ہے جو قیمتی پتھر رکھتا ہے۔یہ دیکھنے کے لئے آپ کے پاس موجود پتھر آپ کو کیا فوائد دے سکتا ہے۔آپ ایک کاغذ پر یہ دائرہ اس طرح بنائیں کہ اندرونی دائرہ کا قطر ۳/۴ ۱۲ انچ اور بیرونی دائرہ کا قطر ۱/۲ ۱۲ انچ ہو۔



اب باوضو دو رکعت نماز نفل استخارہ پڑھیں۔ پھر سورۂ یاسین ایک مرتبہ پڑھ کر اپنے پاس موجود تمام پتھروں (جن کے فوائد جانچنے ہیں) پر دم کریں۔ اور ان میں سے ایک پتھر دائرہ کے وسط میں رکھ کر اس کے اوپر انگشت شہادت کو آہستہ سے رکھیں۔ یعنی انگلی پتھر سے صرف مس کریں لیکن پتھر کی حرکت میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اب آپ آہستہ آہستہ

اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهُ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَه

بلا تعداد پڑھتے جائیں۔ چند منٹوں کے بعد ہی پتھر میں حرکت پیدا ہوگی اور دائرہ کے جس خانہ میں جا کر رک جائے گا یہ پتھر آپ کے لئے اسی تاثیر کا حامل ہوگا اور یہی فائدہ پہنچائے گا۔

اگر پتھر حرکت کرتا ہوا متعدد خانوں میں سے گزرے تو جن جن خانوں سے پتھر گزرا یہ آپ کے لئے اتنی ہی تاثیرات کا حامل ہوگا۔ اگر پتھر حرکت نہ کرے تو یہ پتھر آپ کے لئے فائدہ مند نہ ہوگا۔

ایک کے بعد دم شدہ پتھروں میں سے دوسرا پتھر دائرہ میں رکھ کر پھر مذکورہ عمل پڑھنا شروع کر دیں۔ اسی طرح آپ ایک ہی نشست میں بہت سے پتھروں اور نگینوں کے خواص اپنے لئے معلوم کر سکتے ہیں۔ پتھر یا نگ کا وزن تین رتی سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

اسی طرح نام یا تاریخ پیدائش کے مطابق بھی، پتھر یا نگینہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ پیدائش یاد

نہ ہو تو اپنے نام کے پہلے حرف سے رنگ کا انتخاب کریں اور یہ پتھر یا نگینہ، انگوٹھی میں اس طرح پہنیں کہ انگلی سے مس ہوتا رہے۔

تاریخ پیدائش	نام کا پہلا حرف	موافق رنگ
۲۱ مارچ تا ۲۰ اپریل	ا۔ل۔ع۔ی	سرخ
۲۱ اپریل تا ۲۱ مئی	ب۔و	نیلا
۲۲ مئی تا ۲۱ جون	ق۔ک	سرخی مائل زرد
۲۲ جون تا ۲۳ جولائی	ح۔ہ	سفید۔دودھیا۔ہلکا نیلا
۲۴ جولائی تا ۲۳ اگست	م	نارنجی
۲۴ اگست تا ۲۳ ستمبر	پ۔غ	گہرا زرد۔نقرئی
۲۴ ستمبر تا ۲۳ اکتوبر	ر۔ت۔ط	ہلکا گلابی۔نیلا
۲۴ اکتوبر تا ۲۲ نومبر	ظ۔ذ۔ض۔ز۔ن	گہرا سرخ۔قرمزی
۲۳ نومبر تا ۲۲ دسمبر	ف	ہلکا ارغوانی
۲۳ دسمبر تا ۲۰ جنوری	ج۔خ۔گ	بھورا۔نیوی بلیو۔سلیٹی
۲۱ جنوری تا ۱۹ فروری	س۔ش۔ص۔ث	سیاہ۔نیلا۔سبز
۲۰ فروری تا ۲۰ مارچ	د۔چ	بینگنی۔گہرا سبز۔بھورا

۳۔ مراقبہ سے علاج

جسمانی لحاظ سے ہمارے اندر دو نظام کام کرتے ہیں۔

۱۔ سمپتھیٹک سسٹم (Sympathetic System)

۲۔ پیرا سمپتھیٹک سسٹم (Parasympathetic System)

اول الذکر نظام دل کی دھڑکن کی تیزی، خون کی رفتار کی تیزی اور آنکھوں کی پتلیوں کے پھیلنے کو کنٹرول کرتا ہے جبکہ دوسرے نظام کے تحت دل کی دھڑکن کا آہستہ ہونا، خون کی رفتار کا کم کرنا، پتلیوں کا سکڑنا اور جسم کے مختلف مادوں کی حرکات وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

یہ نظام ہمارے ارادے اور اختیار کے بغیر کام کرتا ہے۔ مثلاً ہم سانس لینے پر مجبور ہیں اگر سانس روک بھی لیں تو کچھ وقفے کے بعد دوبارہ سانس لینے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ دل کی رفتار پر بھی ہمیں اختیار نہیں

ہے چنانچہ فی زمانہ طبی ماہرین اور ماہرین علم النفس اس بنیاد پر کام کر رہے ہیں کہ مختلف طریقوں اور مشقوں سے اگر ہم پیرا سمپتھیٹک سسٹم کی حرکات پر اثرات مرتب کر سکیں تو ہم بیماریوں کا کامیابی سے دفاع کر سکیں گے اور بہت سے امراض کا خاتمہ آسانی سے ہو جائے گا۔ اسی بنیاد پر سائنس دانوں نے ''بائیو فیڈ بیک'' نامی طریقہ ایجاد کیا ہے جس پر تحقیقات کی جا رہی ہیں۔

مراقبہ کے ذریعے پیرا سمپتھیٹک سسٹم پر حسب منشاء اثرات مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ مراقبہ اس نظام میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا کر دیتا ہے۔ مراقبہ کی کیفیت گہرے سکون اور ٹھہراؤ میں لے جاتی ہے۔ یہ کیفیت ہمارے اوپر عام طور پر طاری نہیں ہوتی کیونکہ ذہن زیادہ دیر تک ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔ مراقبہ سے نہ صرف قوت ارادی میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ جسمانی اور نفسیاتی اعتبار سے بھی کثیر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ تجربات اور مشاہدات نے ثابت کر دیا ہے کہ مراقبہ سے مندرجہ ذیل جسمانی اور نفسیاتی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

- خون کے دباؤ پر کنٹرول
- قوت حیات میں اضافہ
- بصارت میں تیزی
- خون کی چکنائی میں کمی
- تخلیقی قوتوں میں اضافہ
- چڑچڑے پن میں کمی
- دل کی کارکردگی میں بہتری
- قوت سماعت میں اضافہ
- بیماریوں کے خلاف قوت مدافعت
- ڈیپریشن اور جذباتی ہیجان کا خاتمہ
- پریشانی اور مشکلات میں آنے والے دباؤ میں کمی
- خون کے سرخ ذرات میں اضافہ
- قوت یادداشت میں تیزی
- بہتر قوت فیصلہ
- بے خوابی سے نجات اور گہری نیند
- ڈر اور خوف کے خلاف ہمت اور بہادری

o وسوسوں سے نجات

o حسد کا خاتمہ

o مراقبہ میں کامیابی کے بعد، جادو ٹونے، بھوت پریت، آسیب اور منفی خیالات سے آزادی

مراقبہ کے ذریعے مریض میں کس طرز پر رنگ و روشنی میں تبدیلی کی جائے اس کا تعین صرف ایک ماہر ہی کرسکتا ہے کیونکہ اس دوران مریض کی طبیعت کا رجحان ذہن کی قوت، طرز فکر، طبعی ساخت اور دیگر بہت سے عوامل کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔مراقبہ کے ذریعے رنگ و روشنی کو جذب کرنے کا طریقہ یہ ہے۔

طریقہ نمبر۱: آرام دہ نشست میں بیٹھ کر تصور کریں کہ رنگ اور روشنی کی لہریں پورے جسم میں جذب ہو رہی ہیں۔

طریقہ نمبر۲: مراقبہ میں تصور کریں کہ رنگ یا روشنی کی لہر آسمان سے نازل ہو کر دماغ میں جذب ہو رہی ہے۔

طریقہ نمبر۳: مراقبہ میں تصور کیا جائے کہ گردوپیش کا پورا ماحول روشنی سے معمور ہے۔

طریقہ نمبر۴: یہ تصور کیا جائے کہ مراقبہ کرنے والا روشنی کے دریا میں ڈوبا ہوا ہے۔

طبی اور جسمانی لحاظ سے ہر رنگ اور روشنی کے الگ الگ خواص ہیں۔جب کسی روشنی کا مراقبہ کیا جاتا ہے تو ذہن میں کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہونے لگتی ہیں اور دماغ میں مطلوبہ روشنی کو جذب کرنے کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ایسے نفسیاتی عوارض جو ذہنی ٹوٹ پھوٹ سے پیدا ہوتے ہیں ان کے تدارک کے لئے تجویز کردہ روشنیوں کے مراقبے درج ذیل ہیں۔

نوٹ: کس رنگ یا روشنی کا مراقبہ کیا جائے۔اس کے لئے استاد کی رہنمائی اشد ضروری ہے۔

نیلی روشنی

نیلی روشنیوں سے دماغی امراض، گردن اور کمر میں درد، ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کی خرابی، ڈپریشن، احساس محرومی، کمزور قوت ارادی سے نجات مل جاتی ہے۔

زرد روشنی

نظام ہضم، حبس ریاح، آنتوں کی دق، پیچش، قبض، بواسیر، معدہ کا السر وغیرہ کے لئے نہایت ہی موثر علاج ہے۔

نارنجی روشنی

سینے کے امراض مثلاً دق، سل، پرانی کھانسی، دمہ وغیرہ کا علاج ہے۔

سبز روشنی

ہائی بلڈ پریشر اور خون میں حدت سے پیدا ہونے والے امراض، جلدی امراض، خارش، آتشک، سوزاک، چھیپ وغیرہ کا علاج ہے۔

سرخ روشنی

لو بلڈ پریشر، انیمیا، گٹھیا، دل کا گھٹنا، دل کا ڈوبنا، توانائی کا کم محسوس کرنا، نروس بریک ڈاؤن، دماغ میں مایوس کن خیالات آنا، موت کا خوف، اونچی آواز سے دماغ میں چوٹ محسوس ہونا وغیرہ کے لئے سرخ روشنی کا مراقبہ کرایا جاتا ہے۔

جامنی روشنی

مردوں کے جنسی امراض اور خواتین کے اندر رحم سے متعلق امراض کا علاج ہے۔

گلابی روشنی

مرگی، دماغی دورے، ذہن اور حافظہ کا ماؤف ہونا، ڈر اور خوف، عدم تحفظ کا احساس، زندگی سے متعلق منفی خیالات آنا، دنیا بیزاری سے نجات پانے کے لئے موثر علاج ہے۔ صاحب مراقبہ کے لئے ضروری ہے کہ جس جگہ مراقبہ کیا جائے وہاں وہاں شور وغل نہ ہو، اندھیرا ہو۔ جتنی دیر کسی گوشے میں بیٹھا جائے اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ ذہن کو مقصود کی طرف متوجہ رکھا جائے۔

پرہیز و احتیاط:

۱۔ مٹھاس کا کم سے کم استعمال کیا جائے

۲۔ کسی قسم کا نشہ نہ کیا جائے

۳۔ کھانا آدھا پیٹ کھایا جائے

۴۔ ضرورت کے مطابق نیند پوری کی جائے اور زیادہ دیر بیدار رہے

۵۔ بولنے میں احتیاط کی جائے، صرف ضرورت کے وقت بات کی جائے

۶۔ عیب جوئی اور غیبت کو اپنے قریب نہ آنے دے

۷۔ جھوٹ کو اپنی زندگی سے یکسر خارج کر دے

۸۔ مراقبہ کے وقت کانوں میں روئی رکھے

۹۔ مراقبہ ایسی نشست میں کرے جس میں آرام ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ کمر سیدھی رہے۔ اس طرح سیدھی رہے کہ ریڑھ کی ہڈی میں تناؤ نہ ہو

۱۰۔ مراقبہ کرنے سے پہلے ناک کے دونوں نتھنوں سے آہستہ آہستہ سانس لیا جائے اور سینہ میں روکے بغیر خارج کر دیا جائے۔ سانس کا یہ عمل سکت اور طاقت کے مطابق استاد کی نگرانی میں پانچ سے اکیس بار تک کریں۔

۱۱۔ سانس کی مشق شمال رخ بیٹھ کر کی جائے

۱۲۔ مراقبہ لیٹ کر نہ کیا جائے کیونکہ اس طرح بیداری کے حواس مغلوب ہو جاتے ہیں اور نیند غالب آ جاتی ہے۔ وہ کیفیات جو بیداری میں سامنے آنی چاہئیں خواب میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ اس سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ دماغ بیداری کے بجائے خواب دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے۔

۴۔ تعویذات سے علاج

انسان کے اندر کام کرنے والی ساری صلاحیتوں کا دارومدار ذہن پر ہے۔ ذہن کی طاقت ایسے ایسے کارنامے انجام دیتی ہے جہاں شعور بھی ہراساں اور خوف زدہ نظر آتا ہے۔ انسان کی ایجاد کا یہ کتنا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو استعمال کر کے ایک ایٹم کو اتنا بڑا درجہ دے دیا کہ اس ایک ایٹم سے لاکھوں جانیں ضائع ہو سکتی ہیں یعنی یہ کہ ایٹم کو لاکھوں اشرف المخلوقات انسانوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس طرح ایٹم میں مخفی طاقتیں موجود ہیں بالکل اسی طرح کائنات کی ہر تخلیق میں مخفی اور پوشیدہ طاقتوں کا ایک سمندر موجزن ہے اور ان ساری طاقتوں کی اصل روشنی ہے۔

تعویذ میں بھی یہی روشنی کام کرتی ہے چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے روشنی پر اس کو تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ تعویذ کے نقوش میں جو روشنیاں کام کرتی ہیں وہ ذہن انسانی کے تابع ہیں لیکن یہ بات بہت زیادہ غور طلب ہے کہ کسی بھی عمل کے صحیح نتائج اس وقت سامنے آتے ہیں جب ہماری صلاحیتیں، دلچسپی اور یکسوئی کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔ قانون یہ ہے کہ دلچسپی اور یکسوئی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے روشنیاں بکھر جاتی ہیں۔ یہی حال تعویذ کے اوپر لکھے ہوئے نقوش اور ہندسوں کا بھی ہے۔ کوئی عامل جب تعویذ لکھتا ہے تو وہ اپنی اپنی صلاحیتوں کو روبہ عمل لا کر اپنی ماورائی قوتوں کو حرکت میں لے آتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد ہے، پاک اوراعلیٰ ہے وہ ذات جس نے معین مقداروں کے تحت تخلیق کی۔
تعویذ کے اوپر لکھے ہوئے نقوش اور ہندسے بھی اس قانون کے پابند ہیں۔علم لدنی میں یہ پڑھایا جاتا ہے کہ یہاں ہر چیز مثلث اور دائرہ کے تانے بانے میں بنی ہوئی ہے۔فرق یہ ہے کہ کسی نوع کے اوپر دائرہ غالب ہے اور کسی نوع کے اوپر مثلث غالب ہے۔
مثلث کا غلبہ زمان ومکان (Time & Space) کی تخلیق کرتا ہے اور جس نوع پر دائرہ غالب ہوتا ہے وہ مخلوق لطیف اور ماورائی کہلاتی ہے جو ہمیں نظر نہیں آتی جیسے جنات اور فرشتے۔انسان چونکہ اشرف المخلوقات اور اللہ تعالیٰ کی تیسری صناعی ہے اس لئے وہ چاہے تو خود کو مثلث کے دباؤ سے آزاد کر کے دائرہ میں قدم رکھ سکتا ہے۔جیسے ہی وہ دائرہ کے اندر قدم رکھ دیتا ہے اس کے اوپر جنات کی دنیا اور فرشتوں کا انکشاف ہوجاتا ہے۔یہی دائرہ اور مثلث تعویذ میں ہندسے بن کر عمل کرتے ہیں جو نقطہ سے شروع ہوکر ۹ کے ہندسے پر ختم ہوجاتے ہیں۔

نقطہ (٠)

ذہن میں ایک نقطہ ہوتا ہے۔اس میں کوئی لمبائی چوڑائی نہیں ہوتی بلکہ وہ نقطہ کے تصور کی اصل ہے۔
جب کسی طاقت یا کسی عمل کو مضاعف کرنا ہو۔مضاعف کرنے سے مراد یہ ہے کہ طاقت یا کسی عمل کی طاقت کو دو گنا، بیس گنا، دس ہزار گنا، ایک لاکھ گنا یا اس سے بھی زیادہ کرنا ہو تو ایسی صورت میں سیدھی طرف ایک نقطہ لکھتے ہیں۔

ایک کا ہندسہ (١)

اگر یہ طاقت کسی چیز کو کمزور کرنے کے لئے استعمال کی جائے تو ایک لکیر اوپر سے نیچے کی طرف یعنی ایک کا ہندسہ استعمال کیا جاتا ہے۔

دو کا ہندسہ (٢)

اگر اس طاقت کو تعمیر اور تخریب دونوں کیلئے استعمال کیا جائے یعنی مضر کو ختم کرنے کے لئے اور مفید کو تخلیق کرنے کے لئے تو اس لکیر کے اوپری سر میں نصف دائرہ بنایا جاتا ہے۔اس سے دو کا ہندسہ بن جاتا ہے۔

تین کا ہندسہ (٣)

اگر بہت ساری چیزیں غلط ہیں، ان کو مٹانا ہے اور صرف ایک کو مفید میں تخلیق کرنا ہے تو دو نصف

دائرے، سیدھی لکیر یعنی ایک کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں تو یہ تین کا ہندسہ بن جائے گا۔

چار کا ہندسہ (۴)

اگر ایک غلط کو حذف کرنا ہے اور دوسری بہت سی مفید طاقتیں تخلیق کرنی ہیں تو الف مکسورہ اور نصف دائرہ کو ایک کے ہندسے میں ملائیں گے۔ یہ چار کا ہندسہ بن جائے گا۔

پانچ کا ہندسہ (۵)

اگر صرف مضر رساں حالات پیش نظر ہیں اور صرف مشکلات ہی مشکلات درپیش ہیں۔ یعنی خارجی دنیا سے حوادث پے در پے جمع ہو رہے ہیں اور تسلسل کے ساتھ آ رہے ہیں تو آنے والے واقعات کو روکنے کے لئے ورائے ذہن کی طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔

اس کا طریقہ یہ ہوگا، دو نصف دائروں کو اس طرح ملایا جائے جس میں مثلث نمایاں ہو۔

چھ کا ہندسہ (۶)

اگر ذہن کے اندر تعمیری صلاحیتیں معطل ہیں تو ان کو حرکت میں لانے کے لئے ایک کے ساتھ بائیں طرف اوپری حصہ پر نصف دائرہ کا اضافہ کر دیں گے۔

سات کا ہندسہ (۷)

مشکلات و ناسازگار حالات، اگر طبیعت اختراع کر رہی ہے اور انسان کام کرتے کرتے صحیح کام کو خود ہی بگاڑ دیتا ہے یا کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے کہ اس کے مفید نتائج نہ نکلیں تو اس کے لئے دو خط استعمال ہوتے ہیں۔ ایک سیدھا اور ایک آڑا۔ دونوں کو ملایا جائے تو سات کا ہندسہ بن جائے گا۔ اس سے ذہن کی تخریبی حرکات، اشتعال اور تباہی کے رجحانات مسدود ہو جاتے ہیں۔

آٹھ کا ہندسہ (۸)

تخریبی حرکات، اشتعال اور تباہی کا رجحان اور اس قبیل کی دوسری چیزیں اگر ماحول سے آ رہی ہیں اور طبیعت ان کا اثر قبول کرنے پر اس لئے مجبور ہے کہ وہ ماحول کی پابند ہے تو اس قسم کے آنے والے بیرونی حملوں کو روکنے کے لئے دو آڑے خط استعمال ہوتے ہیں۔ ان سے آٹھ کا ہندسہ وجود میں آتا ہے۔

نوکا ہندسہ (۹)

جو مسائل سمجھ میں نہ آئیں ان کو حل کرنے کے لئے نوکا ہندسہ استعمال ہوتا ہے۔ جو امراض بہت پیچیدہ ہوں خاص طور پر پاگل پن، مرگی، مالیخولیا، مایوسی، احساس کمتری، کند ذہنی کو دور کرنے اور حافظہ بحال کرنے میں یہ ہندسہ عجیب وغریب صفات کا حامل ہے۔ یہ ہندسہ چھپی ہوئی چیزیں اور روسائل حاصل کرنے کے لئے کئی طریقوں سے لکھا جاتا ہے مثلاً کاغذ کے اوپر، دھات کی پتریوں کے اوپر، جھلی کے اوپر، بھوج پتر کے اوپر، کھال کے اوپر، ہڈی کے اوپر، یکساں سطح کے اوپر، گولائی کے اوپر، ناخن کے اوپر، سونے چاندی اور انگوٹھی میں نگینہ کے اوپر۔

مثلث (□)

گھر میں یا وراثتاً تخریبی آثار رملیں، ان کو ختم کرنے کے لئے تین آڑے خط تعویذ پر لکھے جاتے ہیں جو مثلث شکل اختیار کرلیں گے۔ اسلاف سے ورثہ میں ملی ہوئی بیماریاں، بری عادتیں ختم کرکے تعمیر مقصود ہو تو اس مثلث میں ایک نقطہ ( ) لگا دیا جاتا ہے جس سے ان تخریبی ورثوں کے علاوہ آسیب، گیس، ہوا کے زہریلے جراثیم، مونوگیس، وبائی لہریں وغیرہ وغیرہ کی روک تھام ہوجاتی ہے۔

خون میں سقم واقع ہوجائے، کینسر لاحق ہوجائے تو ایک سیدھی لکیر سے مثلث کے اوپری سرے کو نصف سے کاٹتے ہوئے نصف تک مثلث ( ) بنادی جاتی ہے۔ یہ کینسر اور کینسر کے قبیل کے دوسرے امراض کا شافی علاج ہے۔

۵۔ لہروں سے علاج

انسان کی زندگی دو رخوں پر قائم ہے۔ ایک رخ یہ ہے کہ ہم ہر چیز کو مادیت کے پیمانے سے ناپتے ہیں اور انسانی زندگی کا دوسرا رخ وہ ہے جس پر مادیت کا قیام ہے۔ کوئی بھی مادی شے کسی نہ کسی بنیاد پر قائم ہے، یہ بنیاد روشنی ہے۔ روشنی بھی ایک طرح کا مادہ ہے۔ ایسا مادہ جسے ہم لطیف ترین مادہ کہہ سکتے ہیں جس میں کثافت نہیں ہوتی۔ جس میں بھاری پن نہیں ہوتا اور ایسا مادہ جو نہایت تیز رفتاری سے سفر کرتا ہے۔ اس میں عام مادہ کی نسبت سوراخ چھوٹے ہوتے ہیں جب کہ عام مادہ میں سوراخ بڑے ہوتے ہیں یعنی مادہ کا ہر ذرہ بہت بڑا سوراخ ہے۔ جب یہ سوراخ ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں تو مادہ کی کوئی نہ کوئی شکل مِتی ہے۔ قانون یہ ہے کہ جو چیز جتنی زیادہ سخت ہوگی اور جس چیز میں جتنی زیادہ موٹائی ہوگی۔ اس میں اتنے ہی بڑے بڑے سوراخ

ہوں گے۔

روحانی سائنس کے نظریے پر تیسری آنکھ سے دیوار کو دیکھا جائے تو دیوار میں غاروں کی طرح بڑے بڑے سوراخ نظر آتے ہیں۔ لیکن روحانیت جس روشنی کو مادہ یا Matter کہتی ہے اس میں سوراخ عام مادے کی بہ نسبت چھوٹے ہوتے ہیں۔ چونکہ روشنی بھی مادہ ہے اس لئے اس کی بھی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔ روشنی جس بساط پر قائم ہے اسے روحانیت نور کے نام سے جانتی ہے۔ نور روشنی سے زیادہ لطیف روشنی ہے۔ چونکہ نور میں Dimension ہوتے ہیں، اس لئے اس کی بھی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔ نور کی بنیاد تجلی ہے۔ تجلی میں Demension نہیں ہوتے۔

عظیم روحانی سائنسدان قلندر بابا اولیاء کا نظریہ اضافیت یہ ہے کہ کوئی شے ایسی نہیں جو تجلی، نور، روشنی اور مادیت کے غلاف میں بند نہ ہو۔ اس بات کو اس طرح کہا جائے گا کہ اس دنیا میں یا کائنات میں جو کچھ موجود ہے وہ چار غلافوں میں بند ہے اور یہ چاروں غلاف ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ یہ جس طرح پیوست ہیں اسی طرح الگ الگ بھی ہیں۔ اس کی مثال کتاب کے ورق سے دی جا سکتی ہے۔ ورق کے دو صفحے ہیں جو یک جان بھی ہیں اور الگ الگ بھی۔

تخلیق کا فارمولا یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق کا پہلا مرحلہ تجلی ہے اور کائنات کا وہ مرحلہ جو مادی جسم کے ساتھ مادی آنکھ سے نظر آتا ہے مفروضہ مرحلہ ہے لیکن چونکہ کائنات ٹھہری ہوئی نہیں ہے مسلسل حرکت میں ہے اس لئے چاروں غلاف بیک وقت حرکت کرتے ہیں اور یہ حرکت جاری وساری ہے۔

جب کوئی مخلوق سانس اندر لیتی ہے تو اس کا تعلق تجلی سے ہو جاتا ہے اور جب مخلوق سانس باہر نکالتی ہے تو کیلوریز (Calories) منتج ہیں۔ یہ کیلوریز ہی مادی جسمانی زندگی کا ایندھن منتج ہیں۔

روحانی سائنس میں سانس کے ان دونوں رخوں کے لئے حضور قلندر بابا اولیاء نے دو الگ الگ اصطلاحیں قائم کی ہیں۔ سانس کا اندر گہرائی میں جانا صعودی حرکت ہے۔ سانس کا باہر نکالنا نزولی حرکت ہے۔ سانس کا گہرائی میں جانا یا صعودی حرکت سے مراد یہ ہے کہ مخلوق یا انسان کا تخلیقی سلسلہ تجلی سے قائم ہے۔ نزولی حرکت سے کوئی چیز مظہر منتج ہے۔ فارمولا یہ بنا کہ جب ہم اندر سانس لیتے ہیں تو مادیت، روشنی اور نور سے گزر کر تجلی میں داخل ہو جاتے ہیں اور جب ہم سانس باہر نکالتے ہیں تو تجلی، نور اور روشنی سے گزر کر مادیت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر اس بات کی مشق کر لی جائے کہ سانس کی گہرائی بڑے وقفوں پر محیط ہو جائے تو انسان کے اندر وہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں جن صلاحیتوں سے انسان روشنی، نور اور تجلی کو دیکھتا ہے۔

تصرف کا طریقہ یہ ہے کہ روحانی انسان سانس کی گہرائی کے عمل سے اس شے کا رشتہ جو آنا فاناً ظہور

میں آتی ہے تجلی کے ساتھ کر دیتا ہے۔ جب تجلی سے وہ چیز یا روحانی انسان کا ارادہ نزول کر کے مادی خول میں داخل ہوتا ہے تو چیز وجود میں آجاتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کو بخار ہے، بخار اتارنے کا مادی طریقہ یہ ہے کہ اس کو ایسی دوائیں دی جائیں جو خون کے اندر دور کر کے جسمانی مشین میں ہیٹنگ سسٹم (Heating System) متوازن کر دے لیکن اگر کوئی روحانی انسان جو سانس کی گہرائی کے قانون سے واقف ہے وہ اپنے ارادے سے بخار کو جسم پر سے اتر جانے کا حکم دیتا ہے تو یہ حکم صعودی حرکت کر کے تجلی بن جاتا ہے اور تجلی سے نزول کر کے مادی خول میں داخل ہو جاتا ہے۔ جیسے ہی یہ حکم مادی خول میں داخل ہوتا ہے بخار اتر جاتا ہے۔ روحانی انسان کے حکم کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کو سیکنڈ یا منٹ کے وقفوں سے نہیں ناپا جا سکتا، یہ عمل آناً فاناً ہوتا ہے۔

روحانی علوم میں یہ بتایا جاتا ہے کہ زمین کے اوپر موجود پہاڑ بھی سانس لیتے ہیں۔ پہاڑ کے سانس لینے کی رفتار یعنی سانس اندر جانے اور سانس باہر آنے کی عام رفتار پندرہ منٹ ہے۔ مثلاً اگر ایک انسان ایک منٹ میں تقریباً اٹھارہ مرتبہ سانس لیتا ہے۔ یعنی اگر انسان پندرہ منٹ میں دو سو ستر (۲۷۰) مرتبہ سانس لیتا ہے تو پہاڑ پندرہ منٹ میں ایک مرتبہ سانس لیتا ہے۔ سانس لینے سے مراد سانس کا گہرائی میں جانا ہی نہیں بلکہ سانس کا گہرائی میں جانا اور باہر آنا دونوں شامل ہیں۔ کوئی انسان اگر سانس کی مشقوں کے ذریعے سانس کو گہرائی میں پندرہ منٹ تک روکنے اور پندرہ منٹ تک باہر نکالنے پر کنٹرول حاصل کر لے تو پہاڑ پر تصرف کر کے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔

دنیاوی زمین کی طرح عالم آسمان میں بھی مخلوق اور زمینیں موجود ہیں۔ عالم آسمان میں موجودات کی سانس کی رفتار زمین میں موجود مخلوق کی سانس کی رفتار سے مختلف ہے۔ اگر کوئی انسان آسمان میں موجود مخلوق کی سانس کی رفتار سے واقف ہو کر اس پر عبور حاصل کر لے تو وہ آسمانی مخلوق پر بھی تصرف کر سکتا ہے۔

۶۔ ماورائی علاج

یہ طریقہ علاج براہ راست قوانین قدرت سے منسلک ہونے کے باعث فوری اور یقینی نتائج کا حامل ہے۔ اس طریقہ علاج کے تحت تجویز کردہ چند مسائل کے حل درج ذیل ہیں۔

مسئلہ

میں خدا اور رسول ﷺ کو حاضر ناظر جان کر سچ لکھ رہی ہوں۔ میرا شوہر مجھے ہر طرح سے دکھ دیتا

ہے، منہ سے بولنے بھی نہیں دیتا۔ اچھی بات پر بھی گالیاں بکتا ہے۔

کسی سے آنکھ اونچی کر کے بات نہیں کرنے دیتا۔ اولاد سے بھی ایسے سلوک کرتا ہے جیسے سوتیلے بچے ہوتے ہیں۔ اڑوس پڑوس میں بھی کسی سے تعلقات نہیں رکھنے دیتا، ماں کے گھر کا دروازہ بھی میرے لئے کھلنے نہیں دیتا۔ میری کسی معاملے میں طرف داری کے لئے کونگا بنا رہتا ہے۔ آٹھ سال سے اسی طرح گاڑی چل رہی ہے بچے اور میں عاجز آچکی ہوں۔ خدا کے لئے کوئی ایسا عمل یا علاج بتلائیں کہ یہ شخص بدل جائے۔ مجھے قید میں سمجھ کر آزادی دلائیں۔

حل

آپ اپنے شوہر کا ۱۲x۱۰ انچ کا ایک فوٹو بنوالیں اور اسے فریم کروالیں۔ اس فوٹو کو الٹا کسی ایسی جگہ رکھیں جہاں محفوظ رہے۔ الٹا سے مراد یہ ہے کہ سر نیچے اور دھڑ اوپر ہو۔ آپ کے شوہر یا کوئی اور تصویر کو دیکھا کر دیں تو کوئی حرج نہیں آپ پھر الٹا دیں۔ جب تک آپ کے شوہر کا رویہ آپ سے درست نہ ہو جائے فوٹو اسی طرح رکھیں اور پانی، چائے اور کھانے پر ایک بار ''یا ودود'' پڑھ کر دم کر دیں۔

نوٹ: خصوصی اجازت کے بغیر کوئی صاحب یا صاحبہ یہ عمل نہ کریں۔

مسئلہ

احمد رضا، حیدر آباد۔ گوہر رحمان، لانڈھی۔ الطاف حسین، کراچی۔ محمد اسلام، سیالکوٹ۔ عبدالرحیم شاہین، جھنگ۔ صوفیہ نازش، لاہور۔ ریاض علی عابد، ڈیرہ دبئی۔

حل

آپ سب حضرات و خواتین صبح سویرے بہت سویرے سورج نکلنے سے پہلے اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہونے اور فرائض کی ادائیگی کے بعد شمال رخ منہ کر کے بیٹھ جائیں۔

گردن ہلکی سی سیدھی طرف جھکالیں اور دائیں بائیں آنکھ سے ناف کے مقام پر ارتکاز کریں۔ کوشش کریں کہ پلک نہ جھپکے۔ جب ارتکاز قائم ہو جاتا ہے، ناف کے مقام پر زرد رنگ روشنیاں دائروں میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ان روشنیوں کے پس پردہ آپ کا لاشعور چھپا ہوا ہے اور ہر وہ کام جو شعور میں آنے کے بعد مظہر بنتا ہے پہلے لاشعور میں موجود ہوتا ہے۔ جب توجہ زرد شعاعوں میں جذب ہو جائے تو دل میں اس کام کی تکمیل کا فیصلہ کریں۔ اپنی ساری روحانی قوت سے یہ کہیں کہ یہ کام ہو گیا ہے۔ صرف ایک بار کے اس فیصلہ سے مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

نوٹ: خصوصی اجازت کے بغیر کوئی صاحب یا صاحبہ یہ عمل نہ کریں۔

مسئلہ

خدیجہ بشیر، راولپنڈی۔اطہر حسین صدیقی، اورنگی ٹاؤن۔حمیرا انجم، سکھر۔شہلا بانو، ایبٹ آباد۔ ثمینہ یاسمین، کراچی۔مشکور احمد غوری، ملیر کالونی۔

حل

آپ سب کو میری طرف سے جنت کی حوروں سے ملاقات کا عمل کرنے کی اجازت ہے۔اللہ تعالیٰ کامیابی عطا کرے۔آمین

اس عمل کا طریقہ یہ ہے کہ صبح بہت سویرے بیدار ہو کر وضو کیجئے اور شمال رخ منہ کر کے بیٹھ جائیں۔ آنکھیں بند کر کے تصور کیجئے کہ آپ جنت میں ہیں۔چند ہفتوں میں انشاءاللہ تصور قائم ہو جائے گا۔جب جنت کا تصور قائم ہو جائے تو آپ یہ دیکھئے کہ حوروں کے ساتھ بیٹھی ہیں۔جب حوروں کے خدوخال اور جسمانی ساخت سے آپ مانوس ہو جائیں تو حوروں سے معلوم کیجئے کہ ان کی خوبصورتی کا راز کیا ہے۔

خوبصورتی کا یہ راز معلوم ہو جانے پر وہ عورت جو اس راز سے واقف ہو جاتی ہے لاکھوں کروڑوں عورتوں پر بھاری ہوتی ہے۔اس کے اندر کشش اور جاذبیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اچھے اچھے مردوں کے حواس جواب دے جاتے ہیں۔مرد حضرات جنت میں غلمان کا تصور کریں۔

نوٹ: خصوصی اجازت کے بغیر کوئی صاحب یا صاحبہ یہ عمل نہ کریں۔

۷۔   دستخط کے ذریعے علاج

اس طریقہ کار کے مطابق سائل ایک سوالنامہ میں اپنا پورا نام، والدہ کا نام، عمر، وزن، آنکھوں کا رنگ، چہرہ کی ساخت، پسندیدہ مشغلہ، اندھیرے میں ڈر تو نہیں لگتا کے جوابات تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ مسئلہ کی نوعیت مع اپنے دستخط کے ارسال کرتا تھا۔ان تمام معلومات کا تجزیہ کرنے کے بعد عظیمی صاحب نے علم تحریر شناسی کے تحت مسئلہ کا حل تجویز فرمایا ہے۔

۸۔ دھویں سے علاج

انسانی دماغ میں دو کھرب خلئے ہوتے ہیں۔ کسی نارمل آدمی کے اندر دو خلئے کام کرتے ہیں۔ دو سو خلیوں سے زیادہ اگر چند خلئے کھل جائیں تو ایسا آدمی Genius کہلاتا ہے لیکن اگر یہ اور زیادہ کھل جائیں تو شعور پر ضرب پڑتی ہے اور حواس میں تعطل واقع ہونے لگتا ہے۔ خلیوں کی شکست و ریخت، کھلنے اور بند ہونے میں جہاں ماحول اور فضا کا اثر مرتب ہوتا ہے، وہاں غذائیں بھی اثر ڈالتی ہیں۔ خون کے اندر اگر سوڈیم کلورائیڈ کی مقدار اعتدال سے بڑھ جائے تو خلیوں کا عمل تیز ہو جاتا ہے۔ انسان کے اندر دو حواس کام کرتے ہیں۔

ایک شعوری حواس، دوسرے لاشعوری حواس۔ اول الذکر حواس بہت ناقص اور کمزور ہوتے ہیں اس کے برعکس لاشعوری حواس میں آدمی ٹائم اسپیس سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چونکہ ہم لاشعوری حواس سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے جب یہ متحرک ہوتے ہیں تو ہمارا شعور غیر متوازی ہو جاتا ہے اور شعور سے ایسی حرکتیں سرزد ہونے لگتی ہیں جو عام زندگی میں پاگل پن کہلاتی ہیں۔

حواس کو متوازن کرنے کے لئے دنبہ یا بھیڑ کی اون لے کر، دنبہ یا بھیڑ کو ذبح کر کے اون کو خون میں بھگو لیں۔ طریقہ یہ ہوگا کہ جس وقت بھیڑ یا دنبہ کو ذبح کرنے کے لئے زمین پر لٹایا جائے اس کی گردن کے نیچے اون رکھ لیا جائے تا کہ ذبح ہونے کے بعد پورا خون اون میں جذب ہو جائے۔ اس خون آلود اون کو سائے میں خشک کر کے رکھ لیں۔ روزانہ دن میں دو مرتبہ تھوڑی سی اون لے کر کوئلوں پر جلائیں۔ جس جگہ اور جس وقت یہ اون جلائی جائے اس وقت وہاں مریض کا رہنا ضروری ہے۔ اس دھوئیں سے سوڈیم کلورائیڈ کی زائد مقدار خون کے اندر سے کم ہو جاتی ہے اور چند ہفتوں میں انشاء اللہ دماغی صحت بحال ہو جاتی ہے۔

ڈاک کے ذریعے مسائل کا حل

خدمت خلق کی معمولات کی طرزوں میں ایک ڈاک بھی ہے۔ مرکزی مراقبہ ہال میں تقریباً ہر ماہ مسائل کے حل کے لئے نو ہزار خطوط موصول ہوتے ہیں۔ بعض اوقات باوجود کوشش کے بھی خط کے جواب میں تاخیر ہو جاتی ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عظیمی صاحب نے کسی خط کو جواب دیئے بغیر تلف کر دیا ہو۔ یہاں محترم سید مشتاق احمد صاحب کے تذکرے کے بغیر ڈاک کی تفصیلات ادھوری رہیں گی۔

آپ ۳۵ سال تک محکمہ ڈاک سے منسلک رہنے کے بعد بحیثیت اپر ڈویژن کلرک ریٹائر ہوئے۔

۱۹۷۱ء میں آپ نے روزنامہ جسارت میں عظیمی صاحب کا مسائل کے حل کا کالم پڑھا اور بہت متاثر ہوئے۔ ان دنوں یہ کالم اخبار میں روز شامل اشاعت ہوتا تھا۔ کالم کے کچھ روز مسلسل مطالعے سے آپ نے اندازہ لگایا کہ عظیمی صاحب کو مسائل کی مد میں موصول ہونے والے خطوط کی تعداد بہت زیادہ ہے اور انہیں ان خطوط کے جوابات تحریر کرنے کیلئے معاونت درکار ہوگی۔ اسی سوچ کے تحت ایک روز دفتر سے فارغ ہونے کے بعد آپ I-D-1/7 پہنچ گئے اور عظیمی صاحب سے ملاقات کے دوران اپنی معاونت کی پیش کش فرمائی۔ عظیمی صاحب آپ کی اس پیش کش سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا، کل میں اپنے مرشد کریم کے پاس گیا تھا اور میں نے ان سے عرض کی کہ میرے پاس کام بہت ہے۔ مرشد کریم نے جواب میں فرمایا، کل تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا۔ تم اس کی مدد حاصل کر لینا۔ شام کو عظیمی صاحب انہیں حضور قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں لے گئے اور ساری روئداد آپ کی خدمت میں عرض کی اور فرمایا، حضور! کیا یہی وہ صاحب ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، ہاں! یہی وہ صاحب ہیں اور اس کے بعد حضور قلندر بابا اولیاء نے محترم سید مشتاق احمد صاحب پر دم فرمایا۔

محترم سید مشتاق احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس دم کے بعد میں نے اپنے اندر سمجھ بوجھ اور دور اندیشی کی واضح تبدیلی کو محسوس کیا اور اس طرح آپ نے باقاعدہ خطوط کے جوابات کے سلسلہ میں معاونت کا آغاز کیا۔ جس کا طریقہ کار کچھ اس طرح سے تھا کہ آپ تمام خطوط کو کھول کر رکھ دیا کرتے جن پر عظیمی صاحب مختصراً جوابات تحریر فرماتے اور اس کے بعد آپ تحریر کردہ جوابات کو مکمل جزئیات کے ساتھ دوبارہ تحریر کرتے۔ آپ تقریباً گیارہ سال شعبہ ڈاک سے منسلک رہے ہیں۔

عظیمی پبلک ہسپتال کا قیام

۱۹۹۲ء میں عظیمی پبلک ہسپتال کے نقشہ کی تیاری کے دوران عظیمی صاحب نے فرمایا، میری آٹھ سال کی عمر میں مانگی ہوئی دعا نے ٦٦ سال کی عمر میں عملی شکل اختیار کی ہے۔ جب میں آٹھ سال کا تھا تو میرے ہاتھ کی انگلی زخمی ہوگئی۔ آبائی شہر سہارن پور میں ایک مشنری ہسپتال میں پٹی کروانے جاتا تھا، ڈاکٹر سے ملاقات کے لئے پرچی کی فیس ایک پیسہ تھی۔ ایک دن میرے پاس پیسے نہیں تھے لہٰذا اس دن میں پٹی کروانے نہیں گیا۔ دوسرے دن گیا تو ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹر نے پوچھا کہ کل پٹی کروانے کیوں نہیں آئے تو میں نے جواب دیا کہ میرے پاس پیسے نہیں تھے۔ وہ ڈاکٹر صاحب بڑی شفقت اور پیار سے پیش آئے اور کہا کہ یہ کیا بات ہوئی، بیٹا ہر روز آیا کرو اور پٹی کروایا کرو اور اس دن کی فیس بھی نہ لی۔ میں ان کے حسن سلوک سے بہت متاثر ہوا اور

میرے دل میں خدمت خلق کے لئے فری ادارہ قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی اور اللہ کے حضور دعا کی جو آج عملی شکل میں پوری ہو رہی ہے۔

عظیمی دواخانہ کا قیام

آپ نے جب خدمت خلق کا باقاعدہ آغاز فرمایا تو پریشان حال لوگوں سے ملاقات کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ بیماریوں کے جسم میں نشوونما پانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مختلف طریقہ ہائے علاج سے ان امراض کو جسم سے خارج کرنے کے بجائے جسم کے اندر ہی خشک کر دیا جاتا ہے۔ دعا اور دوا کے اصول پر روحانی علاج کے ساتھ ساتھ یونانی علاج معالجہ کے لئے ۱۹۶۷ء میں عظیمی دواخانہ کی داغ بیل ڈالی گئی اور ۱۹۷۳ء میں شعبۂ دواسازی کا آغاز کیا گیا۔

مساجد کا قیام

مساجد اپنے مذہب کے پرچار کے لئے اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مساجد میں قرآن پاک کی تعلیم کے لئے جمع ہونا، خطبات پڑھنا، قرآن خوانی کرنا، شب بیداری اور محفل میلاد کا انعقاد، نیاز اور دعوت افطار کا انتظام کرنا، یہ سارے افعال ایسے ہیں جن سے انسان کو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کے لئے جامع مسجد کی جگہ کی بشارت کے بعد ۱۹۹۰ء میں عظیمیہ جامع مسجد، سرجانی ٹاؤن کی تعمیر ایک جھونپڑا بنا کر شروع کی گئی جس میں پہلی اذان عظیمی صاحب نے دی۔ بہت سے اہل باطن افراد نے دیکھا کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس جگہ مسجد تعمیر فرما رہے ہیں اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں دعا مانگی جا رہی ہے۔

عظیمیہ جامع مسجد کی محرابیں اپنی نوعیت کا واحد نمونہ ہیں جس میں اسم اللہ محیط ہے اور بغور دیکھنے سے سمجھ میں آتا ہے۔ کھڑکیوں کی شکل میں بھی یہی تمثیل پیش نظر رکھی گئی ہے۔ مسجد کا اندرونی ماحول سادہ ہے، روشنی کا انتظام اس طرح کیا گیا ہے کہ کوئی روشنی براہ راست توجہ کو متاثر نہ کرے۔ مسجد کے فرش کے آرائش کے لئے سنگ بادل کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ فرش دیکھنے سے آسمانوں میں کہکشاؤں کا تصور ابھرے۔ مرکزی

مراقبہ ہال کے علاوہ مراقبہ ہال گلشن شہباز، حیدرآباد، مراقبہ ہال کاہنہ نو۔ لاہور اور مراقبہ ہال ٹنڈوالہ یار میں بھی مساجد قائم کی گئی ہیں۔

o حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے لئے عظیمیہ جامع مسجد۔ کراچی میں مدرسہ بحرالنور قائم ہے۔

فون سروس کا آغاز

بالمشافہ ملاقات اور خطوط کے ذریعے مسائل کے حل کی فراہمی کے باوجود معاشرے میں پریشان حال افراد کی ایک کثیر تعداد موجود ہے جن کے مسائل فوری حل کے متقاضی ہیں۔ لہٰذا ستمبر ۱۹۹۴ء میں خدمت خلق کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے روحانی فون سروس کا آغاز کیا گیا۔

اس سروس کے تحت خواتین و حضرات مسائل کے حل، عظیمی صاحب کے کالمز میں شائع شدہ جوابات کے بارے میں وضاحت و تفہیم کے ساتھ ساتھ محفل مراقبہ میں دعا کے لئے نام کا اندراج بھی کروا سکتے ہیں۔ اس وقت تقریباً تمام ملک اور بیرون ملک قائم مراقبہ ہالز میں روحانی فون سروس مصروف عمل ہے۔

اسپورٹس اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن کا قیام

سرجانی ٹاؤن کراچی شہر کی ایک نو آبادیاتی بستی ہے جس میں متوسط طبقے کی ایک کثیر تعداد آباد ہے۔ ۱۹۹۴ء میں سرجانی ٹاؤن۔ سیکٹر 4-D میں مسائل کے حل اور نوجوان حلقے میں تعمیری رجحانات کے فروغ کے لئے اسپورٹس اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن (S.W.A.S) کی بنیاد رکھی گئی۔ ایسوسی ایشن کے تحت مہیا کی جانے والی خدمات کی فہرست یہ ہے۔

o ۱۹۹۴ء میں ماہر ڈاکٹروں کے زیر نگرانی فری میڈیکل ڈسپنسری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس سے علاقے کی ایک کثیر تعداد استفادہ حاصل کر رہی ہے۔ جبکہ ڈسپنسری کے زیر انتظام سرجانی ٹاؤن کے علاوہ شہر کے دیگر علاقوں میں متعدد بار فری میڈیکل کیمپس کا انعقاد کیا جا چکا ہے۔

o ایسوسی ایشن کے زیر انتظام شجر کاری مہم علاقے کی خوبصورتی اور آب و ہوا میں خوشگوار تبدیلی کا باعث بنی ہے۔

o نماز عیدین جہاں بلاشک و شبہ اسلاف پر چلنے کے لئے تجدید عہد کا دن ہیں وہاں ہمیں اپنے نادار اور غریب بہن بھائیوں کی دستگیری کا بھی حکم دیتی ہیں۔

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ (القرآن)

اسی ہدایت خداوندی کی تکمیل کے لئے گزشتہ ایک دہائی سے ایسوسی ایشن نماز عیدین کے انتظامات کے لئے اپنی خدمات پیش کر رہی ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کاوش ۱۴ مارچ ۱۹۹۴ء کو نماز عید الفطر کے اجتماع کے لئے کی گئی تھی۔

شعبہ تعلیم وتربیت

ٹیلی پیتھی

ٹیلی پیتھی میں ایسے علوم سے بحث کی جاتی ہے جو حواس کے پس پردہ شعور سے چھپ کر کام کرتے ہیں۔ یہ علم ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ہمارے حواس کی گرفت محض مفروضہ ہے۔ سائنس کے نقطۂ نظر اور مخفی علوم کی روشنی میں ہر شئے دراصل شاعوں یا لہروں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جب ہم کسی لکڑی یا لوہے کی طرف کسی بھی طریقہ سے متوجہ ہوتے ہیں تو لکڑی یا لوہے کی شعاعیں ہمارے دماغ کو باخبر کر دیتی ہیں۔ باخبری کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ لکڑی یا لوہے کی سختی کو چھو کر محسوس کیا جائے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ شعاع یا لہر اپنے اندر سختی رکھتی ہے اور نہ وزن۔ پھر ہمیں یہ علم کیسے ہو جاتا ہے کہ فلاں چیز سخت ہے یا فلاں چیز نرم ہے۔ ہم پانی کو دیکھتے ہیں یا چھوتے ہیں تو فوراً ہمارے دماغ میں یہ بات آ جاتی ہے کہ یہ پانی ہے حالانکہ ہمارے دماغ میں پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی دماغ بھیگتا نہیں ہے۔ جب ہمارا دماغ بھیگا نہیں ہے تو ہم یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ پانی ہے۔

حقائق یہ ہیں کہ ہر شئے الگ اور معین مقدار کے ساتھ وجود پذیر ہے۔ لہروں یا شعاعوں کی معین مقداریں ہی ہر شئے کو ایک دوسرے سے الگ کرتی ہیں اور ہر شئے کی یہ لہریں یا شعاعیں ہمیں اپنے وجود کی اطلاع فراہم کرتی ہیں۔ کہنا یہ ہے کہ ہر موجودہ شئے دراصل لہروں یا شعاعوں کا دوسرا نام ہے اور ہر شئے کی لہر یا شعاع ایک دوسرے سے الگ یا مختلف ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ انسان حیوانات اور جمادات میں کس کس قسم کی لہریں کام کرتی ہیں اور ان لہروں پر کس طرح کنٹرول حاصل کیا جاتا ہے تو ہم ان چیزوں کو متاثر کر سکتے ہیں۔

لہر یا شعاع دراصل ایک جاری و ساری حرکت ہے اور ہر شئے کے اندر لہروں یا شعاعوں کی حرکت کا ایک فارمولا ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ باہر نہیں دیکھتے۔ کائنات کا ہر مظہر ہمارے اندر موجود ہے ہم سمجھتے یہ ہیں کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہیں وہ ہمارے سامنے موجود ہے حالانکہ خارج میں کسی شئے کا وجود محض مفروضہ ہے۔ ہر شئے ہمارے Inner میں قیام پذیر ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم کسی چیز کا مشاہدہ اپنے اندر کرتے ہیں اور یہ سب کا سب ہمارا علم ہے۔ اگر فی الواقع کسی شئے کا علم حاصل نہ ہو تو ہم اس چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔

آدمی دراصل نگاہ ہے۔ نگاہ یا بصارت جب کسی شئے پر مرکوز ہو جاتی ہے تو اس شئے کو اپنے اندر جذب کر کے دماغ کی اسکرین پر لے آتی ہے اور دماغ اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور اس میں معنی پہناتا ہے۔ نظر کا قانون یہ ہے کہ جب وہ کسی شئے کو اپنی ہدف بناتی ہے تو دماغ کی اسکرین پر اس شئے کا عکس پندرہ سیکنڈ تک قائم رہتا ہے اور پلک جھپکنے کے عمل سے یہ آہستہ آہستہ مدھم ہو کر حافظہ میں چلا جاتا ہے اور دوسرا عکس دماغ کی اسکرین پر آجاتا ہے۔ اگر نگاہ کو کسی ہدف پر پندرہ سیکنڈ سے زیادہ مرکوز کر دیا جائے تو ایک ہی ہدف بار بار دماغ کی اسکرین پر وارد ہوتا ہے اور حافظہ پر نقش ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً ہم کسی چیز کو پلک جھپکائے بغیر مسلسل ایک گھنٹہ تک دیکھتے ہیں تو اس عمل سے نگاہ قائم ہونے کا وصف دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے اور دماغ میں یہ پیوستگی ذہنی انتشار کو ختم کر دیتی ہے۔ ہوتے ہوتے اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ شئے کی حرکت صاحب مشق کے اختیار اور تصرف میں آجاتی ہے۔ اب وہ شئے کو جس طرح چاہے حرکت دے سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نگاہ کی مرکزیت کسی آدمی کے اندر قوت ارادی کو جنم دیتی ہے اور قوت ارادی سے انسان جس طرح چاہے کام لے سکتا ہے۔

ٹیلی پیتھی کا اصل اصول بھی یہی ہے کہ انسان کسی ایک نقطہ پر نگاہ کو مرکوز کرنے پر قادر ہو جائے۔ نگاہ کی مرکزیت حاصل کرنے میں کوئی نہ کوئی ارادہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جیسے جیسے نگاہ کی مرکزیت پر عبور حاصل ہوتا ہے اسی مناسبت سے ارادہ مستحکم اور طاقت ور ہو جاتا ہے۔ ٹیلی پیتھی جاننے والا کوئی شخص جب یہ ارادہ کرتا ہے کہ اپنے خیال کو دوسرے آدمی کے دماغ کی اسکرین پر منعکس کر دے تو اس شخص کے دماغ میں یہ ارادہ منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اس ارادہ کو خیال کی طرح محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ شخص ذہنی طور پر یکسو ہے تو یہ خیال تصور اور احساسات کے مراحل سے گزر کر مظہر بن جاتا ہے۔

اگر اسی ارادہ کو بار بار منتقل کیا جائے تو دماغ اگر یکسو نہ بھی ہو تو یکسو ہو کر اس خیال کو قبول کر لیتا ہے اور ارتکاز توجہ سے خیال عملی جامہ پہن کر منظر عام پر آجاتا ہے۔ انسان کے اندر یہ خواہش فطری ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ خیالات کیوں آتے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں اور خیالات کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل کر کس طرح زندگی بنتے ہیں۔

کہکشانی نظاموں اور ہمارے درمیان بڑا مستحکم رشتہ ہے۔ پے در پے جو خیالات ہمارے ذہن میں آتے ہیں وہ دوسرے نظاموں اور ان کی آبادیوں سے ہمیں وصول ہوتے رہتے ہیں۔ یہ خیالات روشنی کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں۔ روشنی کی چھوٹی بڑی شعاعیں خیالات کے بے شمار تصویر خانے لے کر آتی ہیں۔ ان ہی تصویر خانوں کو ہم اپنی زبان میں توہم، تخیل، تصور اور فکر کا نام دیتے ہیں۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ ہماری اپنی

اختراعات ہیں لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ تمام مخلوق کے سوچنے کی طرزیں ایک نقطۂ مشترک رکھتی ہیں۔ وہی نقطۂ مشترک تصویر خانوں کو جمع کر کے ان کا علم دیتا ہے۔

یہ علم نوع اور فرد کے شعور پر منحصر ہے۔ شعور جو اسلوب اپنی انا کی اقدار کے مطابق قائم کرتا ہے تصویر خانے اسی اسلوب کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تین نوعوں کے طرز عمل میں زیادہ اشتراک ہے۔ ان ہی کا تذکرہ قرآن پاک میں انسان، فرشتہ اور جنات کے نام سے کیا گیا ہے۔ یہ نوعیں کائنات کے اندر سارے کہکشانی نظاموں میں پائی جاتی ہیں۔ قدرت نے کچھ ایسا نظام قائم کیا ہے جس میں یہ تین نوعیں تخلیق کا رُبن گئی ہیں۔ ان ہی کے ذہن سے تخلیق کی لہریں خارج ہو کر کائنات میں منتشر ہوتی ہیں اور جب یہ لہریں مسافت طے کر کے معین نقطہ پر پہنچتی ہیں تو کائناتی مظاہر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

کائنات زمانی اور مکانی فاصلوں کا نام ہے۔ یہ فاصلے انا کی چھوٹی بڑی مخلوط لہروں سے بنتے ہیں۔ ان لہروں کا چھوٹا بڑا ہونا ہی تغیر کہلاتا ہے۔ یہ قانون بہت زیادہ فکر سے ذہن نشین کرنا چاہئے کہ جس قدر خیالات ہمارے ذہن میں دور کرتے رہتے ہیں ان کا تعلق قرب اور دور کی ایسی اطلاعات سے ہوتا ہے جو کائنات میں کہیں نہ کہیں موجود ہیں۔ یہ اطلاعات لہروں کے ذریعہ ہم تک پہنچتی ہیں۔ سائنس داں روشنی کو زیادہ سے زیادہ تیز رفتار قرار دیتے ہیں لیکن وہ اتنی تیز رفتار نہیں ہے کہ زمانی اور مکانی فاصلوں کو منقطع کر دے البتہ انا کی لہریں لامتناہیت میں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی اور مکانی فاصلے ان کی گرفت میں رہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان لہروں کے لئے زمانی اور مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں انا کی لہریں ان ہی فاصلوں کو بجائے خود موجود نہیں جانتیں۔ اس بات کی تصدیق قرآن حکیم میں حضرت سلیمان کے سلسلہ میں بیان کردہ واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ملکہ سبا حاضر خدمت ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ ملکہ سبا کے یہاں پہنچنے سے پہلے اس کا تخت اس شاہی دربار میں موجود ہو۔ ایک دیو پیکر جن نے عرض کیا، آپ کا دربار برخاست کرنے سے پہلے ہی میں تخت لا سکتا ہوں۔ جن کا یہ دعویٰ سن کر ایک انسان جس کے پاس کتاب کا علم تھا یہ عرض کیا، اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھکے میں یہ تخت آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔ حضرت سلیمان نے رخ پھیر کر دیکھا تو دربار میں ملکہ سبا کا تخت موجود تھا۔

ٹائم اسپیس کی حد بندیوں میں جکڑے ہوئے شعور کے لئے یہ امر قابل غور ہے کہ سینکڑوں میل کی

مسافت طے کر کے ملکہ سبا کا تخت شاہی خیال کی رفتار سے، پلک جھپکتے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچ گیا یعنی بندہ کے خیال کی لہریں تخت کے اندر کام کرنے والی لہروں میں جذب ہو کر تخت کو منتقل کرنے کا ذریعہ بن گئیں۔

ہمارے اردگرد بہت سی آوازیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ آوازیں بھی لہروں کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے قطر بہت چھوٹے اور بہت بڑے ہوتے ہیں۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں اور ایک ہزار چھ سو قطر سے زیادہ اونچی آوازیں بھی آدمی نہیں سن سکتا۔ چار سو قطر سے نیچے کی آوازیں اور ایک ہزار چھ سو قطر سے اوپر کی آوازیں بھی بجز برقی رو کے سننا ممکن نہیں۔

انسانوں کے درمیان ابتدائے آفرینش سے بات کرنے کا طریقہ رائج ہے۔ آواز کی لہریں جن کے معنی معین کر لئے جاتے ہیں سننے والوں کو مطلع کرتی ہیں۔ یہ طریقہ اس ہی تبادلۂ خیال کی نقل ہے جو انا کی لہروں کے درمیان ہوتا ہے۔ جیسے گونگا آدمی اپنے ہونٹوں کی خفیف سی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔

یہ طریقہ بھی پہلے طریقہ کا عکس ہے۔ جانور آواز کے بغیر ایک دوسرے کو اپنے حال سے مطلع کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی انا کی لہریں خیالات کی منتقلی کا کام کرتی ہیں۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو صرف آمنے سامنے کے درختوں میں ہی نہیں ہوتی بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہی قانون جمادات میں بھی رائج ہے۔ کنکروں، پتھروں، مٹی کے ذروں میں من وعن اسی طرح تبادلہ خیال ہوتا ہے۔

روحانی طاقت رکھنے والے انسانوں کے کتنے ہی واقعات اس کے شاہد ہیں۔ ساری کائنات میں ایک ہی لاشعور کارفرما ہے۔ اس کے ذریعہ غیب وشہود کی ہر لہر دوسری لہر کے معنی سمجھتی ہے چاہے یہ دونوں لہریں کائنات کے دو کناروں پر واقع ہوں۔ غیب وشہود کی فراست اور معنویت کائنات کی رگ جاں میں جو خود ہماری اپنی رگ جاں بھی ہے تفکر اور توجہ کر کے ہم اپنے سیارے اور دوسرے سیارے کے آثار و احوال کا مشاہدہ کر سکتے ہیں ورانسانوں، حیوانوں، جنات اور فرشتوں کی حرکات وسکنات، نباتات اور جمادات کی اندرونی تحریکات بھی معلوم کر سکتے ہیں۔

مسلسل مشق اور ارتکاز توجہ سے ذہن کائناتی لاشعور میں تحلیل ہو جاتا ہے اور ہمارے سراپا کا معین پرت، انا کی گرفت سے آزاد ہو کر ضرورت کے مطابق ہر چیز دیکھتا، سمجھتا اور شعور میں محفوظ کر دیتا ہے۔

یہی روحانیت ہے اور یہی ٹیلی پیتھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ روحانیت اپنے اندر بہت وسعت

رکھتی ہے جب کہ ٹیلی پیتھی صرف خیالات کے تبادلے کا نام ہے۔انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے جوالفاظ کی لہروں کے ذریعہ اپنے خیالات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔

لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دوسرے حیوان جن کو حیوان غیر ناطق کہا جاتا ہے اپنے خیالات الفاظ کا سہارا لئے بغیر دوسروں تک منتقل کرتے ہیں اور دوسرے حیوان ان خیالات کو قبول کرتے اور سمجھتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ الفاظ کا سہارا لئے بغیر بھی خیالات اپنے پورے معنی اور مفہوم کے ساتھ ردوبدل ہوتے رہتے ہیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے چیونٹی اور حضرت سلیمان کی گفتگو کا تذکرہ کیا ہے وہ بہت زیادہ غور طلب ہے۔چیونٹی نے حضرت سلیمان سے باتیں کیں اور حضرت سلیمان نے اس کی گفتگو کو سمجھا۔ظاہر ہے کہ چیونٹی نے الفاظ میں گفتگو نہیں کی بلکہ اس کے خیالات کی لہریں حضرت سلیمان کے ذہن نے قبول کیں اوران کو سمجھا۔ اس واقعہ میں یہ حکمت ہے کہ خیالات،احساسات،جذبات الفاظ کے بغیر بھی سنے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔

ٹیلی پیتھی الفاظ کے تانے بانے سے مبرا ہو کر خیالت منتقل کرنے کا ایک علم ہے۔ہم اگر کسی ایک فرد کو اپنے خیالات کا ہدف بنالیں تو وہ ایک فرد ہمارے خیالات کی لہروں سے متاثر ہو کر وہی کچھ کرنے پر مجبور ہے جو ہم چاہتے ہیں۔اوراگر ہم کائنات کے نقطۂ مشترک سے باخبری حاصل کرلیں اور اپنے خیالات اس نقطۂ مشترک میں منتقل کردیں تو کائنات ہمارا خیال قبول کرنے پر مجبور ہے۔

اور ہم نے تمہارے لئے مسخر کردیا ہے جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے۔القرآن

بات صرف اتنی ہے کہ ہم اس قانون سے واقف ہو جائیں کہ کائنات کی تمام مخلوق کے افراد خیالات کی لہروں کے ذریعے ایک دوسرے سے مسلسل اور پیہم ربط رکھتے ہیں اور ہر فرد کے خیالات لہروں کے ذریعہ آپس میں تبادلہ ہوتے رہتے ہیں۔ہم کیونکہ تبادلۂ خیالات کے اس قانون سے واقفیت نہیں رکھتے اس لئے خیال ہماری گرفت سے باہر رہتا ہے اور ہم زندگی کا زیادہ حصہ خیالات کی شکست وریخت میں گزاردیتے ہیں۔

حضورقلندر بابا اولیاءفرماتے ہیں کہ لوح محفوظ سے پھیلنے والا نورانسان کواطلاعات فراہم کرتا ہے تو وہ اپنی غرض اور مطلب برآری کے نقطۂ نظر سے کام لے کران اطلاعات ۹۹۹ فی ہزار تو رد کردیتا ہے۔ایک فی ہزار کو مسخ کر کے،توڑ مروڑ کے حافظہ میں رکھ لیتا ہے۔یہی مسخ شدہ اور بگڑے ہوئے خدوخال اس کے تجربات،مشاہدات،عادات اورحرکات کا سانچہ بن جاتے ہیں۔

یہ بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ فلاں آدمی کی قوت ارادی بہت زیادہ ہے۔ایسا آدمی عام

آدمیوں کی نسبت معاملات زندگی کو زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دیتا ہے۔قوت ارادی سے مراد یہ ہے کہ اس آدمی کے اندر خیالات کی شکست و ریخت بہت کم ہوتی ہے اور ذہن ایک نقطہ پر مرکوز رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے مدمقابل کسی شخص کو زیادہ آسانی کے ساتھ متاثر کرسکتا ہے۔جن لوگوں میں قوت ارادی کمزور ہوتی ہے وہ اپنی زندگی کا کوئی خاص نصب العین متعین کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

قوت ارادی کو بروئے کار لانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات سے وقوف حاصل کرلیں کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے۔کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال کے اوپر قائم ہے۔روحانیت میں خیال اس اطلاع کا نام ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ زندگی سے قریب کرتی ہے۔

پیدائش سے بڑھاپے تک زندگی کے سارے اعمال محض اطلاع کے دوش پر رواں دواں ہیں۔ان اطلاعات کو صحیح حالت میں وصول کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے۔انسان ہر طرز میں، ہر معاملہ میں کامل استغناء رکھتا ہو۔مسخ کرنے والی اس کی اپنی مصلحتیں ہوتی ہیں۔جہاں مصلحت نہیں ہے، وہاں استغناء ہے، غیر جانبداری ہے اور اللہ کا شعار ہے۔

اب جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہماری پوری زندگی خیال کے گرد گھومتی ہے اور یہ کہ کائنات اور ہمارے درمیان جو مخفی رشتہ ہے وہ بھی خیال پر قائم ہے تو اب ضرورت اس بات کی رہ جاتی ہے کہ دماغ میں خیالات کی اس شکست و ریخت کو کم سے کم کیا جائے اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ دماغ میں شک اور وسوسوں کو کم سے کم جگہ دی جائے۔یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ قوت ارادی میں کمزوری کی سب سے بڑی وجہ دماغ میں شک کی موجودگی ہے۔ذہن کو شک سے نجات دلانے کے لئے یہ معلوم ہونا بہت ضروری ہے کہ آخر شک ذہن انسانی میں کیوں کر جنم لیتا ہے۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وسوسوں اور شک کی بناء وہم اور یقین پر ہے اور اسی کو مذہب کی زبان میں شک اور ایمان کہا گیا ہے۔تمام مخفی علوم میں یقین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر ارادے اور ہر عمل کے ساتھ یقین کی روشنیاں بھی کام کرتی ہیں۔اگر یقین کی ان روشنیوں کو الگ کر دیا جائے تو ہر عمل اور ہر حرکت لایعنی ہو کر رہ جائے گی۔ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جب تک ارادہ میں یقین کی روشنیاں شامل نہ ہوں اس پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ماہرین روحانیت یقین کی تعریف اس طرح کرتے ہیں، یقین وہ عقیدہ ہے جس میں شک نہ ہو۔

ارادہ یا یقین کی کمزوری دراصل شک کی وجہ سے جنم لیتی ہے۔جب تک خیالات میں تذبذب رہے گا یقین میں کبھی بھی پختگی نہیں آئے گی۔مظاہر اپنے وجود کے لئے یقین کے پابند ہیں کیونکہ کوئی خیال یقین کی روشنیاں حاصل کر کے ہی مظہر بنتا ہے۔یقین جب کسی آدمی کے اندر جاگزیں ہوجاتا ہے تو اس کے ارادہ کے

تحت عمل واقع ہوتا ہے چاہے یہ ارادہ غلط باتوں کے لئے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ قانون روحانیت کی رو سے فی الواقع براہ راست دیکھنا ہی صحیح دیکھنا ہے اور بالواسطہ دیکھنا محض مفروضہ ہے۔

ٹیلی پیتھی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جدوجہد اور کوشش کر کے براہ راست دیکھنے کی طرز سے قریب ہو جائے۔ جن حدود میں وہ براہ راست طرز نظر سے وقوف حاصل کر لیتا ہے۔ اسی مناسبت سے وہ لہریں جو خیال منتقل ہیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ ٹیلی پیتھی چونکہ خیالات یا اطلاع کو جاننے کا علم ہے اس لئے یہ علم سیکھ کر کوئی آدمی خود بھی الجھنوں اور پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپریل ۱۹۷۹ء سے عظیمی صاحب کی زیر نگرانی بذریعہ خط و کتابت ٹیلی پیتھی سیکھنے کا آغاز کیا گیا۔

قلندر شعور اکیڈمی

سلسلہ عظیمیہ کے پلیٹ فارم سے روحانی علوم کی تعلیمات کے لئے مختلف پروگرام منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ ان میں مختصر معیاد کے تعلیمی و تربیتی پروگرام بھی شامل ہیں اور طویل المعیاد پروگرام بھی۔ روحانی علوم حاصل کرنے کے خواہش مندوں اور علمی ذہنوں کی تیاری کے لئے اپریل ۱۹۹۳ء میں قلندر شعور اکیڈمی سرجانی ٹاؤن کی بنیاد رکھی گئی۔ جس میں سلسلہ عظیمیہ کے امام حضور قلندر بابا اولیاء اور عظیمی صاحب کی کتابوں پر مشتمل ایک نصاب ترتیب دیا گیا۔

اکیڈمی میں اس نصاب کی تدریس کے لئے چار مختلف درجات تشکیل دیئے گئے ہیں جس میں ہر درجہ یا لیول تقریباً ۴۵ تدریسی گھنٹوں پر مشتمل ہے۔ چونکہ تدریسی کلاس ہفتہ میں ایک دن منعقد ہوتی ہے لہٰذا ایک لیول ایک سال میں مکمل ہوتا ہے۔ قلندر شعور اکیڈمی، کراچی کی طرز پر لاہور، گوجرانوالہ، حیدرآباد، راولپنڈی، متحدہ عرب امارات، برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا میں بھی باقاعدہ کلاسز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

عظیمی پبلک اسکول

اکثر ماہرین کا کہنا ہے کہ انسانی شخصیت کا تقریباً ۷۵ فیصد حصہ پہلے چھ سال میں مکمل ہو جاتا ہے۔ ہمارے بولنے کا انداز، زبان پر دسترس، لکھنے کا طریقہ، یہاں تک کہ رنگوں کو سمجھنے اور پسند، یہ سب پہلے چھ سال میں ہوتا ہے۔ تمام زندگی ہم ان نظریات کے تحت گزارتے ہیں جو پہلے چھ سال میں تخلیق ہوتے ہیں۔

سائنسی بنیادوں پر کام کرتے ہوئے اب یہ ممکن ہے کہ اگر صحیح طرز پر تعلیم دی جائے تو کسی بھی بچے کو تین گنا ذہین بنایا جاسکتا ہے۔ ان تمام حقائق کے باوجود معاشرے میں تعلیم کو وہ مقام حاصل نہیں جو ہماری پائیدار ترقی اور روشن مستقبل کی ضمانت دے سکے۔

دیگر اقوام کی نسبت پاکستان اس میدان میں تقریباً سب سے پیچھے ہے۔ ستمبر ۲۰۰۲ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان شرح خواندگی کے لحاظ سے دنیا کے دیگر ممالک میں ۱۳۰ ویں نمبر ہے۔ ۵۵ اسلامی ممالک میں یہ تعلیمی لحاظ سے ۴۴ ویں نمبر پر ہے۔ جبکہ دنیا کے گنجان آباد ممالک E-9 میں یہ آخری یعنی ۹ ویں نمبر ہے۔

دسمبر ۱۹۹۳ء میں سرجانی ٹاؤن کراچی میں کم آمدنی والے طبقے کے بچوں کو جدید تعلیمی سہولتوں کی فراہمی کے لئے خواجہ شمس الدین عظیمی ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر انتظام عظیمی پبلک اسکول کا قیام عمل میں آیا۔ عظیمی پبلک اسکول میں طرز تعلیم کو نا صرف سائنسی بنیادوں پر استوار کیا گیا ہے بلکہ اسے ماحول اور معاشرے کے مطابق بھی ڈھالا گیا ہے۔

روحانی ورکشاپ

مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں عرس حضور قلندر بابا اولیاء کی تقریبات میں ایک اہم تقریب کا اضافہ ۲۸ جنوری ۱۹۹۴ء میں کتاب قلندر شعور اور کتاب پیرا سائیکولوجی پر دو روزہ ورکشاپ کے انعقاد سے ہوا۔ اس ورکشاپ کے منعقد کیے جانے کا بنیادی مقصد بالخصوص اراکین سلسلہ عظیمیہ اور بالعموم دیگر شرکاء تک عظیمی صاحب کی تصانیف کے تفصیلی تعارف کے ساتھ ساتھ ان کتب کی تفہیم حاصل کرنے کے موقع کی فراہمی تھا۔

ورکشاپ کی کامیابی و پذیرائی سے عظیمی صاحب کی تصانیف و تالیفات کی تفہیم اور سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات پر غور و فکر کے لئے سالانہ بنیاد پر سالانہ روحانی ورکشاپ کے نام سے اس تقریب کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ عظیمی صاحب کی زیر صدارت اب ک منعقد کی جانے والی ورکشاپس کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔

۱۔	کتاب قلندر شعور اور کتاب پیرا سائیکولوجی (دو روزہ)	۱۹۹۴ء
۲۔	کتاب روشنی اور رنگ	۱۹۹۵ء
۳۔	کتاب نظریہ رنگ و نور	۱۹۹۶ء
۴۔	خدمت خلق اور سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات	۱۹۹۷ء

۵۔	کتاب محمد رسول اللہ۔جلد اول	۱۹۹۹ء
۶۔	سلسلہ عظیمیہ کے اغراض اور قواعد وضوابط	۲۰۰۰ء
۷۔	ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء	۲۰۰۱ء
۸۔	کتاب محمد رسول اللہ۔جلد دوئم	۲۰۰۲ء
۹۔	کتاب محمد رسول اللہ۔جلد سوئم	۲۰۰۳ء
۱۰۔	کتاب احسان وتصوف	۲۰۰۴ء
۱۱۔	قرآن اور لیزر بیم	۲۰۰۵ء
۱۲۔	ابلیس سے نجات حاصل کرنے کی تدابیر	۲۰۰۶ء
۱۳۔	کتاب نظریہ رنگ ونور	۲۰۰۷ء
۱۴۔	سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات	۲۰۰۸ء
۱۵۔	اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد کیا ہے	۲۰۱۰ء

تربیتی ورکشاپس برائے نگراں مراقبہ ہالز

ملک اور بیرون ملک قائم مراقبہ ہالز کے نگراں خواتین وحضرات عظیمی صاحب کے منتخب کردہ خصوصی نمائندے ہیں جو آپ کی ہدایات کو مشعل راہ بنا کر بے سکون نوع انسانی کو سکون فراہم کرنے کے لئے شب و روز مصروف عمل ہیں۔چونکہ حقیقی اصلاح کی دعوت ہمہ گیر اور معاشرے کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہوتی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ دعوت دینے والے کی افتادِ طبیعت، اس کی طرز فکر، اس کے اعمال وحرکات، اس کی زندگی کے شب وروز میں اللہ کی صفات کا رنگ شامل ہو۔انہی اوصاف کو نگراں خواتین وحضرات کے معمولات میں شامل کرنے اور انہیں اپنی خداداد صلاحیتوں کا ادراک کرانے کے لئے ۱۹۹۴ء میں تربیتی ورکشاپس برائے نگراں مراقبہ ہالز کا انعقاد شروع کیا گیا۔

تربیتی ورکشاپس برائے لائبریرین عظیمیہ روحانی لائبریریز

کسی پیغام کو موثر انداز میں پیش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مقصد کے تحت کام کرنے والے اراکین جدید علوم اور تحقیق سے واقفیت رکھتے ہوں اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے درکار بنیادی معلومات اور مہارت سے بہرہ ور ہوں۔خدمت خلق کا پہلا مرحلہ شخصی تعمیر ہے۔لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لئے ۱۹۹۴ء

میں تربیتی ورکشاپس برائے لائبریرین عظیمیہ روحانی لائبریریز کا آغاز کیا گیا۔

مرکزی مراقبہ ہال میں یومیہ اعزازی ڈیوٹی دینے والے کارکنان کے لئے سوال و جواب کی نشست

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے روحانیت کے بنیادی تصور اور مزاج کو نہ صرف پروان چڑھایا ہے بلکہ ان میں اپنے جذبے اور ذاتی تجربات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ آپ کے طریق تربیت میں ایک خاص بات یہ نظر آتی ہے کہ آپ لوگوں میں تجسس بیدار کر کے علم سیکھنے کی طلب کا احساس بیدار کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے سب سے پہلے مخاطب کے ذہن میں موجود نظریات کی عمارت کو توڑ کر اس بات کا ادراک کراتے ہیں کہ اس معاملے پر نئے سرے سے غور و فکر کیا جائے۔ اس طرح وہ بندہ کو حقیقی زاویہ نگاہ سے آشنا کرانے کے ساتھ ساتھ اسے حاصل کرنے کے لئے درکار تفکر کے طریقہ کار سے بھی آگاہ کرتے ہیں۔ یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر کسی چیز کی تھیوری معلوم ہو جائے تو اس کا پریکٹیکل آسان ہو جاتا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ۷ نومبر ۱۹۹۶ء میں مرکزی مراقبہ ہال میں یومیہ اعزازی ڈیوٹی دینے والے اراکین سلسلہ عظیمیہ کے لئے روزانہ بعد از نماز مغرب سوال و جواب کی نشست کا آغاز کیا گیا۔

متوسلین اور سالکین کے لئے ہفتہ وار نشست

روحانی واردات و کیفیات میں جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ دراصل روحانی طالب علم کی استعداد کا اظہار ہوتا ہے۔ طالب علم کو خود اپنے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہئے بلکہ استاد سے رجوع کرنا ہر حال میں ضروری ہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء سے مرکزی مراقبہ ہال میں ہر اتوار کو سلسلہ عظیمیہ کے تمام دوستوں کے لئے سہ پہر ۴ بجے سے مغرب تک عظیمی صاحب سے ملاقات کا آغاز کیا گیا تا کہ متوسلین و سالکین اپنی واردات و کیفیات، خواب کی تعبیر اور دیگر روحانی معلومات حاصل کر سکیں۔

ماہانہ روحانی فکری نشست برائے نگران مراقبہ ہالز

سلسلہ عظیمیہ روحانی طرز فکر کا علمبردار ہے۔ فکری نشست کا آغاز جولائی ۱۹۹۹ء میں کیا گیا۔ حضرت

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے اپنی تربیت کے ۱۶ برس کی تعلیمات کا خلاصہ فکری نشست کے نصاب کی صورت میں اس طرح مرتب فرمایا ہے کہ روحانی طالبات اور طلباء، انبیاء کرام کی طرز فکر سے کماحقہ واقف ہو جائیں۔ ان کے اندر روحانی صلاحیتیں بیدار ہوں اور انہیں سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات، تبلیغ و ترویج کے اصول، مراقبہ ٹیکنالوجی، روحانی علاج، کلر تھراپی، ماورائی علاج اور ہیلنگ میں مہارت حاصل ہو جائے۔ خدمت خلق کے عملی شعبوں میں تربیت کے لئے فکری نشست کا نصاب تھیوری اور پریکٹیکل دونوں شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔

نصاب سمسٹر سسٹم کی بنیاد پر تین سال کے عرصہ پر محیط ہے۔ ہر سمسٹر پانچ ماہ کے عملی تربیتی نصاب اور چھٹے مہینے میں اس نصاب سے متعلق امتحان پر مشتمل ہے۔ ہر ماہ ایک روزہ نشست کا اہتمام ہوتا ہے جب کہ ہر مہینہ مراقبہ اور دیگر ہدایات پر مشتمل مشقیں Home Assignments کے طور پر دی جاتی ہیں۔

شعبہ نشر واشاعت

مقتدر اخبارات وجرائد میں کالم نویسی

معاش کے حصول کے دوران عظیمی صاحب نے ۱۹۶۸ء میں ناظم آباد کراچی میں رہائش گاہ کے قریب حور مارکیٹ میں کرایہ کی ایک دکان میں پرانے کوٹ اور سویٹروں کا کام شروع کیا جس میں فارغ اوقات میں آپ مختلف کتب کا مطالعہ فرماتے تھے۔ مطالعہ کے ذوق کے ساتھ ساتھ کتابوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ دکان میں کپڑے کم ہو گئے اور چند ہفتوں میں دکان ایک چھوٹی سی لائبریری بن گئی۔ ایک دن آپ نے ''عالم تمام حلقہ دامن خیال ہے'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر فرمایا۔ اس زمانے میں آپ کے ایک عزیز روزنامہ ڈان میں ایڈیٹر تھے۔ انہوں نے جب یہ مضمون دیکھا تو انہوں نے فرہاد زیدی صاحب (ایڈیٹر روزنامہ حریت) سے اخبار میں اس مضمون کی اشاعت کے لئے بات کی۔

دوران ملاقات فرہاد زیدی صاحب نے عظیمی صاحب سے استفسار کیا کہ اخبار میں آپ کس موضوع پر کالم لکھیں گے۔ آپ نے بتایا کہ آپ پیرا سائیکولوجی پر کالم تحریر کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کالم شروع کرنے سے پہلے آپ کا امتحان لیں گے۔ وہ اس طرح کہ آپ فزکس، سائیکولوجی اور پیرا سائیکولوجی کی ۱۲ سطروں میں وضاحت کر دیں کہ یہ کیا ہیں۔ جب آپ نے تحریر کرنا شروع کیا تو ۹ سطروں میں بات مکمل ہو گئی۔ آپ پریشان ہو گئے کہ مجھے فیل کر دیا جائے گا۔ آپ کے قلم کو رکا ہوا دیکھ کر فرہاد زیدی صاحب نے ازراہ مذاق کہا

عظیمی صاحب! کیوں پریشان ہیں۔ کیا دماغ نہیں چل رہا۔

آپ نے فرمایا، جی! دماغ چل کے رک گیا۔

آپ نے ۱۲ سطروں میں لکھنے کو کہا تھا، یہ تو ۹ سطروں میں بات مکمل ہو گئی۔

فرہاد زیدی صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا، یہ تو اور زیادہ اچھا ہو گیا۔

آپ نے فرمایا، تو پھر تحریر دیکھ لیں۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا:

فزکس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زندگی میں جو کچھ اس کے جذبات، احساسات کا تعلق ہوتا ہے اسے طبیعات کہتے ہیں۔ وہ جو کچھ اپنی زندگی میں کر رہا ہے، نشیب وفراز سے گزر رہا ہے، اس نشیب وفراز سے گزرنے میں اس کے ذہن میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ کبھی خوش ہوتا ہے، کبھی غمگین ہوتا ہے اور اس کا کچھ فیصلہ

نہیں کر سکتا، اسے نفسیات کہتے ہیں۔ فزکس اور نفسیات کے مسائل کو جو چیز حل کر رہی ہے، جہاں سے مسائل آ رہے ہیں، اسے پیرا سائیکولوجی کہتے ہیں۔

فرہاد صاحب نے تحریر پڑھنے کے بعد کہا۔ آپ کا اس ہفتہ سے کالم چھپے گا۔ اٹھتے اٹھتے فرہاد زیدی صاحب نے پوچھا کہ آپ مضمون کیسے لکھتے ہیں، مضمون کی آمد کا سلسلہ کیسے ہوتا ہے، کیا آپ پہلے کوئی پلان بناتے ہیں، کیا آپ مضمون لکھنے سے پہلے الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔

یہ سوال آپ کے لئے حیرت کا باعث بنا، اس لئے کہ انٹرویو کے وقت آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ کا امتحان کس طرح ہوگا۔ آپ سے لکھنے کو کہا گیا، آپ نے اللہ سے دعا کی اور لکھنا شروع کر دیا۔ جو مضمون ۱۲ سطروں میں لکھنے کے لئے کہا گیا تھا وہ ۹ سطروں میں پورا ہو گیا۔ قصہ کوتاہ عظیمی صاحب نے عرض کیا کہ فرہاد صاحب! میرے دماغ میں ایک خیال آتا ہے۔ وہ خیال پھلجھڑی کے پھولوں کی طرح دماغ کی اسکرین پر پھیل جاتا ہے۔ میں ان پھولوں کو چن کر ایک لڑی میں پرو دیتا ہوں، وہ لڑی جملے بن جاتی ہے، جملوں سے پیرا بن جاتا ہے اور پیرے سے مضمون بن جاتا ہے۔

فرہاد زیدی صاحب بولے، اگر آپ کے ذہن میں خیال نہیں آیا تو ہم آپ کے مضمون کے انتظار میں بیٹھے رہیں گے، کاپی لیٹ ہو جائے گی۔ بات ہنسی مذاق میں گزر گئی۔ آپ خوشی خوشی مرشد کریم حضور قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے، ساری روئداد آپ کے گوش گزار کی۔ حضور قلندر بابا اولیاء مسکرائے اور فرمایا:

خواجہ صاحب! آپ ساری عمر لکھتے رہیں گے اور ہر مضمون تھیم (Theme) ایک ہونے کے باوجود نیا ہوگا۔ آپ کے اوپر اللہ کا فضل سایہ فگن ہے۔

اور اس طرح ۱۹۶۹ء میں روزنامہ حریت سے باقاعدہ نشر و اشاعت کا آغاز ہوا۔ قارئین نے سائیکولوجی اور پیرا سائیکولوجی کے ان مضامین کو نا صرف پسند کیا بلکہ اپنے مسائل کے حل کے لئے خطوط بھی لکھنے شروع کر دیئے جن میں زیادہ تر خطوط خواب کے متعلق ہوتے تھے۔ شروع کے دنوں میں ہفتہ میں تین یا چار خط موصول ہوتے تھے اور پھر یہ سلسلہ ہر ہفتہ سینکڑوں خطوط پر پھیل گیا۔ حریت کے بعد نومبر ۱۹۷۱ء میں روزنامہ جسارت میں آپ کے کالم کا آغاز ہوا۔ اب تک جن اخبارات و جرائد میں آپ کے کالم شائع اشاعت ہوتے رہے ہیں ان کی فہرست کچھ اس طرح ہے:

۱۔	روزنامہ اعلان	۲۔	روزنامہ مشرق
۳۔	روزنامہ ملت (گجراتی)	۴۔	روزنامہ جنگ (کراچی)

۵۔ روزنامہ جنگ (لندن ۶۔ ہفت روزہ میگ (انگریزی)

۷۔ ماہنامہ مشعل ڈائجسٹ ۸۔ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ

آپ نے ان اخبارات وجرائد میں عوام کے ان گنت معاشی، معاشرتی ،نفسیاتی مسائل اورالجھنوں کا حل پیش کیا ہے اور مظاہر قدرت کے پیچیدہ معموں سے متعلق سوالات کے جوابات دیئے ہیں۔

ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ

۱۹۷۸ء کے وسط تک آپ کو ایک ماہ میں موصول ہونے والے خطوط کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر چکی تھی۔ کسی روزنامہ کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ ہفتہ میں ایک یا دو کالم سے زیادہ علاج معالجہ کے لئے مخصوص کر سکے۔ جب کہ ہر پریشان حال شخص کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کے مسائل جلد از جلد حل ہو جائیں۔

دسمبر ۱۹۷۸ء میں صفحات کے لحاظ سے مختصر مگر مضامین کے اعتبار سے مکمل، سماوی علوم پر مشتمل ایک دستاویز روحانی ڈائجسٹ کے نام سے منظر عام پر لائی گئی۔ بحیثیت چیف ایڈیٹر عظیمی صاحب نے روحانی ڈائجسٹ کے ڈیکلریشن فارم میں تعلیم کے خانے میں ''علم لدنی'' تحریر فرمایا۔ روحانی ڈائجسٹ کے سرورق پر بحیثیت سرپرست اعلیٰ حضور قلندر بابا اولیاء نے تحریر کروایا:

یہ پرچہ بندہ کو خدا تک

لے جاتا ہے

اور بندہ کو خدا سے ملا دیتا

ہے

اشاعت اول سے لے کر تا دم تحریر روحانی ڈائجسٹ کے سرورق پر یہ تحریر مسلسل چھپ رہی ہے۔

روحانی ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ تجربہ نہ ہونے کے باوجود اچھا تھا۔ جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ چھپ کر تیار ہو چکا تھا کہ ۲۷ جنوری کی شب حضور قلندر بابا اولیاء کی روح واصل بحق ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شمارہ کے ٹائٹل کی چھپائی ہنگامی حالت میں رکوا کر ان سائیڈ ٹائٹل پر حضور قلندر بابا اولیاء کے وصال کی خبر شائع کی گئی۔ ۱۹۸۴ء میں روحانی ڈائجسٹ، روحانی ڈائجسٹ انٹرنیشنل کے نام سے برطانیہ میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا۔

روحانی ڈائجسٹ میں سائنس، ادب، تاریخ، قدیم و جدید علوم اور روحانیت پر مبنی مضامین، خواب کی تعبیر، صحت اور خوب صورتی سے متعلق آسان نسخے، مختلف مسائل کا روحانی اور نفسیاتی حل، پیچیدہ

اور لاعلاج بیماریوں کا مفت علاج ہر ماہ پیش کیا جاتا ہے۔اس رسالہ میں مافوق الفطرت کہانیاں بھی شائع کی جاتی ہیں جن میں قسط وار کہانیاں بھی ہوتی ہیں۔ بچوں کے لئے صفحات مخصوص ہیں۔اولیاء اللہ کے روحانی علوم کو سائنسی، علمی توجیہہ کے ساتھ روحانی ڈائجسٹ کے ذریعے عوام الناس تک پہنچایا جا رہا ہے۔

تصنیف و تالیف

کسی بھی پیغام کو پھیلانے کے لئے ہمیشہ دو طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ایک طریقہ یہ ہے کہ مخاطب کی ذہنی صلاحیت کو سامنے رکھ کر اس سے گفتگو کی جائے اور حسن اخلاق سے اس کو اپنی طرف مائل کیا جائے۔اس کی ضروریات کا خیال رکھا جائے۔اس کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھ کر تدارک کیا جائے۔

جب کہ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحریر و تقریر سے اپنی بات دوسروں تک پہنچائی جائے۔موجودہ دور تحریر و تقریر کا دور ہے۔فاصلے سمٹ گئے ہیں، زمین کا پھیلاؤ ایک گلوب (Globe) میں بند ہو گیا ہے۔آواز کے نقطۂ نظر سے امریکہ اور کراچی کا فاصلہ ایک کمرے سے بھی کم ہو گیا ہے۔کراچی میں بیٹھ کر لندن اور امریکہ کی سرزمین تک اپنا پیغام پہنچا دینا روزمرہ کا معمول ہو گیا ہے۔یہی صورت حال تحریر کی ہے۔نشر و اشاعت کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔عظیمی صاحب نے ملک اور بیرون ملک قائم مراقبہ ہالز کے رابطے کو مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی علوم کی ترویج کے لئے علم دوست حضرات کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنے کے لئے تصنیف و تالیف کا آغاز فرمایا۔

آپ کی تحریر میں فکر کی گہرائی اور فن کی زیبائی بدرجہ اتم موجود ہے۔ممتاز دانشور اور ادیب اشفاق احمد صاحب آپ کی طرز تحریر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ ''آپ کی تحریر بہت سادہ، بہت توجہ طلب اور جاذب نظر ہے۔آپ ایک صاحب طرز رائٹر ہیں۔آپ کی تحریر کا اپنا اسلوب ہے۔میں نے آپ کو اوائل دور میں کام کرتے دیکھا ہے۔ان کی میز کرسی فضول اور ٹیڑھی تھی۔ پھر میں نے نوٹ کیا کہ آدمی کے اندر Truth ہو اپنی طرز کا تو وہ ٹیڑھی جگہ پر بیٹھ کر بھی سیدھے جواب دے سکتا ہے۔آپ نے میلوں کا سفر ایک جست میں طے کیا ہے۔

انسان صرف روٹی، کپڑا اور مکان ہی نہیں ہے۔ہم ایک تین منزلہ ایسی عمارت ہیں جس میں ہمارا جسم، روٹی، کپڑا اور مکان ہے۔اس کے اوپر ایک چوبارہ ہے جو Intellect کا چوبارہ ہے، جو ذہن کا ہے۔بھیڑیا، کتا، شیر ببر، عقاب، مچھلی، بھینس یہ سب روٹی، کپڑا اور مکان ہیں۔میں اوور منزل چوبارہ رکھتا ہوں جو ذہن سے تعلق رکھتا ہے۔میں سردیوں کی رات میں ٹھٹھرتا سائیکل پر چڑھ کر سات میل کا فاصلہ

طے کر کے نصرت فتح کا ایک سر سننے جاتا ہوں۔ اس میں نہ روٹی ہے، نہ کپڑا ہے، نہ مکان ہے، نہ بینک بیلنس بڑھتا ہے۔ میں تو بلکہ کوئی نقصان کر کے آتا ہوں لیکن میں جاتا ہوں۔ میں مشاعرہ سننے جاتا ہوں۔ اس میں مجھے کیا ملتا ہے .... یہ Human being کا Intellect کا چوبارہ ہے۔ جس کو وہ بھرتا رہتا ہے اگر وہ کاٹ کر پھینک دیا جائے تو وہ مر جائے گا۔ بھینس نہیں مرتی۔ بھینس اگر مشاعرہ میں نہ جائے تو کچھ نہیں ہوتا اس کو، ٹھیک ہے، زندہ ہے وہ۔ شیر ببر ہے، وہ اگر پکا راگ نہ سنے تو ٹھیک رہتا ہے۔ اب اس چوبارے کے اوپر ایک اور چوبارہ ہے جو Intellect سے بھی اونچا ہے وہ روحانیت کا ہے۔

اس کے اندر گند بلا، گدڑ پھونس، ٹوٹے ہوئے چھنے، پرانی چارپائیاں، بان کے پنے، پرانے ٹین کنستر، بوریاں، سیمنٹ کے تھیلے پڑے ہوئے ہیں اور اس کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ تالا ڈالا ہوا ہے اس کے اندر کبھی کبھی کوئی اوپر چڑھ کر کہتا ہے کہ امی! یہ اچھا بھلا تو کمرا ہے، اس کو تو صاف کرائیں۔ کہنے لگیں، دفع کرو۔ کوئی اوپر نہیں جاتا، چھوڑ دو۔ اس نے کہا، میں اسے صاف کر کے اس میں دری بچھا لوں۔ کہنے لگیں، نہ نہ، خبردار! یہاں جا کر کیا کرنا ہے، اتنے سارے کمرے ہیں اسی میں رہو۔ ہمارا تیسرا چوبارہ تو ہے لیکن وہ آسیب زدہ ہے۔ تو جب کوئی بھی بندہ اس کے قریب کھڑا ہو کر بات کرے تو وہ کہتا ہے کہ ہاں! آج پہلی دفعہ اس کے دروازے جھنجھنائے ہیں یا اس کے اوپر بارش ہوئی ہے۔ اس میں سے سوندھی خوشبو نکلتی ہے۔ عظیمی بھائی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے وہ پرانے چوبارے، گدڑ پھونس والے، گند بلا والے صاف کئے ہیں۔''

عظیمی صاحب نے سلسلہ عظیمیہ کی دعوت حق کو پھیلانے کے لئے اپنی تحریر و تقاریر میں ۲۹۷ء سے زائد موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ عظیمی صاحب کی اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آنے والی تصانیف و تالیفات اور مجموعوں کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے:

روحانی علاج: تاریخ اشاعت: ۱۹۷۸ء

اگر امراض اور بیماریوں کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے تجاوز کر جاتی ہے۔ ان امراض کی نوعیت اور وجوہات بھی الگ الگ ہیں۔ روحانی نظریہ علاج کے مطابق امراض کے دو رخ ہیں۔ ایک جسمانی اور دوسرا ذہنی یا روحانی۔ جسمانی نظام میں کسی بے اعتدالی، کیمیائی یا طبعی تبدیلی کا نام مرض ہے۔

روحانی نظریہ علاج میں ہر مرض کے خدوخال ہوتے ہیں اور ہر مرض کا روحانی وجود بھی ہوتا ہے۔ یہ

دونوں رخ ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔موجودہ دور میں نفسیاتی اور طبی امراض کا جو کردار سامنے آیا ہے اس کی روشنی میں اس کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔روحانی علم کا نظریۂ علاج یہ ہے کہ امراض کی جسمانی وجود کے ساتھ ساتھ روحانی یا ذہنی وجود پر ضرب لگائی جائے اور ذہنی طور پر اس کی نفی کی جائے تو بہت جلد شفا حاصل ہو جاتی ہے۔نا صرف جلد شفاء حاصل ہو جاتی ہے بلکہ پیچیدہ و لاعلاج امراض سے نجات بھی ممکن ہے۔اس کتاب میں شک اور بے یقینی کے طوفان سے پیدا ہونے والی تقریباً دوسو(۲۰۰) بیماریوں اور مسائل کو یکجا کر کے تعویذات اور وظائف کے ذریعہ ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔

رنگ اور روشنی سے علاج: تاریخ اشاعت: ۱۹۷۸ء

زمین پر موجود ہر شئے میں کوئی نہ کوئی رنگ نمایاں ہے، کوئی شئے بے رنگ نہیں ہے، کیمیائی سائنس بتاتی ہے کہ کسی عنصر کو شکست وریخت سے دوچار کیا جائے تو مخصوص قسم کے رنگ سامنے آتے ہیں۔رنگوں کی یہ مخصوص ترتیب کسی عنصر کی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔چنانچہ ہر عنصر میں رنگوں کی ترتیب جدا جدا ہے۔یہی قانون انسانی زندگی میں بھی نافذ ہے۔انسان کے اندر بھی رنگوں اور لہروں کا مکمل نظام کام کرتا ہے۔رنگوں اور لہروں کا خاص توازن کے ساتھ عمل کرنا کسی انسان کی صحت کا ضامن ہے۔اگر جسم میں رنگوں اور روشنیوں میں معمول سے ہٹ کر تبدیلی واقع ہوتی ہے تو طبیعت اس کو برداشت نہیں کر پاتی اور اس کا مظاہرہ کسی نہ کسی طبی یا ذہنی تبدیلی کی صورت میں ہوتا ہے۔

ہم اس کو کسی نہ کسی بیماری کا نام دیتے ہیں مثلاً بلڈ پریشر، کینسر، فساد خون، خون کی کمی، سانس کے امراض، دق وسل، گٹھیا، ہڈیوں کے امراض، اعصابی تکالیف اور دیگر غیر معمولی احساسات وجذبات وغیرہ۔

اس کتاب میں آدمی کے دو پیروں پر چلنے کا وصف بیان کیا گیا ہے اور اس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ انسان اور حیوان میں روشنی کی تقسیم کا عمل کن بنیادوں پر قائم ہے اور تقسیم کے اس عمل سے ہی انسان اور حیوان کی زندگی الگ الگ ہوتی ہے۔روشنی ایک قسم کی نہیں ہوتی بلکہ انسانی زندگی میں دور کرنے والی روشنیوں کی بے شمار قسمیں ہیں۔یہ روشنیاں انسان کو کہاں سے ملتی ہیں اور انسانی دماغ پر نزول کر کے کس طرح ٹوٹتی اور بکھرتی ہیں۔ٹوٹنے اور بکھرنے کے بعد دماغ کے کئی ارب خلیئے ان سے کس طرح متاثر ہو کر حواس تخلیق کرتے ہیں۔مختلف رنگوں کے ذریعے بیماریوں کے علاج کے علاوہ عظیمی صاحب نے اس کتاب میں انسانی زندگی پر پتھروں کے اثرات کے حوالے سے بھی معلومات فراہم کی ہیں۔

ٹیلی پیتھی سیکھئے: تاریخ اشاعت: ۱۹۸۱ء

ٹیلی پیتھی یعنی انتقال خیال کا طریقہ کار سری علوم کی وہ شاخ ہے جسے عصر حاضر میں سب سے زیادہ عام توجہ حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے یہ کتاب اس وقت لکھی جب روس، امریکہ اور دیگر ممالک میں ٹیلی پیتھی کا بہت زور تھا۔ ایک مجلس مذاکرہ میں کہا گیا کہ غیر مسلموں نے ٹیلی پیتھی کا علم ایجاد کرلیا ہے، مسلمانوں نے کیا کیا۔ یہ بات آپ کے دل کو لگ گئی اور آپ نے ٹیلی پیتھی پر کتاب لکھنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کا مقصد یہ تھا وہ لوگ جو غیر مسلموں سے متاثر ہو کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ جن لوگوں کی طرز فکر میں عیسائیت اور دہریت غالب آگئی ہے، ان لوگوں کے اندر فکر سلیم پیدا ہو جائے۔

غیر مسلموں نے ماورائی علوم میں جو ترقی کی ہے، مسلمان بھی فکر سلیم کے ساتھ ترقی کریں۔ اس کتاب کو پڑھنے سے بلاشبہ بے شمار لوگوں کو فائدہ پہنچا ہے۔ اس کتاب میں آٹھ اسباق ہیں۔ جن پر پہلے آپ نے خود عمل کیا اور پھر ان سے حاصل ہونے والے نتائج کی روشنی میں کتاب تحریر فرمائی۔

تذکرہ قلندر بابا اولیاء: تاریخ اشاعت: ۱۹۸۲ء

اس کتاب میں امام سلسلہ عظیمیہ ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء کے حالات زندگی، کشف و کرامات، ملفوظات و ارشادات کا قابل اعتماد ذرائع معلومات کے حوالے سے مرتب کردہ ریکارڈ پیش کیا گیا ہے۔

روحانی نماز: تاریخ اشاعت: ۱۹۸۳ء

آج کل کے دور میں کوئی بات اس وقت قابل قبول ہوتی ہے۔ جب اسے سائنسی فارمولوں اور فطرت کے قوانین کے مطابق دلیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ زبان ایسی ہو جو عوام کی سمجھ میں آجائے، اسلوب ایسا ہو جو دل میں اتر جائے۔

کتاب روحانی نماز اس ہی اصول کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے۔ اس کتاب میں آپ نے کوشش کی ہے کہ ''الصلوۃ معراج المومنین'' کا سائنسی مفہوم اور قانون قدرت کے فارمولوں کی وضاحت ہو جائے۔

جنت کی سیر: تاریخ اشاعت: ۱۹۸۴ء

تاریخی ادوار پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ پانچ ہزار سال کی تاریخ میں اقتدار پر زیادہ عرصہ مردوں کا قبضہ رہا ہے۔ ایسا دور بھی آیا ہے کہ جس میں عورتوں کو اقتدار منتقل ہوا۔

مردوں کی ذہانت اور مردوں کی چالاک عقل نے اس دور کو یعنی خواتین کے دور کو کبھی مستحکم نہیں ہونے دیا لیکن قدرت کی فیاضی مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ مخصوص نہیں۔ جب بھی خواتین نے خود کو Brain Wash ہونے سے بچایا اور اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں ان کو قدرت کی طرف سے تعاون ملا۔

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ عورت کے اندر بھی وہ تمام صلاحیتیں اور صفات موجود ہیں جو قدرت نے مرد کو ودیعت کی ہیں۔ جب ایک عورت رابعہ بصری بن سکتی ہے تو دنیا کی تمام عورتیں اپنے اندر اللہ کی دی ہوئی روحانی صلاحیتوں کو بیدار کر کے ولی اللہ بن سکتی ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں سید حبیب مصطفیٰ صاحب (قلمی نام: سرکار زینی جارچوی) اپنی تالیف مادر کائنات، حصہ دوم۔ صفحہ نمبر ۱۱۱ میں تحریر کرتے ہیں:

اس وقت پاکستان میں روحانی امور سے متعلق ایک ایسی جانی پہچانی اور مشہور شخصیت موجود ہے جو بلاشبہ روحانی امور میں ید طولیٰ رکھتی ہے۔ اس شخصیت کو ''خواجہ شمس الدین عظیمی'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ نے روحانیت سے متعلق کئی کتابیں تحریر کی ہیں اور بے شمار روحانی مسائل کے حل پیش کئے ہیں۔ روحانیت سے متعلق ہزاروں سوالات کے جوابات آپ اخبار اور خطوط کے ذریعے دے چکے ہیں۔ حال ہی میں آپ کی ایک اور کتاب ''جنت کی سیر'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔ جس میں آپ نے عورت کی روحانی صلاحیت پر معقول اور موثر گفتگو کی ہے اور روحانی واردات کے اثر کار پیش کئے ہیں۔ میں نے اپنے وسیع مطالعہ اور اپنی پوری زندگی میں خواجہ صاحب کو پہلا عالم و فاضل اور روحانی مرد پایا ہے جنہوں نے کھل کر عورت کی صلاحیت پر بے باکانہ بات کی ہے اور عورت کے صحیح مقام و منصب کو ظاہر کیا ہے۔ آپ کی اس کتاب کا دیباچہ جو ''اظہار حال'' کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے۔

ہم ضروری اور متعلقہ اقتباسات اس لئے پیش کر رہے ہیں کہ اس سے ایک طرف گزشتہ صفحات میں بیان کردہ موقف و خیال کی تائید ہوتی ہے اور دوسرے آپ روحانی مرد قلندر بھی ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

''جب کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے تفکر کیا جاتا ہے تو بہت سی ایسی باتیں شعور کی سطح پر ابھرتی ہیں جن کا تجزیہ اگر کیا جائے تو بہت تلخ حقائق سامنے آتے ہیں۔ عفت و عصمت کا تذکرہ آتا ہے تو وہاں عورت اور صرف عورت زیر بحث آتی ہے۔ کیا مرد کو عفت و عصمت کے جوہر کی ضرورت نہیں ہے؟ عورت کے تقدس کو یہ

کہہ کر پامال کیا جاتا ہے کہ وہ کمزور ہے۔ عقل وشعور سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ علم وہنر کے شعبہ میں اب تک عورت کو عضو معطل بنا کر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ دانشور، واعظ، گدی نشین حضرات کچھ ایسے تاثرات بیان کرتے ہیں کہ جن سے عورت کا وجود بہر حال مرد سے کم تر ظاہر ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ نے ہر چیز جوڑا جوڑا بنائی۔ مذہبی حلقہ کہتا ہے کہ عورت کو مرد کی اداسی کم کرنے اور اس کا دل خوش کرنے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ کھلی ناانصافی اور احسان فراموشی ہے۔ ناشکری اور ناانصافی کا رد عمل اس قدر بھیانک اور المناک ہوتا ہے کہ تاریخ اس سے لرزہ براندام ہے۔ دنیا کے علوم سے آراستہ دانشوروں کا وطیرہ کم عقلی پر مبنی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ روحانی علوم کے میدان میں بھی عورت کو نظر انداز کیا گیا ہے تو اعصاب پر موت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سینکڑوں سال کی تاریخ میں مشہور ومعروف اولیاء اللہ کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو صرف ایک عورت کی نشاندہی ہوتی ہے اور اسے بھی آدھا قلندر کہہ کر اس کی بے حرمتی کی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا عورت اور مرد کے اندر الگ الگ روحیں کام کرتی ہیں۔ کیا روح میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ کیا روح بھی کمزور اور ضعیف ہوتی ہے؟

اگر ایسا نہیں ہے تو عورت کی روحانی اقدار کو کیوں محجوب رکھا گیا ہے؟ مردوں کی طرح ان خواتین کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گیا جو اللہ کی دوست ہیں۔ وہ کون سی صفات ہیں جو قرآن میں مردوں کے لئے بیان ہوئی ہیں اور عورتوں کو ان سے محروم رکھا گیا ہے؟ اگر قرآن حکیم کے نزدیک عورت کا مقام مرد سے کم تر ہوتا اور اس کی بزرگی وعظمت مرد کے مساوی نہ ہوتی تو قرآن پاک کی سورہ مریم، حضرت مریم کے بجائے حضرت عیسیٰ سے منسوب کی جاتی .... یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں تو عورت مرد کے برابر ہو سکتی ہے لیکن روحانی صلاحیتوں اور ماورائی علوم میں وہ مردوں سے کمتر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ نے عورت کے معاملہ میں انتہائی بخل سے کام لیا ہے۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ قلم اور کاغذ پر ہمیشہ مردوں کی اجارہ داری قائم رہی ہے۔'' پھر آپ نے بڑے موثر انداز اور خوبصورت الفاظ میں عورت سے متعلق اپنے باطنی وروحانی جذبات کا اظہار کیا ہے۔

''یہ عورت وہ ماں ہے جو نو ماہ اور دو سال تک اپنا خون جگر بچے کے اندر انڈیلتی رہتی ہے۔ یہ کیسی بدنصیبی اور ناشکری ہے کہ وہی مرد جس کی رگ رگ میں عورت کی زندگی منتقل ہوتی رہتی ہے وہی اس کو تفریح کا ذریعہ سمجھتا ہے اور مردوں کے مقابلہ میں کم تر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ بے روح معاشرہ نے عورت کو مرد کے مقابلہ میں ایسا کردار بنایا ہے جس کو دیکھ کر ندامت سے گردن جھک جاتی ہے۔ ہائے یہ کیسی بے حرمتی ہے، اس ہستی کی جس نے اپنا سب کچھ تج کر مرد کو پروان چڑھایا۔ قرآن پاک کے

ارشادات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور ظاہری و باطنی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر یہ بات سورج کی طرح ظاہر ہے کہ جس طرح مرد کے اوپر روحانی واردات مرتب ہوتی ہیں اور وہ غیب کی دنیا میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اس طرح عورت بھی روحانی دنیا میں ارتقائی منازل طے کر کے مظاہر قدرت کا مطالعہ اور قدرت کے ظاہری و باطنی اسرار و رموز سے اپنی بصیرت اور تدبر کی بناء پر استفادہ کرتی ہے۔''

کتاب ''روحانی نماز'' کے انتساب میں عظیمی صاحب نے تحریر فرمایا ہے، ان خواتین کے نام جو بیسویں صدی کی آخری دہائی ختم ہونے سے پہلے پوری دنیا کے اقتدار اعلیٰ پر فائز ہو کر نور اول، باعث تخلیق کائنات محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی پیش رفت میں انقلاب برپا کر دیں گی۔

o اس وقت اراکین سلسلہ عظیمیہ میں ۷۰ فیصد خواتین اور ۳۰ فیصد مرد حضرات ہیں۔

قلندر شعور: تاریخ اشاعت: ۱۹۸۶ء

کتاب قلندر شعور میں آپ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ ہم کون سا طرز عمل اختیار کر کے ذہن کی ہر حرکت کے ساتھ ساتھ اللہ کا احساس قائم کر سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ذہن انسانی، اللہ کی صفات کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں رئیس امروہی صاحب نے روزنامہ جنگ کراچی میں ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۶ء کے کالم میں تحریر کیا تھا ''برادر عزیز خواجہ شمس الدین عظیمی، حضرت تاج الاولیاء بابا تاج الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے سلسلہ عالیہ سے وابستہ اور اپنے ذہن اور قلم سے اخلاق عالیہ، تطہیر نفس، تزکیہ قلب اور عرفان نفس کی گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ روحانی علاج کے ماہر اور راہ سلوک کے باعمل طالب ہیں۔ ان کی ہمت و کوشش سے مکتبہ روحانی ڈائجسٹ K-13 ناظم آباد، کراچی ۱۸۔ مختلف مسائل عرفان پر بلند پایہ تصانیف شائع کر چکا ہے۔

مثلاً کائناتی نظام تخلیقی فارمولوں اور روحانی سائنس پر مشتمل کتاب لوح و قلم، روحانی نماز، قلندر شعور، تذکرہ قلندر بابا اولیاء، تذکرہ تاج الدین بابا، رنگ اور روشنی سے علاج، ٹیلی پیتھی سیکھئے، روحانی علاج وغیرہ وغیرہ۔ خواجہ صاحب، حضرت سید محمد عظیم برخیا حضور قلندر بابا اولیاء کے فیوض روحانی کو عام کرنے میں دن رات منہمک ہیں۔ خواجہ شمس الدین عظیمی عصر حاضر کی روحانی ضروریات سے بخوبی واقف ہیں اور ان کتابوں کو انہوں نے سائنسی نقطہ نظر سے تحریر کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ طالبان سلوک و روحانیت کے لئے ان تصانیف کا مطالعہ غیر معمولی فوائد کا سبب ہوگا۔''

تجلیات: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۰ء

قرآن ہمیں ایسی اخلاقی اور روحانی قدروں سے آشنا کرتا ہے جن میں زمان و مکان کے اختلاف سے تبدیلی نہیں ہوتی اور ایسے ضابطۂ حیات سے متعارف کراتا ہے جو دنیا میں رہنے والی ہر قوم کے لئے قابل عمل ہے۔ اگر قرآن کی مقرر کی ہوئی اخلاقی اور روحانی قدریں سوئٹزرلینڈ کی منجمد فضاؤں میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو افریقہ کے تپتے ہوئے صحراء بھی ان قدروں سے مستفیض ہوتے ہیں۔

قرآن پاک ایک ایسی دستاویز ہے جس میں معاشرتی قوانین کے ساتھ ساتھ ایسے فارمولے درج ہیں جن کے اوپر تسخیر کائنات کا دارومدار ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ ہم نے قرآن کا سمجھنا آسان کر دیا ہے، کیا ہے کوئی سمجھنے والا۔ اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ہم پر یہ لازم ہے کہ اس عطیہ خداوندی سے فیض اٹھاتے ہوئے قرآن پاک میں غور و فکر کو اپنا شعار بنائیں تا کہ ہماری روحیں نور ہدایت سے منور ہو جائیں اور ہم ان صفات کو حاصل کر سکیں جن سے بندے کے لئے آسمان و زمین مسخر ہو جاتے ہیں۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جب ہم تفکر کرتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتباع کے بغیر زندگی کے نقشے کو صحیح ترتیب نہیں دیا جا سکتا۔ ہر مسلمان صحیح خطوط پر اپنی زندگی کو اس وقت ترتیب دے سکتا ہے جب وہ قرآن حکیم کے بیان کردہ مطالب اور مفہوم کو سمجھ کر اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی عملی زندگی میں سموئے۔

اللہ رب العزت کے ہاں وہی دین صحیح دین ہے جو قرآن مجید میں بالوضاحت بیان کر دیا گیا ہے اور جس کی عملی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا یہ کمال ہے کہ وہ بیک وقت زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کسی جماعت، کسی خاص قوم، کسی خاص ملک اور کسی خاص زمانے کے لئے نہیں تھی اور نہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت رب العالمین کے بنائے ہوئے سارے عالمین کے لئے ہے۔

دنیا کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق آپ ﷺ کی منور زندگی کی روشنی میں اپنی زندگی بہتر بنا سکتا ہے۔ قرآن نے غور و فکر اور تجسس و تحقیق کو ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں عظیمی صاحب نے قرآن کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پر غور و فکر فرمایا اور روحانی نقطۂ نظر سے ان کی توجیہہ اور تفسیر بیان فرمائی ہے جو کہ "نور الٰہی نور نبوت" کے عنوان سے ہر ماہ روحانی ڈائجسٹ کے ادارتی صفحات کی زینت بنتی ہے۔ کتاب "تجلیات" اس مستقل کالم میں سے چند کالمز کا مجموعہ ہے۔

کشکول: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۰ء

اس کتاب کے پیش لفظ میں عظیمی صاحب نے تحریر فرمایا ہے'' کائنات کیا ہے، ایک نقطہ ہے، نقطہ نور ہے اور نور روشنی ہے۔ ہر نقطہ تجلی کا عکس ہے۔ یہ عکس جب نور اور روشنی میں منتقل ہوتا ہے تو جسم مثالی بن جاتا ہے۔ جسم مثالی کا مظاہرہ گوشت پوست کا جسم ہے۔ ہڈیوں کے پنجرے پر قائم عمارت گوشت اور پٹھوں پر کھڑی ہے۔ کھال اس عمارت کے اوپر پلاسٹر اور رنگ و روغن ہے۔ وریدوں، شریانوں، اعصاب، ہڈیوں، گوشت اور پوست سے مرکب آدم زاد کی زندگی حواس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

حواس کی تعداد پانچ بتائی جاتی ہے جبکہ ایک انسان کے اندر ساڑھے گیارہ ہزار حواس کام کرتے ہیں۔ میں نے چونسٹھ سال میں تئیس ہزار تین سو ساٹھ سورج دیکھے ہیں۔ تئیس ہزار سے زیادہ سورج میری زندگی میں ماضی، حال اور مستقبل کی تعمیر کرتے رہے۔ میں چونسٹھ سال کا آدمی دراصل بچپن، جوانی اور بڑھاپے کا بہروپ ہوں۔ روپ بہروپ کی یہ داستان المناک بھی ہے اور مسرت آگیں بھی۔ میں اس المناک اور مسرت آگیں کرداروں کو گھاٹ گھاٹ پانی پی کر کاسۂ گدائی میں جمع کرتا رہا اور اب جب کہ کاسۂ گدائی لبریز ہو گیا ہے۔ میں آپ کی خدمت میں روپ بہروپ کی یہ کہانی پیش کر رہا ہوں۔'' ۲۸۳ عنوانات کے تحت آپ نے اس کتاب میں اپنی کیفیات کو بیان فرمایا ہے۔

آوازِ دوست: تاریخ اشاعت: دسمبر ۱۹۹۰ء

عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں لکھنے بیٹھتا ہوں تو میری ساری توجہ اس آواز کی طرف ہوتی ہے جو آواز لہروں میں منتقل ہو کر اطلاع مہیا ہے۔

ایک قاری جن مضامین کو چند رہ منٹ میں پڑھ لیتا ہے، اس کی تیاری میں سات سے آٹھ گھنٹے لگ جاتے ہیں۔ پہلے حافظے کا بند دروازہ کھلتا ہے، پھر انسپائریشن کی لہریں دماغ کے مخصوص خانے میں وصول ہوتی ہیں اور انسپائریشن کو کاغذ پر منتقل کرنے کے لئے الفاظ کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

انسانی دماغ میں حواس خمسہ کی اطلاعات موجود رہتی ہیں یا اطلاعات حواس خمسہ مہیا ہیں۔ حواس خمسہ اعصاب کے ذریعے دماغ کے نصف کروں تک پہنچ کر نقش ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ یادداشتیں ہیں جنہیں حافظہ کہا جاتا ہے۔ دماغ کے یہ دو کرے جو دائیں طرف اور بائیں طرف واقع ہیں انسانی زندگی کے تمام احساسات کو جو پیدائش سے موت تک کے حالات پر مشتمل ہیں، یاد رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کا کوئی عمل، کوئی

فعل، کوئی حرکت اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک دماغ کے پچھلے حصے میں جہاں گردن کے اوپر سر میں ابھار ہوتا ہے تحریکات نہ ہوں جو کہ لہروں کی شکل میں وارد ہوتی ہیں۔ آواز کیا ہے............آواز لہروں کے علاوہ کچھ نہیں ہے............اور یہ ساری کائنات آواز کے علاوہ کچھ نہیں ہے............اطلاعات کے بغیر کائنات کے وجود کا تذکرہ ممکن نہیں ہے۔

انسان کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں اطلاع کے علاوہ زندگی میں کچھ بھی نہیں ملتا۔ ہمارا پیدا ہونا، جوان ہونا، بوڑھا ہونا، خوردونوش کی ضروریات کا پورا کرنا، سونا جاگنا، رزق تلاش کرنا، پڑھنا لکھنا، عروج و زوال کی راہ کا متعین ہونا، سب اطلاع پر قائم ہے۔ اوسط عمر اگر ساٹھ سال ہو تو ایک آدمی بارہ کروڑ اکسٹھ لاکھ چوالیس ہزار اطلاعات میں زندگی گزارتا ہے۔ یعنی اوسط عمر میں انفارمیشن کا دورانیہ بارہ کروڑ اکسٹھ لاکھ چوالیس ہزار رہوا۔ تقریباً پونے تیرہ کروڑ اطلاعات پیدائش سے موت تک انسانی زندگی کا سرمایہ ہیں۔

چونکہ انسان زندہ رہنے کے قانون سے واقف نہیں ہے اس لئے بچانوے فیصد اطلاعات یا بچانوے فیصد زندگی ضائع ہو جاتی ہے۔ یہی اطلاعات اگر قدرت کے بنائے ہوئے اصولوں کے مطابق اگر قبول کی جائیں اور ان پر عمل درآمد ہو جائے تو انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اگر ایسا نہ ہو (جیسا کہ عام طور پر ہوتا نہیں ہے) تو انسان اشرف المخلوقات کے دائرے میں داخل نہیں ہوتا۔

اللہ کے کرم، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت اور حضور قلندر بابا اولیاء کی نسبت سے عظیمی صاحب ۲۹۷ سے زائد موضوعات پر طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ہر عنوان اس بات کی تشریح ہے کہ انسان اور حیوانات میں فرق یہ ہے کہ انسان اطلاعات (خیالات) اور مصدر اطلاعات سے وقوف حاصل کر سکتا ہے جبکہ حیوانات یا کائنات میں موجود دوسری کوئی مخلوق اس علم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی۔ کتاب آواز دوست، ماہانہ روحانی ڈائجسٹ کے ادارتی صفحات میں شامل کالم آواز دوست (دسمبر ۱۹۷۸ء تا دسمبر ۱۹۸۹ء) میں سے منتخب شدہ کالموں کا مجموعہ ہے۔ کتاب کی اشاعت کے بعد جنوری ۱۹۹۰ء سے یہی کالم ''صدائے جرس'' کے عنوان سے شائع ہو رہا ہے۔

روحانی ڈاک

قریباً ۲۰ سال کے عرصہ میں مسائل کے حل اور علاج معالجہ کے سلسلے میں اخبارات اور جرائد میں عظیمی صاحب کے شائع شدہ کالموں میں سے چیدہ چیدہ کالموں کی چار جلدوں کی کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

جلد اول۔ تاریخ اشاعت: ۱۹۹۱ء جلد دوئم۔ تاریخ اشاعت: ۱۹۹۲ء

جلد سوئم۔ تاریخ اشاعت:۱۹۹۳ء جلد چہارم۔تاریخ اشاعت:۱۹۹۴ء

پیراسائیکولوجی: تاریخ اشاعت:۱۹۹۲ء

اس کتاب میں عظیمی صاحب کے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۲ء کے دوران مختلف موضوعات پر دیئے گئے لیکچرز میں سے چند کو مضامین کی صورت میں ''پیراسائیکولوجی'' کے عنوان سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔

توجیہات: تاریخ اشاعت:۱۹۹۳ء

۱۹۷۸ء تا اپریل ۱۹۹۴ء تک مختلف اخبارات وجرائد میں شائع شدہ منتخب کالمز میں عظیمی صاحب سے کئے گئے سوالات کے جوابات کو کتابی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

نظریہ رنگ ونور: تاریخ اشاعت:۱۹۹۴ء

سائنسی دنیا نے جو علمی اور انقلابی ایجادات کی ہیں ان ایجادات میں فزکس اور سائیکولوجی سے آگے پیراسائیکولوجی کا علم ہے۔روحانیت دراصل تفکر، فہم اور ارتکاز کے فارمولوں کی دستاویز ہے۔

آپ نے اس کتاب میں طبیعات اور نفسیات سے ہٹ کر ان ایجنسیوں کا تذکرہ کیا ہے جو کائنات کی مشترک سطح میں عمل پیرا ہیں اور کائنات کے قوانین عمل کا احاطہ کرتی ہیں اور اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کائنات کی تخلیق میں کام کرنے والے فارمولوں سے کہاں تک واقف ہے۔یہ فارمولے اس کی دسترس میں ہیں یا نہیں اور ہیں تو کس حد تک ہیں۔انسان کے لئے ان کی افادیت کیا ہے اور ان سے آگاہی حاصل کر کے وہ کس طرح زندگی کو خوشگوار اور کامیاب بنا سکتا ہے۔

مراقبہ: تاریخ اشاعت:۱۹۹۵ء

اس کتاب میں عظیمی صاحب نے اپنی زندگی کے ۳۵ سال کے تجربات ومشاہدات کے تحت بیان فرمایا ہے کہ دنیا میں جتنی ترقی ہو چکی ہے اس کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دور علم وفن اور تسخیر کائنات کے

شباب کا دور ہے۔ انسانی ذہن میں ایک لامتناہی وسعت ہے جو ہر لمحہ اسے آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی ہے۔ صلاحیتوں کا ایک حصہ منصۂ شہود پر آچکا ہے لیکن انسانی انا کی ان گنت صلاحیتیں اور صفات ایسی ہیں جو ابھی مظہر خفی سے جلی میں آنے کے لئے بے قرار ہیں۔ انسانی صلاحیتوں کا اصل رخ اس وقت حرکت میں آتا ہے جب روحانی حواس متحرک ہو جاتے ہیں۔ یہ حواس ادراک و مشاہدات کے دروازے کھولتے ہیں جو عام طور سے بند رہتے ہیں۔ انہی حواس سے انسان آسمانوں اور کہکشانی نظاموں میں داخل ہوتا ہے۔ غیبی مخلوقات اور فرشتوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ روحانی حواس کو بیدار کرنے کا مؤثر طریقہ مراقبہ ہے۔ روحانی، نفسیاتی اور طبی حیثیت سے مراقبہ کے بے شمار فوائد ہیں۔ مراقبہ سے انسان اس قابل ہو جاتا ہے کہ زندگی کے معاملات میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکے۔ ۷۴ عنوانات کے ذریعے آپ نے مراقبہ ٹیکنالوجی پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ مراقبہ کیا ہے اور مراقبہ کے ذریعے انسان اپنی مخفی قوتوں کو کس طرح بیدار کر سکتا ہے۔

خواب اور تعبیر: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۶ء

چھ ارب انسانوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جو خواب نہ دیکھتا ہو اور خواب کے تاثرات سے متاثر نہ ہو۔ قرآن اور تمام آسمانی کتابوں میں خوابوں کا تذکرہ موجود ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ تالیف خواب اور تعبیر میں آپ نے عرض کیا ہے کہ دانشوروں کا یہ کہنا کہ خواب محض خیالات کی پیداوار ہے، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک مخصوص گروہ کے اس خیال کو اہمیت دی جائے کہ خواب محض خیال کی پیداوار ہے تو یہ ایک غیر سائنسی، غلط رویے کو قبول کرنے کے مترادف ہوگا۔ آپ نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ خواب کیوں نظر آتے ہیں، رنگین خواب کیوں نظر آتے ہیں، خواب کیوں نظر نہیں آتے، مختلف بیماریوں میں مبتلا ہونے کے بعد خوابوں پر ان بیماریوں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کتاب میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے ساتھ ساتھ انبیاء، خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین کرام، اولیاء اللہ اور مشاہیر وغیرہ کے خواب بھی شامل اشاعت ہیں۔

محمد رسول اللہ جلد اول: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۶ء

عظیمی صاحب کی دانست میں سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار پہلو ایسے ہیں جن پر بہت زیادہ

کام کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ اللہ کے محبوب رسول اللہ ﷺ کی روحانی زندگی

۲۔ معجزات رسول اللہ ﷺ کی سائنسی توجیہات

۳۔ کہکشانی دنیاؤں سے خاتم النبیین ﷺ کا براہ راست تعلق

۴۔ قرآن پاک میں تخلیق کائنات کے فارمولوں (معاد) کی تشریح

یہ کتاب سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پاک کے اس حصہ کا مجمل خاکہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ۲۳ سال جدوجہد اور کوشش فرمائی۔

الٰہی مشن کی ترویج کے راستے میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی پریشانیوں اور ذہنی اذیتوں میں گزر گئی اور بالآخر آپ ﷺ اللہ کا پیغام پہنچانے میں کامیاب و کامران ہوگئے۔ آپ ﷺ اللہ سے راضی ہوگئے اور اللہ آپ ﷺ سے راضی ہوگیا۔

یہاں عظیمی صاحب کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خصوصی نسبت کے حوالے سے چند اہم واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔ وسط ۱۹۶۶ء میں آپ نے آقائے کونین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں التجا کی، یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کا غلام ہوں، مجھے اپنے ذاتی خدمت گاروں کی حیثیت میں قبول فرما لیجئے۔ حضرت اویس قرنی سے ہاتھ جوڑ کر نہایت عاجزانہ گزارش کی کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس غلام کی سفارش فرما دیجئے۔ حضرت اویس قرنی نے وعدہ فرما لیا۔

حضرت بلال حبشی تشریف لائے۔ آپ نے ہاتھ جوڑ کر اور گڑگڑا کر درخواست کی، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے ہیں، عاشق رسول ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خدام کے بڑے ہیں۔ میری التجا اور عرض ہے کہ آپ اس غلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی خدمت گاروں میں جگہ دلوا دیں۔ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آداب رسول اللہ سیکھ لوں گا۔ اور انشاءاللہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔ حضرت بلال حبشی نے بھی رضامندی ظاہر فرما دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں آپ کی غلامی کا مسئلہ پیش ہوا۔ کچھ توقف کے بعد سید البشر، فخر کائنات، رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو غلامی میں قبول فرما لیا۔ تقریباً ایک سال کے عرصہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو خادم خاص کی حیثیت عطا فرمائی۔

ایک موقع پر باعث تخلیق کائنات سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضری کے دوران اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک آنکھوں سے لگانے اور لرزتے ہونٹوں سے چومنے کی

سعادت نصیب ہوئی۔ آپ سراپائے اقدس ومطہر ومکرم میں اس قدر غرق ہو گئے کہ خود کو بھول گئے اور عالم کیف و وجدان میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے مہر نبوت کا مشاہدہ کرایا۔ آپ نے مہر نبوت کو دیکھ کر والہانہ انداز سے بوسہ دیا اور آنکھوں سے چھوا۔

شیخ طریقت محمد قاسم مشوری شریف رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد رشید محترم وزیر حسین شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے مرشد کامل نے فرمایا تھا کہ تاریخ میں حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد عظیمی صاحب دوسری شخصیت ہیں جنہیں مہر نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر بوسہ دینے کی سعادت حاصل ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِکْ وَ سَلِّم

محمد رسول اللہ (جلد دوئم): تاریخ اشاعت: ۱۹۹۷ء

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر ان گنت صفحات لکھے جا چکے ہیں اور آئندہ لکھے جاتے رہیں گے لیکن چودہ سال میں ایسی کوئی تصنیف منظر عام پر نہیں آئی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی روحانی اور سائنسی توجیہات اور حکمت پیش کی گئی ہو۔ یہ سعادت آپ کے نصیب میں آئی ہے۔ ایک سعید رات آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضری کا موقع ملا۔ دربار رسالت میں ایک فوجی کی طرح Attention جاں نثار غلاموں کی طرح مستعد، پرجوش اور باحمیت نوجوان کی طرح آنکھیں بند کئے دربار میں حاضر تھے۔

آہستہ روی کے ساتھ عشق و سرمستی کے خمار میں ڈوب کر دو قدم آگے آئے اور عرض کیا،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

بات بہت بڑی ہے، منہ بہت چھوٹا ہے ....

میں اللہ رب العالمین کا بندہ ہوں ....

آپ رحمت للعالمین ﷺ کا امتی ہوں ....

یہ جرأت بے باکانہ نہیں، ہمت فرزانہ ہے ....

میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

یہ عاجز، مسکین، ناتواں بندہ ....

آپ ﷺ کی سیرت مبارک لکھنا چاہتا ہے ....

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

سیرت کے کئی پہلو ابھی منظر عام پر نہیں آئے ....

مجھے صلاحیت عطا فرمایئے کہ............

میں معجزات کی تشریح کرسکوں۔

آپ نے بند آنکھوں سے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ملاحظہ فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر مسکراہٹ ہے۔آپ اس سرمستی میں سالوں مدہوش رہے۔خیالوں میں مگن، گھنٹوں ذہن کی لوح پر تحریریں لکھتے رہے۔سیرت کے متعلق ہر وہ کتاب جو آپ کو دستیاب ہوسکی اللہ نے پڑھنے کی توفیق عطا کی اور بالآخر ایک دن ایسا آیا کہ کتاب محمد رسول اللہ جلد دوئم کی تحریر کا آغاز ہوگیا۔

معمولات مطب: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۸ء

اس کتاب میں رنگ، روشنی، دعا اور جڑی بوٹیوں سے تجویز کردہ ۴۰ سے زائد طریقہ علاج کو مرتب کیا گیا ہے۔

کلر تھراپی: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۸ء

اس کتاب میں عظیمی صاحب نے رنگوں کی تاریخ، رنگوں میں روشنی کا طول موج اور فریکوئنسی، رنگوں کی تخلیق، رنگ فی الواقع کیا ہیں، رنگوں سے متعلق موجودہ سائنسی نظریات، رنگوں سے متعلق روحانی نظریہ، کائنات میں رنگ اور لہروں کا نظام، لہروں کی تقسیم سے حواس کا بننا اور لہروں کی کمی بیشی سے انسان کے اندر لاشمار خلیات میں ہونے والی کیمیائی تبدیلیوں وغیرہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔

اس کتاب کو نصاب کی طرز پر مرتب کیا گیا ہے جس سے مستقبل کے غیر جانبدار محقق کے لئے تحقیق و تلاش کے نئے روزن کھلیں گے۔

شرح لوح وقلم: تاریخ اشاعت: ۱۹۹۹ء

امام سلسلہ عظیمیہ کی تصنیف ''لوح وقلم'' روحانی سائنس پر پہلی کتاب ہے جس میں کائناتی نظام اور تخلیق کے فارمولے بیان کئے گئے ہیں۔ان فارمولوں کو سمجھانے کے لئے عظیمی صاحب نے متوسلین و سالکین کے لئے یکم فروری ۱۹۸۴ء میں باقاعدہ لیکچرز کا آغاز کیا جو تقریباً ساڑھے تین سال تک متواتر جاری رہے۔علم دوست افراد کے لئے آپ کے ان لیکچرز کو کتابی صورت میں ترتیب دے کر پیش کیا گیا ہے۔

سالفورڈ یونیورسٹی (برطانیہ) میں ڈیپارٹمنٹ آف Rehabilitation کے BSc آنرز کے نصاب میں یہ کتاب شامل ہے۔

بڑے بچوں کے لئے: تاریخ اشاعت:۲۰۰۱ء

۲۰۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں عظیمی صاحب کی تحریر کردہ کتب اور دیگر اخبارات وجرائد میں شائع شدہ تحریرات میں بیان کردہ اسرارورموز کو اقوال زریں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

محمد رسول اللہ (جلد سوئم): تاریخ اشاعت:۲۰۰۲ء

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس میں کوئی سورہ، کوئی آیت اور کوئی نقطہ مفہوم ومعانی سے خالی نہیں ہے۔ اللہ کے علوم لامتناہی ہیں۔ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ ہم لوگوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر خود بھی قدم بڑھائیں اور اللہ کی نعمتوں کے معمور خزانوں سے فائدہ اٹھائیں۔ قرآن پاک میں انبیاء سے متعلق جتنے واقعات بیان ہوئے ہیں ان میں ہمارے لئے اور تمام نوع انسانی کیلئے ہدایت اور روشنی ہے۔ کتاب محمد رسول اللہ جلد سوئم میں عظیمی صاحب نے مختلف انبیاء کرام کے واقعات میں روحانی نقطۂ نظر سے اللہ تعالیٰ کی حکمت بیان فرمائی ہے۔

اللہ کے محبوب: تاریخ اشاعت:۲۰۰۲

اس کتاب میں قرآن پاک کے تخلیقی قوانین، سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام اور سیرت طیبہ کے روحانی پہلوؤں پر عظیمی صاحب کے خطابات کو جمع کیا گیا ہے۔

ایک سو ایک اولیاء اللہ خواتین: تاریخ اشاعت:۲۰۰۲ء

عورت اور مرد دونوں اللہ کی تخلیق ہیں مگر ہزاروں سال سے زمین پر عورت کے بجائے مردوں کی حاکمیت ہے۔ عورت کو صنف نازک کہا جاتا ہے۔

صنف نازک کا یہ مطلب سمجھا جاتا ہے کہ عورت وہ کام نہیں کر سکتی جو کام مرد کر لیتا ہے۔ عورت کو ناقص العقل بھی کہا گیا ہے۔ سو سال پہلے علم وفن میں بھی عورت کا شمار کم تھا۔ روحانیت میں بھی عورت کو وہ درجہ

نہیں دیا گیا جس کی وہ مستحق ہے۔غیر جانبدار زاویے سے مرد اور عورت کا فرق ایک معمہ بنا ہوا ہے۔

آپ نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا کردہ علوم کی روشنی میں کوشش فرمائی ہے کہ عورت اپنے مقام کو پہچان لے اور اس کوشش کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک سو ایک اولیاء خواتین کے حالات، کرامات اور کیفیات کی تلاش میں کامیاب ہوئے۔یہ کہنا خود فریبی کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ عورتوں کی صلاحیت مردوں سے کم ہے یا عورتیں روحانی علوم نہیں سیکھ سکتیں۔آپ نے اس کتاب میں پیشن گوئی فرمائی ہے کہ زمین اب اپنی بیلٹ تبدیل کر رہی ہے۔دو ہزار چھ کے بعد اس میں تیزی آجائے گی اور اکیسویں صدی میں عورت کو حکمرانی کے وسائل فراہم ہو جائیں گے۔

صدائے جرس: تاریخ اشاعت: ۲۰۰۳ء

ماہنامہ روحانی ڈائجسٹ میں عظیمی صاحب کے سیکڑوں اوراق پر پھیلے ہوئے مستقل کالم ''صدائے جرس'' کو کتابی صورت میں پیش کرنے کیلئے ڈائجسٹ کے ۶۵ سے زائد شماروں کا انتخاب صحیح معنوں میں دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔

روحانی حج وعمرہ: تاریخ اشاعت: ۲۰۰۳ء

چار ابواب پر مشتمل اس کتاب کے باب اول میں تمام مقدس مقامات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔باب دوئم میں حج وعمرہ کا طریقہ اور باب سوئم میں ارکین حج وعمرہ کی حکمت بیان کی گئی ہے۔

جب کہ باب چہارم میں چودہ سو سال میں گزرے ہوئے اور موجودہ صدی میں موجود ایسے مرد و خواتین بزرگوں کے مشاہدات و کیفیات جمع کیے گئے ہیں جن کو دوران حج وعمرہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیض حاصل ہوا ہے اور جن خواتین و حضرات کو خالق اکبر، اللہ وحدہ لاشریک کا صفاتی دیدار نصیب ہوا ہے۔

خواتین کے مسائل: تاریخ اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۳ء

اس کتاب میں مسائل کے حل کے لئے آپ کے شائع شدہ کالمز میں سے خواتین کے مسائل کے عنوان کے تحت منتخب کالمز کو شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

ذات کا عرفان: تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۰۴ء

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان، پاکستان کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے نصاب میں شامل اس کتاب کے تعارف میں پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ چوہدری صاحب (وائس چانسلر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی) تحریر کرتے ہیں۔

تصوف کی حقیقت، صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کی سوانح، ان کی تعلیمات اور معاشرتی کردار کے حوالے سے بہت کچھ لکھا گیا اور ناقدین کے گروہ نے تصوف کو بزعم خود ایک الجھا ہوا معاملہ ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود تصوف کے مثبت اثرات ہر جگہ محسوس کئے گئے۔ آج مسلم امہ کی حالت پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہماری عمومی صورتحال زبوں حالی کا شکار ہے۔

گزشتہ صدی میں اقوام مغرب نے جس طرح سائنس اور ٹیکنالوجی میں اوج کمال حاصل کیا سب کو معلوم ہے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان ممالک روشن خیالی اور جدت کی راہ اپنا کر اپنے لئے مقام پیدا کرتے اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت و طریقت کی روشنی میں اپنی مادی ترقی کو اخلاقی قوانین کا پابند بنا کر ساری دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کرتے۔ ایک ایسا نمونہ جس میں فرد کو نہ صرف معاشی آسودگی حاصل ہو بلکہ وہ سکون کی دولت سے بھی بہرہ ور ہو مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا۔ انتشار و تفریق کے باعث مسلمانوں نے خود ہی تحقیق و تدبر کے دروازے اپنے اوپر بند کر لئے اور محض فقہ و حدیث کی مروجہ تعلیم اور چند ایک مسئلے مسائل کی سمجھ بوجھ کو کافی سمجھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج اکیسویں صدی کے مسلم معاشروں میں بے سکونی اور بے چینی کے اثرات واضح طور پر محسوس کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت اور شریعت و طریقت کے سرمدی اصولوں نے مسلمانوں کو جس طرز فکر اور معاشرت کا علمبردار بنایا ہے، اس میں بے چینی، ٹینشن اور ڈپریشن نام کی کوئی گنجائش نہیں۔

خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تصنیف ''احسان و تصوف'' کا مسودہ مجھے کنور ایم طارق، انچارج مراقبہ ہال ملتان نے مطالعہ کے لئے دیا اور میں نے اسے تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے پڑھا۔ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا نام موضوع کے حوالہ سے باعث احترام ہے۔ نوع انسانی کے اندر بے چینی اور بے سکونی ختم کرنے، انہیں سکون اور تحمل کی دولت سے بہرہ ور کرنے اور روحانی قدروں کے فروغ اور ترویج کیلئے ان کی کاوشیں ناقابل فراموش ہیں۔ ایک دنیا ہے جسے آپ نے راہ خدا کا مسافر بنا دیا۔ وہ سکون کی دولت گھر گھر بانٹنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ زیر نظر کتاب تصوف پر لکھی گئی کتابوں میں ایک منفرد و مستند کتاب ہے۔

جس خوبصورت اور عام فہم انداز میں تصوف کی تعریف کی گئی ہے اور عالمین اور زمان و مکان کے

سربستہ رازوں سے پردہ ہٹایا گیا ہے یہ صرف عظیمی صاحب ہی کا منفرد انداز اور جداگانہ اسلوب بیان ہے۔
عظیمی صاحب نے موجودہ دور کے شعوری ارتقاء کو سامنے رکھتے ہوئے تصوف کو جدید سائنٹیفک انداز میں بیان کیا ہے۔مصنف نے کوشش کی ہے کہ عبادات مثلاً نماز، روزہ اور حج کا تصوف سے تعلق، ظاہری اور باطنی علوم میں فرق، ذکر و فکر کی اہمیت، انسانی دماغ کی وسعت اور عالم اعراف کا ادراک جیسے ہمہ گیر اور پر اسرار موضوعات کو سادہ اسلوب میں اور بڑے دلنشیں پیرائے میں بیان کیا جائے تاکہ قاری کے ذہن پر بار نہ ہو اور اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہے ہے۔

میرے لئے یہ امر باعث اطمینان ہے کہ یہ کتاب بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ علوم اسلامیہ کے توسط سے شائع ہو رہی ہے۔ میں عظیمی صاحب کی اس کاوش کو سراہتا ہوں کہ انہوں نے طلباء کی ہدایت اور راہنمائی اور علمی تشنگی کو بجھانے کے لئے یہ کتاب تحریر فرمائی۔ میں عظیمی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے یہ کتاب عامتہ المسلمین اور اعلیٰ تعلیم کے حصول کے خواہشمند افراد سب کے لئے یکساں مفید ثابت ہو، معاشرہ میں تصوف کا صحیح عکس اجاگر ہو اور الٰہی تعلیمات کو اپنا کر ہم سب دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ آمین

خطباب ملتان: تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۰۷ء

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ میں فیکلٹی ممبر کی حیثیت سے تصوف اور سیرت طیبہ کے موضوعات پر لیکچرز ڈلیور کئے ہیں۔

ان لیکچرز میں شعبہ علوم اسلامیہ کے طالبات اور طلباء کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات کے ڈین، پروفیسرز اور لیکچرار بھی اپنے طالب علموں کے ساتھ شریک درس ہوتے رہے ہیں۔اس کتاب میں عظیمی صاحب کے لیکچرز اور ان کے بعد سوال و جواب کی نشستوں کو انیس عنوانات کے تحت شامل اشاعت کیا گیا ہے۔

اسلامیاب: تاریخ اشاعت: ۲۰۰۷ء

''حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ایک بزرگ کی حیثیت سے موجودہ اور آنے والی نسلوں کے مذہبی افکار کی تطہیر، دین اور دنیا میں ہم آہنگی و توازن پیدا کرنے کے لئے، اخلاق کو سنوارنے کے لئے،

شک اور وسوسوں کی جگہ ان کے اندر یقین پیدا کرنے کے لئے ،غیظ وغضب کی جگہ محبت والفت سے مانوس کرنے کے لئے ، بڑوں کا احترام کرنے کے لئے پہلی تا آٹھویں جماعت کے لئے درسی کتابیں ''اسلامیات'' تحریر فرمائی ہیں۔ آٹھ جلدوں پر مشتمل یہ درسی کتب پاکستان کے متعدد اسکولوں کے نصاب میں شامل ہیں۔''

عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قسم ہے زمانہ کی ،انسان خسارہ اور نقصان میں ہے مگر وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو رسالت اور قرآن کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ القرآن

پیدائش کے بعد انسان کا تعلق تین نظاموں سے ہے۔ پہلا نظام وہ ہے جہاں اس نے خالق حقیقی کو دیکھ کر اس کے منشاء کو پورا کرنے کا عہد کیا۔ دوسرا نظام وہ ہے جس کو ہم عالم ناسوت، دارالعمل یا امتحان گاہ کہتے ہیں اور تیسرا نظام وہ ہے جہاں انسان کو امتحان کی کامیابی یا ناکامی سے باخبر کیا جاتا ہے۔

انسان کی کامیابی کا دارومدار اس حقیقت پر ہے کہ وہ جان لے کہ اس نے اللہ کے سامنے عہد کیا ہے کہ اللہ اس کا خالق اور رب ہے۔علمائے باطن کہتے ہیں کہ انسان ستر ہزار پرت کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق انسان جب عالم ناسوت میں آتا ہے تو اس کے اوپر ایسا پرت غالب آجاتا ہے جس میں سرکشی ، بغاوت ،عدم تحفظ ،عدم تعمیل ،کفران نعمت ، ناشکری ، جلد بازی ، شک ، بے یقینی اور وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہی وہ ارضی زندگی ہے جس کو قرآن پاک نے اسفل السافلین کہا ہے۔

انبیاء کرام کی تعلیمات یہ ہیں کہ پوری کائنات میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں۔ایک طرز اللہ کے لئے پسندیدہ ہے اور دوسری طرز اللہ کے لئے ناپسندیدہ ہے۔ ناپسندیدہ طرز جو بندے کو اللہ سے دور کرتی ہے اس کا نام شیطنت ہے اور پسندیدہ طرز فکر جو اللہ سے بندے کو قریب کرتی ہے اس کا نام رحمت ہے۔

انسان کا کردار اس کی طرز فکر سے تعمیر ہوتا ہے۔طرز فکر میں اگر پیچ ہے تو آدمی کا کردار بھی پیچ بن جاتا ہے۔ طرز فکر الٰہی قانون کے مطابق راست ہے تو بندے کی زندگی میں سادگی اور راست بازی کارفرما ہوتی ہے۔ طرز فکر اگر سطحی ہے تو بندہ سطحی طریقہ پر سوچتا ہے۔ طرز فکر میں گہرائی ہے تو بندہ شئے کی حقیقت جاننے کے لئے تفکر کرتا ہے۔

جس قسم کا ماحول ہوتا ہے اسی طرز کے نقوش کم وبیش ذہن میں نقش ہو جاتے ہیں۔ جس حد تک یہ نقوش گہرے ہوتے ہیں اسی مناسبت سے انسانی زندگی میں طرز فکر کی تشکیل ہوتی ہے۔ ماحول اگر ایسے کرداروں سے بنا ہے جو ذہنی پیچیدگی ، بے یقینی ، بددیانتی ،تخریب اور ناپسندیدہ اعمال کا مظاہرہ کرتے ہیں تو

فرد کی زندگی ابتلا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ماحول میں اگر راست بازی اور اعلیٰ اخلاقی قدریں موجود ہیں تو ایسے ماحول میں پروان چڑھنے والا فرد پاکیزہ نفس اور حقیقت آشنا ہوتا ہے۔

جتنے بھی پیغمبر علیہم السلام تشریف لائے سب کی طرز فکر یہ تھی کہ ماورائی ہستی کے ساتھ ہمارا رشتہ قائم ہے۔ یہی روحانی طرز فکر ہے، یہی مثبت طرز فکر ہے اور یہی رشتہ کائنات کی رگ جان ہے۔ مثبت طرز فکر مسلسل ایک عمل ہے جو بندہ کے اندر خون کی طرح دور کرتا رہتا ہے۔

صدیوں پرانی روایات اور جہالت کی گرد سے اٹا ہوا ماحول آدمی کے اندر سے فہم کا چشمہ خشک کر دیتا ہے۔ ہم جب بچوں کو جہالت سے معمور ماحول سے الگ کر کے علمی ماحول میں داخل کرتے ہیں..........تو..........دراصل جہالت کے خلاف اعلان بغاوت کرتے ہیں۔

طالبات اور طلباء کے لئے پہلی جماعت سے آٹھویں جماعت تک مرتب کی گئی ہر کتاب کو نصاب کی طرز پر پانچ سے چھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

باب اول۔ قرآن مجید

الف۔ ناظرہ ب۔ حفظ قرآن معہ ترجمہ

قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اور ان حقائق و معارف کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے بوسیلہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل فرمائے۔ قرآن مجید کا ہر لفظ انوار و تجلیات کا ذخیرہ ہے۔ ان الفاظ میں نوری تمثلات اور معانی کی وسیع دنیا موجود ہے۔ اس باب میں طالبات اور طلباء کو پابند کیا گیا ہے کہ آیات قرآنی کو معانی کے ساتھ یاد کیا جائے تاکہ ان پر قرآن پاک کی آیات اپنی پوری جامعیت اور معنویت کے ساتھ روشن ہو جائیں۔

باب دوئم۔ ایمانیات و عبادات

بندے کے اوپر اللہ کا یہ حق ہے کہ بندے کو اللہ کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو۔ اس کا دل اللہ کی محبت سے سرشار ہو، اس کے اندر عبادت کا ذوق اور اللہ کے عرفان کا تجسس کروٹیں لیتا ہو۔ بندے کا اللہ کے ساتھ اس طرح تعلق استوار ہو جائے کہ بندگی کا ذوق اس کی رگ رگ میں رچ بس جائے اور بندہ پورے ہوش و حواس کے ساتھ جان لے کہ اللہ کے ساتھ میرا ایسا رشتہ ہے جو کسی آن، کسی لمحہ اور کسی وقفہ میں نہ ٹوٹ سکتا

ہے، نہ معطل ہوسکتا ہے اور نہ ختم ہوسکتا ہے۔

عظیمی صاحب نے اس باب میں ایمانیات و عبادات کے حوالے سے بنیادی معلومات تحریر فرمائی ہیں۔

باب سوئم۔حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس باب میں کوشش کی گئی ہے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بچے اس پر عمل کریں اور جن چیزوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے ان تمام چیزوں سے احتراز کریں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ساز سیرت طیبہ کو حرز جان بنا کر بلاشبہ ہم دنیا میں کامران اور آخرت میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرخرو ہوسکتے ہیں۔

باب چہارم۔نور کے مینار

عظیمی صاحب نے اس باب میں انبیاء علیہم السلام اور امہات المومنین کی حیات طیبہ کے حوالے سے مختصر تذکرے تحریر فرمائے ہیں۔

باب پنجم۔اللہ کی نشانیاں

مطالعہ کائنات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن میں وضو، نماز، صوم و زکوٰۃ، حج، طلاق، قرض وغیرہ پر ڈیڑھ سو آیات ہیں اور تسخیری فارمولوں، مطالعہ کائنات سے متعلق سات سو چھپن آیات ہیں۔اپنے اسلاف کے ورثہ علم کو فطری قوانین اور سائنسی توجیہات کے مطابق سمجھانے اور قرآن کریم کی ہر ہر قدم پر تفکر کی کھلی دعوت قبول کرانے کے لئے عظیمی صاحب نے اس باب میں کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے شاگردوں میں تحقیق و تفکر کے ذوق کو بیدار کرنے کی کوشش فرمائی ہے تاکہ اس تفکر کے نتیجہ میں وہ نور علیٰ نور فہم و فراست سے واقف ہو کر میدان عمل میں اتریں اور اس بات سے واقف ہوجائیں کہ علم بے عمل، جہالت ہے۔

باب ششم ۔ اخلاقیات

اسلام کسی ایک شعبہ کا نام نہیں ہے ۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلام نظام زندگی کا مرکز ہے، ایک وحدت ہے، ایک یونٹ ہے، ایک روشن شاہراہ ہے ۔ اسلام ایک ایسا دریا ہے جس میں سے ہدایت کی شفاف نہریں نکلتی ہیں ۔ یہ نہریں زبان اور دل کے یقین کے ساتھ ایمان ہیں ۔ مٹی کی سڑاند سے بنے ہوئے اسفل جذبات کو کنٹرول کر کے اعلیٰ جذبات میں داخل ہونا اسلام ہے ۔ اللہ کی مخلوق کے لئے راحت اور آسائش کے وسائل فراہم کرنا اسلام ہے ۔ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے اس باب میں طالبات اور طلباء کو اخلاقیات کے حوالے سے معلومات فراہم کی ہیں ۔

بچوں کے محمد ﷺ : تاریخ اشاعت : جنوری ۲۰۰۹ء

اس کتاب کے تعارف میں عظیمی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مقام عطا کیا ہے وہ ازل سے ابد تک قائم رہے گا ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ مقام پر تمام انبیاء علیہم السلام فخر کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

آج کے دن میں نے دین کی تکمیل کر دی اور اپنی تمام نعمتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پوری کر دیں ۔

سورۃ المائدہ:۳

نعمتیں پوری ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو جتنی فضیلت اور نعمتیں عطا کی ہیں وہ تمام نعمتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دین کی تکمیل کر دی ہے ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے رہنمائی موجود ہے اور یہ رہنمائی گزرے ہوئے وقتوں میں بھی قابل عمل تھی، آج بھی قابل عمل ہے، سائنس آج سے سو گنا زیادہ ترقی کر لے تب بھی یہ راہنمائی نوع انسانی کے لئے مشعل راہ ہے ۔

جب ہم قرآن کی تعلیمات میں غور وفکر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کے بغیر کامیاب زندگی نہیں گزاری جاسکتی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

یقیناً رسول اللہ صلی اللہ تمہارے لئے بہترین مثال ہے ۔ سورۃ الاحزاب:۲۱

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور محبت کے لئے ضروری ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بار بار مطالعہ کریں۔

جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی گزاری ہے ہم بھی اس کا عملی مظاہرہ کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس عمل کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا ہے ہم وہ عمل کریں اور جس عمل سے منع فرمایا ہے ہم وہ عمل نہ کریں۔

کتاب ''بچوں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' تین حصوں میں شائع کی گئی ہے۔ حصہ اول میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور تبلیغ اسلام کے ابتدائی حالات کا تذکرہ ہے۔ حصہ دوئم میں اسلام کی تبلیغ کے دوران پیش آنے والی مشکلات کا ذکر ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہتے ہوئے دس سال تک تکالیف برداشت کرتے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکل حالات میں تعلیم، صحت، روزگار اور رہن سہن جیسے مسائل کو فہم وفراست اور مکمل منصوبہ بندی کے ساتھ کس طرح حل فرمایا۔

معجزات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم: تاریخ اشاعت: جنوری ۲۰۰۹ء

اس کتاب میں بچوں کی ذہنی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے مؤثر اور خوبصورت انداز میں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو پیش کیا گیا ہے۔

تصانیف وتالیفات کے تراجم

اردو زبان کے علاوہ دیگر زبانوں سے تعلق رکھنے والے علم دوست خواتین وحضرات تک مثبت طرز فکر کی ترسیل کے لئے عظیمی صاحب کی تصانیف وتالیفات کا مختلف زبانوں میں تراجم کا آغاز ۱۹۹۲ء میں کیا گیا۔

اب تک منظر عام پر آنے والے تراجم کی فہرست درج ذیل ہے۔

انگریزی

۱۔	قلندر شعور	۱۹۹۲ء
۲۔	پیراسائیکولوجی	۱۹۹۴ء

۳۔ ٹیلی پیتھی سیکھئے ۱۹۹۳ء

۴۔ محمد رسول اللہ (اول) ۲۰۰۰ء

۵۔ روحانی علاج ۲۰۰۱ء

۶۔ شرح لوح وقلم ۲۰۰۲ء

۷۔ مراقبہ ۲۰۰۵ء

۸۔ محمد رسول اللہ (اول، دوئم) ۲۰۰۵ء

۹۔ محمد رسول اللہ (سوئم) ۲۰۰۷ء

۱۰۔ کلر تھراپی ۲۰۰۷ء

۱۱۔ کشکول ۲۰۰۸ء

۱۲۔ احسان وتصوف ۲۰۰۹ء

۱۳۔ آواز دوست ۲۰۰۹ء

عربی

۱۔ تجلیات ۱۹۹۵ء

۲۔ روحانی نماز ۱۹۹۸ء

پنجابی

۱۔ محمد رسول اللہ (اول) ۲۰۰۴ء

تھائی

۱۔ قلندر شعور ۲۰۰۴ء

فارسی

۱۔ روحانی علاج ۱۹۹۴ء

۲۔ قلندر شعور ۱۹۹۵ء

۳۔ تذکرہ قلندر بابا اولیاء ۱۹۹۹ء

سندھی

۱۔ تذکرہ قلندر بابا اولیاء ۲۰۰۰ء

۲۔ محمد رسول اللہ (اول) ۲۰۰۵ء

۳۔ قلندر شعور ۲۰۰۹ء

روسی

۱۔ قلندر شعور ۲۰۰۳ء

۲۔ ٹیلی پیتھی سیکھئے ۲۰۰۴ء

کتابچوں کی اشاعت

اب تک منظر عام پر آنے والی کتب سے روشناس کرانے کے لئے عظیمی صاحب نے سادہ سلیس طرز تحریر میں مختلف موضوعات پر ۸۰ سے زائد کتابچے تحریر فرمائے ہیں۔

آپ کے تحریر کردہ کتابچوں کے مجموعے درج ذیل عنوانات کے تحت کتابی صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

۱۔ اسم اعظم ۱۹۹۵ء

۲۔ قوس قزح ۲۰۰۲ء

۳۔ محبوب بغل میں ۲۰۰۳ء

عظیمیہ روحانی لائبریریز کا قیام

لوگوں کو جدید و قدیم اور روحانی علوم سیکھنے کی طرف راغب کرنے اور ان کے اندر تحقیق و تلاش کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے ۱۳ اکتوبر ۱۹۹۷ء کو کراچی میں پہلی عظیمیہ روحانی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ الحمدللہ! عظیمیہ روحانی لائبریریز کے قیام سے پریشان حال مخلوق کو اس نفسانفسی کے عالم میں سکون ملا ہے اور ان کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے روحانی قدریں اجاگر ہوئی ہیں۔ انفرادی افسوس ختم ہوا ہے اور اجتماعی شعور پیدا ہوا ہے۔ ملک اور بیرون ملک عظیمی صاحب کی زیر سرپرستی ۱۰۰ سے زائد لائبریریز قائم ہیں جبکہ مرکزی مراقبہ ہال میں ایک مرکزی لائبریری قائم ہے جس میں تحقیق کے لئے کتب کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔

آڈیو وڈیو کیسٹس

اس شعبہ کے تحت عظیمی صاحب کے مختلف مواقع پر دیئے گئے لیکچرز اور خطابات کے ۳۱۸ سے زائد آڈیو وڈیو کیسٹس دستیاب ہیں۔

شعبہ تعلقات عامہ

ستائیسویں شریف کا لنگر

اگست ۱۹۸۴ء امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاء کے وصال کی تاریخ کی مناسبت سے ستائیسویں شریف کے لنگر کا آغاز کیا گیا تھا۔ ہر ماہ کی ستائیس تاریخ کو باقاعدگی سے ستائیسویں شریف کے لنگر کا اہتمام شعبہ تعلقات عامہ کے لئے باعث اعزاز ہے۔

عرس حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب حضور قلندر بابا اولیاء کی مجموعی فکر کے ہی نہیں بلکہ عمل کے بھی وارث ہیں۔سلسلہ عظیمیہ میں آپ کی حیثیت خانوادہ کی ہے۔روحانی اصطلاح میں خانوادہ اسے کہا جاتا ہے جسے امام سلسلہ اپنا ذہن منتقل کردے۔خانوادہ امام سلسلہ کا مثل ہوتا ہے۔

روحانی بندے کے اختیارات نیابت اور خلافت کے دائرے میں کام کرتے ہیں۔نیابت کے علوم کائنات کے انتظامی اور تخلیقی فارمولوں کے علوم ہیں۔اس شعبہ کو ''شعبہ تکوین'' کہا جاتا ہے۔خلافت کے علوم رشد و ہدایت کے علوم ہیں۔اس شعبہ کو ''شعبہ ارشاد'' کہا جاتا ہے۔عظیمی صاحب نیابت و خلافت کے دونوں شعبوں سے منسلک ہیں۔آپ نے زندگی کے ہر شعبے میں عملی طور پر اس امر کا اظہار فرمایا ہے کہ کس طرح معاشرتی اور روحانی زندگی کی طرزوں میں توازن قائم رکھا جا سکتا ہے۔آپ کی طبیعت میں جہاں ایک طرف فقر و سادگی نظر آتی ہے تو دوسری طرف آپ نے رہبانیت کا سدباب بھی کیا ہے۔آپ نے اپنے طرز عمل سے اس اصول کا مظاہرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہو۔

عظیمی صاحب کا لباس موسمی تحفظ، سادگی، نفاست، وقار اور معیاری ذوق کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ کپڑوں کیلئے سفید رنگ مرغوب ہے۔نفاست کا یہ عالم ہے کہ آپ کے روزمرہ کے استعمال کے کپڑے اور استعمال کی اشیاء کبھی میلی نہیں دیکھی گئیں۔عموماً سر سے چپکی ہوئی ٹوپی اوڑھتے ہیں۔اٹھی ہوئی باڑ دار ٹوپی اور سلے ہوئے کپڑے کی دبیز ٹوپی بھی مستعمل ہے۔آپ کے کمرے میں موجود عطر دان میں ہمہ وقت بہترین

خوشبویات موجود رہتی ہیں۔ آپ کی چال، وقار اور احساس ذمہ داری کی ترجمان ہے۔ چلتے وقت قدم جما کر اور کھلے کھلے رکھتے ہیں۔

عظیمی صاحب! اراکین سلسلہ عظیمیہ کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ جہاں تک پیری مریدی کا تعلق ہے میں اس سے الرجک ہوں، میرا رشتہ ایک روحانی استاد کا ہے۔ کوئی صاحب مجھ سے منسلک ہوجاتے ہیں تو وہ میرا دوست اور میرا عزیز ہوتا ہے، مرید نہیں۔

جب بچے اسکول میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی Categories بن جاتی ہیں۔ کچھ بچے پڑھنے کے شوقین ہوتے ہیں، کچھ بچے پڑھنے کے شوقین نہیں ہوتے۔ کچھ بچے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں، کچھ بچے پڑھنے کے وقت پڑھنے میں کھیلنے کے وقت کھیلتے ہیں۔ کچھ بچے امتحان میں اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتے ہیں کچھ بچے پاس ہوجاتے ہیں اور کچھ بچے فیل ہوجاتے ہیں۔ یہ Categories اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اسکول میں بچے کا کردار کیا رہا ہے۔ سلسلہ بھی ایک اسکول ہے جو لوگ کاہلی اور سستی کی وجہ سے اسباق پورے نہیں کرتے، نماز روزے کی پابندی نہیں کرتے، استاد کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل نہیں کرتے، اپنے استاد سے قلبی رشتہ استوار نہیں کرتے، ایسے لوگ ترقی نہیں کرتے۔

شاگردوں کی طرز فکر میں تبدیلی کے لئے ہم شاگردوں سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جو ان کے ماحول میں موجود نہیں ہوتیں یا ماحول میں رہنے والے لوگ اس طرح توجہ نہیں دیتے۔ سالک جب دن رات ایسے مشاہدات سے گزرتا ہے جن کے اوپر غیر روحانی آدمیوں نے پردہ ڈالا ہوا ہے تو اس کا ذہن خودبخود اس غیر مطلق ہستی کی طرف رجوع ہوجاتا ہے جس ہستی نے تغیر و تبدل کی ڈوریاں سنبھالی ہیں۔ طرز فکر کا یہی بیج جو شاگرد کے ذہن میں بویا جاتا ہے اس بیج کو تناور درخت بننے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ آدمی کا اپنا ذاتی ارادہ اور عقل ہے۔ اس لئے کہ اس کا تعلق اس طرز فکر سے ہے جس طرز فکر میں گہرائی اور حقیقت پسندی نہیں ہے۔

جو لوگ مراد سے تعلق کو سمجھتے ہیں، سلسلے کے متعین کردہ اسباق پورے کرتے ہیں، شب بیداری کرتے ہیں، سیرت طیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرتے ہیں۔ لٹریچر پڑھتے ہیں، نصاب کے مطابق روحانی اقدار میں ترقی ان کے پیش نظر ہوتی ہے، ان کی شخصیت خود بولتی ہے کہ وہ صاحب روحانیت ہیں۔ صاحب روحانیت آدمی کا چہرہ شگفتہ ہوتا ہے، صاحب روحانیت آدمی خوش مزاج ہوتا ہے، اس کے اندر عاجزی و انکساری ہوتی ہے، وہ اللہ کی مخلوق کی خدمت کرتا ہے۔ اکڑتا نہیں جھکتا ہے اس لئے کہ اکڑنے والا بندہ مردہ ہوتا ہے۔

جھکنا زندگی کی علامت ہے، جن لوگوں پر جمود طاری ہوتا ہے وہ لوگ نہ دین کے کام کے ہوتے ہیں اور نہ دنیا کے کام کے ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس جو شاگرد آتے ہیں ہم ان کے ذوق و شوق کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سلسلہ عظیمیہ میں طالب کو اسی روحانی رنگ میں رنگا جاتا ہے جس رنگ میں اس کی افتادِ طبع ہے۔

ہم شاگردوں کو باتوں باتوں میں سمجھاتے ہیں، اشاروں میں سمجھاتے ہیں، پڑھا کے سمجھاتے ہیں، کبھی تھوڑا سا زور سے بھی بولتے ہیں۔ زور سے بولنے کے بعد ان کے بات سمجھ میں آجاتی ہے تو ان سے پیار بھی کر لیتے ہیں۔ بعض اوقات وہ سلام کرتے ہیں تو سلام کا جواب دے کر چپ کے بیٹھ جاتے ہیں، ان کی خیریت معلوم نہیں کرتے، وہ سمجھ جاتا ہے کوئی گڑبڑ ہے۔ میرے بچے یا سلسلہ کے شاگرد اگر احترامات سے ہٹ کر بے ادبی یا ایسی گستاخی کریں جس سے بزرگوں کے احترام میں فرق واقع ہو، وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ اس میں، میں ضرور اسے ٹوک بھی دیتا ہوں، کچھ دن کے لئے ناراض ہو جاتا ہوں کہ جب تک وہ اس بات کا اعتراف نہ کر لے کہ مجھ سے واقعی بے ادبی ہو گئی، میں اس سے دور دور رہتا ہوں۔ جیسے ہی اسے بات کا ادراک ہو جاتا ہے کہ مجھ سے بے ادبی ہو گئی تھی، معذرت بھی کر لیتا ہوں تو پھر میں بھول جاتا ہوں۔ اس طرح تربیت کا ایک پورا نظام ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے جس طرح میری تربیت فرمائی ہے میں بھی اس کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

عرس حضور قلندر بابا اولیاء کے سلسلہ میں منعقد کی جانے والی تقریبات صرف امام سلسلہ عظیمیہ سے اپنی عقیدت کا اظہار ہی نہیں بلکہ پوری دنیا سے آئے ہوئے زائرین کے لئے انتظامی امور کے اعتبار سے مشعلِ راہ بھی ہوتی ہیں۔ زائرین کی مرکزی مراقبہ ہال آمد سے لے کر روانگی تک کے تمام انتظامی امور عظیمی صاحب کی سرپرستی و نگرانی میں پایۂ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔ تمام انتظامات میں کسی قسم کی کوتاہی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس امر کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ عرس کی تقریبات کے حوالے سے کئے گئے انتظامات کے جائزے کے دوران آپ نے دیکھا کہ لنگر کے لئے مخصوص جگہ پر لگائے گئے شامیانوں کی ترتیب درست نہیں۔

آپ نے ایک ذمہ دار فرد کو بلا کر اس سے باز پرس کی اور فرمایا، میں یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جو لوگ یہاں آئیں وہ اپنے ذہنوں میں ٹیڑھ پن لے کر جائیں۔ اس کے بعد سارے شامیانے کھلوا کر اپنی موجودگی میں ترتیب سے لگوائے۔

عرس کی تمام تقریبات کا اہم حصہ ۲۷ جنوری کی شب عظیمی صاحب کا خصوصی خطاب ہوتا ہے جس میں

آپ سالکان کو معاشرے کا کارآمد اور موثر حصہ بننے کی طرف راغب کرتے ہیں۔ آپ نے ان خطابات میں متوسلین و سالکین کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن، چھپا اور کھلا دشمن شیطان ہے۔ اس کے علم کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ بڑے سے بڑا عالم فاضل آدمی اس کے سامنے طفلِ مکتب بھی نہیں ہے، انگوٹھا چوستا بچہ ہے، الا یہ کہ آدمی کو علم الاسماء کا باطنی علم حاصل ہو جو ساڑھے گیارہ لاکھ آدمیوں میں جزوی طور پر ایک آدمی کو فضل ایزدی سے حاصل ہوتا ہے۔

ہر آدمی بڑی آسانی سے شیطان کا آلہ کار بن جاتا ہے لیکن اگر اسے روحانیت کا سبق یاد ہو جائے تو وہ شیطانی مزاحمت کا سامنا کرتا ہے۔ بس یہی بات شیطان کے لئے سوہان روح بنی ہوئی ہے وہ ہر اس شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے جو خلوص نیت سے روحانی راستہ پر چلنے کی جدوجہد کرتا ہے یا آرزو کرتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ کی اساس رحمت اور محبت ہے اور اسی بنیاد پر سلسلہ عظیمیہ قائم ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات کا نچوڑ یہی ہے کہ عظیمی بندہ اگر وہ عظیمی ہے تو وہ ایثار کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اگر اس کے اندر ایثار نہیں ہے تو وہ عظیمی نہیں ہے۔ ایثار کی تعریف یہ ہے کہ آپ کسی مخلوق، بھائی، بہن، بیٹے، بیوی اور شوہر سے کوئی توقع قائم نہ کریں، توقع اللہ کے ساتھ قائم کریں۔ روحانیت کا منشاء یہ ہے کہ مخلوق، مخلوق کے کام آئے۔ مخلوق مخلوق سے توقع نہ رکھے۔

مخلوق صرف اپنے رب سے توقع قائم کرے۔ کسی سے توقع رکھنا ایثار کے خلاف عمل ہے۔ اس میں مرشد، بیوی، بچے، دوست احباب سبھی لوگ شامل ہیں۔ صرف یہ سوچنا ہے کہ ہم بیٹی، بیوی، شوہر، ماں باپ، دوست احباب، قوم اور نوع انسانی کے لئے کیا کر سکتے ہیں، بلاشبہ یہ مشکل کام ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ اس طرز عمل میں اذیت ہوتی ہے، بوجھ پڑتا ہے کندھے منوں، ٹنوں وزن محسوس کرتے ہیں۔ جن لوگوں کی خدمت کی جاتی ہے وہ حوصلہ شکنی کرتے ہیں، دیوانہ کہتے ہیں، بائیکاٹ کر دیتے ہیں لیکن صلہ و ستائش کے بغیر جب خدمت کرنے کا چسکا پڑ جاتا ہے تو یہ عادت انسان کا ذاتی وصف بن جاتی ہے۔

اگر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی شناخت کرانی ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہے تو صرف ایک کام کریں، مخلوق کے لئے ایثار کریں۔ اپنے لئے کسی سے کچھ نہ چاہیں اگر آپ نے یہ طریقہ اختیار کر لیا جو حضور قلندر بابا اولیاء کا ذاتی طریقہ ہے تو آپ کامیاب ہیں اور اگر یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا تو پھر یہ سب میلا ٹھیلا ہے۔

انسان، جو بھی انسان ہے وہ اگر بیس سال کا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے پیچھے جو دس سال کا بچہ کھڑا ہے وہ بیس سال کا آدمی اس کا بزرگ ہے۔ اگر وہ چالیس سال کا ہے تو اس کے پیچھے جو بیس سال کا نوجوان کھڑا

ہے وہ اس کے لئے بچہ ہے اور اگر وہ ساٹھ سال کا ہے تو اس کے ساتھ پچاس سال کا آدمی کھڑا ہے وہ اس کا بزرگ ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کا ہر فرد بزرگ ہے، بڑا ہے، اپنی نسل کی کشتی کا ملاح ہے۔

سلسلہ عظیمیہ کے کسی فرد کو یہ سوچنے کا حق نہیں ہے کہ اس نے اپنے لئے کچھ کرنا ہے۔ اس لئے کچھ نہیں کر سکتا ہے کہ وہ بڑا ہے، بزرگ ہے۔

اللہ نے اسے بڑا بنایا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بزرگ کی طرح سوچے جس بزرگ کے پیر قبر میں لٹکے ہوئے ہیں لیکن وہ درخت اس لئے لگا رہا ہے کہ اس کی نسل پھل کھائے گی۔ سلسلہ عظیمیہ اس وقت قائم ہوا جب انسانی قدریں ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں، بکھر گئی ہیں۔ ہمیں بزرگوں کی بنائی ہوئی ان قدروں کو جو سائنسی چکا چوند سے اور سائنسی ترقی سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہیں، بکھر گئی ہیں، دوبارہ استوار کرنا ہے۔ ہمیں اس بے سکون نوع انسانی کو سکون فراہم کرنا ہے۔ ہمیں اس مادیت پرست دنیا کو اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ مادیت ایک فکشن ہے، مادیت فنا کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ جس کو جو کچھ حاصل ہو گیا ہے وہ دوسروں تک پہنچائے۔

ایک بات ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ سلسلہ کے ابتدائی لوگوں کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے اس لئے کہ ان سے خاندان بنتا ہے۔ اس خاندان کی قدریں قائم ہوتی ہیں۔ آپ سب لوگ سلسلہ کے ابتدائی لوگ ہیں، قافلہ چلانے والے لوگ ہیں، آپ کی نسبت بڑی قوی ہے۔

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضور قلندر بابا اولیاء

خواجہ شمس الدین عظیمی

یاد رکھیں کہ اصلاح معاشرہ سے پہلے شخصی تعمیر ضروری ہے۔ آپ کے لئے جو اسباق تجویز کئے گئے ہیں، کتاب تذکرہ قلندر بابا اولیاء میں جو قواعد و ضوابط اور اغراض و مقاصد لکھے گئے ہیں، وہ آپ کے مشعل راہ ہیں۔

سسٹم میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ جو چیزیں سسٹم میں عائد ہیں وہ آپ نے کرنی ہی ہیں۔ عظیمی بہن اور بھائی کی یہ شناخت ہونی چاہئے کہ اگر وہ دس ہزار آدمیوں میں ایک ہے تو لوگ اس کے کردار، اس کے عمل، اس کے پرسکون چہرہ اور اس کی پر یقین آنکھوں سے پہچان لیں کہ یہ بندہ ''عظیمی'' ہے۔

مرشد کی طرز فکر کے حصول کے لئے .... یقین عفو و درگزر، عاجزی، انکساری، خود کی نفی، درست ہوش و حواس کے ساتھ مرشد کے احکامات پر غور و تفکر ضروری ہے۔ اس طرح غور و تفکر کہ اپنی ذات کسی بھی

طرح سامنے نہ آئے۔

اپنی ذمہ داری کو پہچانیں، آپس میں پیار و محبت کریں، غلط فہمیاں اگر پیدا ہوں تو دور کرلیں۔ بغض و عناد سینوں میں نہ رکھیں، ایک کو دوسرے سے شکایت ہے تو مل بیٹھ جائیں، صفائی ہو جائے گی۔ اگر کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس غلطی کو اپنے لئے انا کا مسئلہ نہ بنائے، معافی مانگ لے۔

اپنے اندر سمندر کی صفات پیدا کریں۔ سلسلہ عظیمیہ کا مشن چلانے والے تمام کارکنان، تمام اراکین کو یہ نہیں سوچنا کہ ہم اچھے ہیں۔ اگر ہم اچھے ہو گئے تو کبھی سمندر نہیں بنیں گے۔ جب ہم اچھے ہیں تو ہمارے اوپر ذرا سی چھینٹ بھی پڑے گی تو ہم کہیں گے کہ یہ کیا ہوا، لاحول ولاقوۃ، چھینٹ پڑ گئی۔ جب آپ کو سمندر بننا ہے تو دنیا آپ کو کچھ بھی کہے اس کو ہنسی خوشی برداشت کرنا ہے اور اگر آپ برداشت نہیں کریں گے تو سمندر کی لسٹ میں سے آپ کا نام کٹ جائے گا پھر آپ سمندر نہیں رہیں گے، ایک گندی نالی اور گندی نالی کا کیڑا بن جائیں گے۔ سمندر کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دنیا بھر کی کثافتیں اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ کثافتیں سمیٹ لیتا ہے، مزید کثافتیں جمع کرنے کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔

خصوصاً وہ خواتین و حضرات جو مراقبہ ہال کے نگراں ہیں یا جنہیں سلسلہ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں وہ اپنے شہروں میں اس بات کی کوشش کریں کہ ٹیم کے ساتھ کام ہو۔ تکبر، حب جاہ، حسد اور رشک سے مکمل اجتناب کریں۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کی بھی موجودگی میں ٹیم ورک قطعاً ناممکن ہے۔

سلسلہ عظیمیہ دراصل ایک قافلہ ہے، قافلہ میں چند لوگ نہیں ہوتے۔ قافلہ کا مطلب ہے کہ اس میں ہر طرز فکر کا آدمی ہو۔ زندگی میں کام آنے والے جتنے بھی شعبے ہیں، ہر شعبہ سے متعلق لوگ قافلے میں شریک ہوتے ہیں۔ سالار قافلہ کی یہ ذمہ داری ہے گو کہ وہ سب سے آگے ہوتا ہے لیکن اسے اپنے آگے ہی نہیں دیکھنا، پیچھے زیادہ دیکھنا ہے۔ اگر قافلہ میں سے لوگ نکلنا شروع ہو گئے اور سالار قافلہ نے اس طرف توجہ نہیں کی تو نہیں کہا جاسکتا کہ جب قافلہ منزل پر پہنچے تو سو آدمیوں میں سے دو آدمی بھی رہیں گے یا نہیں۔

ہر نگراں کو دو چار آدمی ضرور تیار کرنے ہیں۔ اگر اس طرح نہیں کیا گیا تو سلسلہ آگے نہیں بڑھے گا۔ آم کے درخت سے آم کھائے جاتے ہیں اگر آم کی گٹھلی کو زمین میں نہ دبایا جائے تو دنیا سے آم ختم ہو جائے گا۔ جیسے ہی کسی ایک نوع کا بیج جس کو ہم نطفہ بھی کہہ سکتے ہیں زمین کے رحم میں داخل ہو جاتا ہے، زمین اسے توڑ دیتی ہے اور بیج زمین کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بیج کا فنا ہونا، بیج کا مٹ جانا، بیج کی اپنی حیثیت کا ختم ہو جانا ہی دراصل زمین کے اوپر درختوں، پودوں، پھلوں اور پھولوں کا مظاہرہ ہے۔

یہ بات شعور کی ہے۔ کس شعور کی، اس شعور کی جو دو کھرب خلیوں میں سے دو سو خلیوں پر قائم ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایک کھرب ننانوے کروڑ، ننانوے لاکھ ننانوے ہزار آٹھ سو خلیے کہاں گئے۔

ہم ان سے واقف کیوں نہیں ہیں جب کہ وہ ہمارے اندر موجود ہیں۔ ہم اتنے بڑی تعداد کو اس لئے بھولے ہوئے ہیں کہ ہم دو سو صلاحیتوں کے گرداب میں قید ہو چکے ہیں اور قید سے آزادی نہیں چاہتے۔

قانون یہ ہے کہ جو چیز خود کو فنائیت میں منتقل کر دیتی ہے وہ چیز پھیلتی ہے، بڑھتی ہے۔ برگد کا درخت آپ کے سامنے ہے۔ مشہور ہے کہ برگد کے درخت نیچے باراتیں ٹھہرتی ہیں، تھکے ماندے مسافر بارش اور دھوپ میں برگد کا سایہ تلاش کرتے ہیں۔

آپ کیا سمجھے۔ میں کیا عرض کر رہا ہوں ....

آپ کیا سمجھے کہ میں آپ کی توجہ کس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کیا سمجھے کہ میں آپ کو کن گہرائیوں سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کیا سمجھے کہ...........

میں ''علم لدنی'' کا کون سا قاعدہ پڑھا رہا ہوں ....

برگد کا بیج خشخاش کے دانے سے چھوٹا ہوا ہے۔ لیکن جب زمین کے اندر جا کر اپنے مادی جسم (شعوری نظام) کو فنائیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو قدرت اس ایثار کو پسند کرتی ہے اور برگد کا بیج جو خشخاش سے چھوٹا ہوتا ہے بہت بڑا درخت بن جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی انسان اپنے مادی وجود (شعوری نظام) کو روحانی نظام میں فنا کر دیتا ہے تو وہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق ''شجر سایہ دار'' بن جاتا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کے اراکین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس دنیا کو چھوڑنے سے پہلے خود کو زمین کے اندر دفن کر کے، اپنے آپ کو نیست نابود کر دیں تا کہ ان کی جگہ ایک دو تین چار افراد موجود ہوں۔

ہمارے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے کہ انہوں نے اپنے سے چھوٹے کو ہر اعتبار سے زیادہ سے زیادہ اونچا اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اپنے دوستوں کے لئے وہی کچھ پسند کیا ہے جو اپنے لئے پسند کیا ہے۔ روحانیت میں تین بنیادی اجزاء کام کرتے ہیں۔

۱۔ ادب ۲۔ تعمیل ۳۔ یقین

کسی انسان میں اگر یہ تینوں اجزاء موجود نہ ہوں تو اس بندے میں روحانیت کا پیٹرن متحرک نہیں ہوتا۔ میں نے کبھی کوئی بات چھپا کر نہیں رکھی۔ جو چیز میرے پاس نہیں ہے میں نے کبھی کسی سے نہیں کہا کہ میرے پاس ہے لیکن جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمادی ہیں میں نے ان کا اظہار اس لئے کیا ہے کہ میری روحانی اولاد یہ نہ سمجھے کہ ہم ایک مفلس باپ کی اولاد ہیں۔

میرے بچو! آپ لوگ سلسلہ میں آئے ہیں تو یہ آپ کے اوپر اللہ کا انعام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہے اور حضور قلندر بابا اولیاء کا فیض ہے۔ سلسلہ عظیمیہ میں علوم کے خزانے بھرے پڑے ہیں آپ بھوکے ننگے نہیں ہیں۔ آپ کے اوپر فرض ہے کہ اللہ کے انعام یافتہ اپنے باپ سے روحانی علوم حاصل کریں۔ باپ پر موت بھی آتی ہے، وہ انتظار میں ایک ایک لمحہ شمار کر رہی ہے۔ باپ مر جائے گا، خزانے اس کے ساتھ چلے جائیں گے۔ باپ کی قدر و منزلت نہ کرنے والی اولاد، بھکاری بن جاتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کی حفاظت کرے۔

میری نسبت سے آپ فقیر ہیں۔ فقیر کا مطلب ہی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء کرام کی طرز فکر کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز فکر اور انبیاء کی طرز فکر کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کے توسط سے سوچتے ہیں، ذاتی حیثیت میں وہ کچھ بھی نہیں سوچتے۔

اراکین سلسلہ عظیمیہ سے عہد لیتے ہوئے عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ یقین سے اس بات کا عہد کریں کہ آپ نے اللہ کی سنت کی پیروی کرنا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء کے علوم کے خزانوں سے مستفید ہونا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے اندر چھپی حقیقت سے واقف ہونا ہے۔ حضور قلندر بابا اولیاء کی نسبت سے رحمت للعالمین سیدنا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلبی اور رباطنی تعارف حاصل کرنا ہے اور سکون کی تلاش میں بھٹک کر غم و آلام اور مصیبتوں پریشانیوں کا شکار، نوع انسانی کو بے یقینی اور شک اور وسواس کے عمیق گڑھوں سے نکال کر سکون قلب سے، راحت سے، آرام سے، خوشی سے ہمکنار کرنا ہے۔

ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مختلف تعلیمی وسماجی اداروں میں لیکچرز اور خطابات

دنیا کا ہزاروں سال سے رواج رہا ہےکہ روحانی علوم عملی ہی تھے ۔ خالص علمی نہیں تھے ۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ اگر کسی چیز کی تھیوری معلوم ہو جائے تو اس پر عمل آسان ہو جاتا ہے ۔ عظیمی صاحب کا یہ اعجاز ہے کہ آپ نے سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت اور منشاء کے مطابق روحانی علوم کو تھیوری میں تبدیل کیا ہے ۔ عظیمی صاحب کا شمار ان نابغۂ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے جن کی ذات اور فکر نے کئی بیدار ذہنوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ۔ ایسی شخصیات کا کمال یہ ہے کہ ہر دور میں ان کی فکر کی تفہیم کے لئے نئے سے نئے پیمانے استعمال کئے جاتے ہیں ۔ ملک اور بیرون ملک مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ادارے آپ کے علوم سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے شعبہ تعلقات عامہ کے توسط سے آپ کو لیکچرز کی ادائیگی کیلئے مدعو کرتے ہیں ۔

عظیمی صاحب کی طبیعت میں موجود انکسار، تواضع اور حس مزاح کی وجہ سے آپ کے لیکچرز ذہانت، بذلہ سنجی، قدرتی سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج ہیں ۔ آپ کے لیکچرز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ شرکاء کی فکری سطح کو سمجھ کر اسی لہجے میں تمام نکات بیان فرماتے ہیں ۔ آپ اس علمی غرور و تمکنت سے کوسوں دور ہیں جو اکثر دانشوروں کا وطیرہ ہوتی ہے ۔ جن کی علمیت کے خوف کی وجہ سے لوگوں کے لب بھی جنبش نہیں کر سکتے ۔ آپ کی شخصیت اس خول سے عاری ہے ۔ اسی وجہ سے اس طرح کی علمی نشستوں میں شریک کوئی بھی عام ذہنی سطح کا شخص آپ سے سوال کر سکتا ہے ۔

لیکچرز اور خطابات کے ذریعے آپ نے روحانیت کے بنیادی تصورات اور مزاج کو نا صرف پروان چڑھایا ہے بلکہ ان میں اپنے جذبے اور ذاتی تجربے کا اضافہ بھی کیا ہے ۔ آپ کے لیکچرز کا اوسط دورانیہ ڈیڑھ سے دو گھنٹے ریکارڈ کیا گیا ہے ۔ آپ کے علم سے استفادہ کرنے والے ملکی اور بین الاقوامی اداروں کی فہرست درج ذیل ہے ۔

۱ ۔	گلاسگو یونیورسٹی	برطانیہ
۲ ۔	کراچی یونیورسٹی	کراچی ۔ پاکستان
۳ ۔	زرعی یونیورسٹی	فیصل آباد ۔ کراچی
۴ ۔	پنجاب یونیورسٹی	لاہور ۔ پاکستان
۵ ۔	اسلامیہ یونیورسٹی	بہاولپور ۔ پاکستان
۶ ۔	بہاءالدین زکریا یونیورسٹی	ملتان ۔ پاکستان
۷ ۔	یونیورسٹی آف بلوچستان	کوئٹہ ۔ پاکستان

۸۔	سردار بہادر خان یونیورسٹی برائے خواتین	کوئٹہ۔پاکستان
۹۔	گورنمنٹ ڈگری کالج میرپور	آزاد کشمیر۔پاکستان
۱۰۔	کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج	لاہور۔پاکستان
۱۱۔	نشتر میڈیکل کالج	ملتان۔پاکستان
۱۲۔	آرتھر فنڈلے کالج آف سائیکیک اسٹڈیز	برطانیہ

o دنیا کی تمام اسپریچول چیزیں اسی کالج کے ماتحت ہیں۔

۱۳۔	ریلوے اکاؤنٹس اکیڈمی	کوئٹہ۔پاکستان
۱۴۔	انسٹیٹیوٹ آف ایتھکس اینڈ کلچر	کراچی۔پاکستان
۱۵۔	انسٹیٹیوٹ آف سیلف اوویرنس	برطانیہ
۱۶۔	اسپریچول ایسوسی ایشن آف گریٹ برٹن	برطانیہ
۱۷۔	فاطمہ میموریل ہسپتال	لاہور۔پاکستان
۱۸۔	ونگ میموریل ہسپتال	میسی چیوٹس۔امریکہ
۱۹۔	پاکستان سوسائٹی آف فیملی فزیشن	لاہور۔پاکستان
۲۰۔	پاکستان میڈیکل ایسوسی ایشن	ملتان۔پاکستان
۲۱۔	فاؤنٹین ہاؤس	لاہور۔پاکستان

o ایشیاء کا واحد ادارہ ہے جہاں Shizophernia کے مریضوں کی فلاح و بہبود کا کام کیا جاتا ہے۔

۲۲۔	بار ایسوسی ایشن	چنیوٹ۔پاکستان
۲۳۔	بار کونسل بھمبر	آزاد کشمیر۔پاکستان
۲۴۔	بار کونسل	لاہور۔پاکستان
۲۵۔	سالٹ کوسٹ ٹاؤن ہال	اسکاٹ لینڈ
۲۶۔	گلاسگو ٹاؤن ہال	برطانیہ
۲۷۔	ایڈن برگ ٹاؤن ہال	برطانیہ
۲۸۔	واتھم فارسٹ ٹاؤن ہال	برطانیہ
۲۹۔	آرٹلری ہیڈ کوارٹر میس، پاکستان آرمی	کوہاٹ۔پاکستان
۳۰۔	کامرہ ایئر بیس	کامرہ۔پاکستان

بین الاقوامی روحانی کانفرنسز

پاکستان اور بیرون پاکستان اب تک حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی زیر صدارت چھ بین الاقوامی روحانی کانفرنسز کا انعقاد کیا جا چکا ہے جن کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔	۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء	کراچی۔ پاکستان
۲۔	۱۱ جنوری ۱۹۹۱ء	لاہور۔ پاکستان
۳۔	۱۲ اگست ۱۹۹۲ء	سالفورڈ۔ برطانیہ
۴۔	۱۹ جنوری ۱۹۹۵ء	ابوظہبی۔ متحدہ عرب امارات
۵۔	۲۵ جنوری ۱۹۹۵ء	حیدرآباد۔ پاکستان
۶۔	۷ مارچ ۲۰۰۴ء	لاہور۔ پاکستان

تقریب رونمائی برائے کتب

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کی تحریرات کے مطالعے سے قاری کے ذہن میں فکر و شعور کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ آپ کی تحریرات صرف ایک قوم، گروہ یا نسل کے لئے بلکہ تمام نسل انسانی کا مشترک سرمایہ ہیں۔

آپ کی تصنیف و تالیف کردہ کتب کے تعارف کو ہر مکتبۂ فکر تک موثر انداز میں پہنچانے کے لئے تقریب رونمائی برائے کتب کا آغاز کیا گیا جس میں نا صرف کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا جاتا ہے بلکہ مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی معزز و مستند شخصیات کو کتاب پر تبصرے کی دعوت دی جاتی ہے۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر منعقد کی جانے والی تقریبات کی فہرست درج ذیل ہے۔

۱۔	تجلیات۔ عربی ایڈیشن	جنوری ۱۹۹۵ء	ابو ظہبی۔ متحدہ عرب امارات
۲۔	مراقبہ	اپریل ۱۹۹۵ء	لاہور۔ پاکستان
۳۔	محمد رسول اللہ جلد اول	اکتوبر ۱۹۹۸ء	لاہور۔ پاکستان
۴۔	محمد رسول اللہ جلد اول	ستمبر ۱۹۹۹ء	سویڈن
۵۔	محمد رسول اللہ جلد اول	ستمبر ۱۹۹۹ء	ڈنمارک
۶۔	محمد رسول اللہ جلد دوم	اکتوبر ۱۹۹۹ء	اسلام آباد۔ پاکستان

۷۔ ہمارے بچے ۲۰۰۰ء لاہور۔پاکستان

۸۔ محمد رسول اللہ جلد سوئم مارچ ۲۰۰۲ء ملتان۔پاکستان

مشاعرے

حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب عالمگیر شہرت کے حامل ایک ممتاز روحانی اسکالر ہی نہیں بلکہ ایک کہنہ مشق مصنف، مؤلف اور دانشور بھی ہیں۔آپ شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔آپ ہر اس ادیب جس میں اصلاح احوال کی بات ہو، پیغام ہو زندہ رہنے اور مایوسی سے بچنے کا، ستائش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شاعری میں عارفانہ کلام پسند ہے۔عظیمی صاحب نے روحانی ڈائجسٹ میں جنوری ۱۹۸۳ء سے رعبایات قلندر بابا اولیاء کی تشریحات کا سلسلہ شروع فرمایا۔ان تشریحات میں سے چند درج ذیل ہیں۔

ہر ذرہ ہے ایک خاص نمو کا پابند
سبزہ ہو، صنوبر ہو کہ ہو سرو بلند
انسان کی مٹی کے ہر ایک ذرہ سے
جب ملتا ہے موقع تو نکلتے ہیں پرند

تشریح: یہ سبزہ زاری، ہری ہری گھاس، صنوبر کا درخت ہو کہ سرو بلند۔سب کی پیدائش، سب کی نمو مٹی سے قائم ہے۔اے انسان! کبھی تو نے سوچا ہے کہ مٹی کے کون سے ذرات ہیں جن سے یہ سرو وسمن، کوہ و دمن، چرند و پرند پیدا ہو کر نشوونما پا رہے ہیں۔انسان کو جب مٹی میں دفن کیا جاتا ہے تو مٹی کے ذرات میں تبدیل ہو جاتا ہے اور احسن تقویم کے ذرات سے کبھی درخت اگ آتے ہیں، کبھی یہ ذرات ہری بھری گھاس میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور کبھی ان ذرات کے یکجا ہونے سے پرند تشکیل پاتے ہیں اور اس جیتی جاگتی دنیا میں اڑان شروع کر دیتے ہیں۔یہ کیسی حرماں نصیبی ہے کہ انسان کی مٹی کے ذرات سے تشکیل پانے والے پرندے تو فضاؤں میں اڑتے ہیں اور انسان بے بسی سے انہیں دیکھتا ہے اور دو گز بھی زمین سے اوپر نہیں اڑ سکتا۔

کیا علم کہ کب جہاں سے ہم اٹھتے ہیں
پیر اپنے مگر سوئے عدم اٹھتے ہیں
ممکن نہیں عمر کو پلٹ کر دیکھے
انسان کے آگے ہی قدم اٹھتے ہیں

تشریح: ''ازل تا ابد'' ایک لفظ ہے اس لفظ میں اللہ کے اسرار پنہاں ہیں۔انسان ازل میں تخلیق ہوا اور پھر یہ تخلیق ایک معین پروسیس کے تحت خود کو نمایاں کرتی ہوئی زمین پر آموجود ہوئی۔زمین پر موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ تخلیق ایسا عمل ہے جو ہر آن اور ہر لمحہ تغیر پذیر ہے۔بچہ جس روز پیدا ہوتا ہے اسی دن سے عدم کے سفر کی شروعات ہو جاتی ہے۔بچپن عدم میں چلا جاتا ہے، پھر لڑکپن عدم میں چلا جاتا ہے، پھر جوانی عدم کی زینت بن جاتی ہے اور بالآخر بڑھاپا زمین کو داغ مفارقت دے کر رخصت ہو جاتا ہے۔جس طرح زمین پر ہر لمحہ ہر آن، انسان سفر میں ہے کیا بعید ہے کہ مقام ازل سے زمین تک آنے میں بھی انسان سفر میں ہو۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ ہر قدم عدم کی طرف اٹھ رہا ہے۔بندہ بشر میں اتنی ہمت ہی نہیں ہے کہ زندگی کے ماہ و سال کو پلٹ کر دیکھے۔اے انسان! آگے بڑھتا چلا جا، پیچھے نہ دیکھ۔قدرت اگر یہ چاہتی کہ انسان پیچھے بھی دیکھے تو گردن میں بھی ایک آنکھ لگا دیتی۔ماضی جو گزر گیا ہاتھ نہیں آتا، مستقبل جو آنے والا ہے وہی ہماری زندگی ہے۔

اک لفظ تھا اک لفظ سے افسانہ ہوا

اک شہر تھا، اک شہر سے ویرانہ ہوا

گردوں نے ہزار عکس ڈالے ہیں عظیم

میں خاک ہوا، خاک سے پیمانہ ہوا

تشریح: اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے، ایک لفظ میں ساری کائنات کو سمو دیا ہے۔اس لفظ میں اربوں کھربوں بلکہ ان گنت عالم بند ہیں۔

یہ لفظ جب عکس ریز ہو جاتا ہے تو کہیں عالم ملکوت و جبروت آباد ہو جاتے ہیں اور کہیں کہکشانی نظام اور سیارے مظہر بن جاتے ہیں۔کتنا برجستہ راز ہے کہ یہ لفظ ہر آن اور ہر لمحہ نئی صورت میں جلوہ فگن ہو رہا ہے۔اس میں ایک ہی لفظ کی ضیاء پاشیوں کو کبھی ہم بقاء کہتے ہیں اور کبھی فنا کا نام دے دیتے ہیں۔

اے عظیم! اس کی عظمت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس نے ''کن'' کہہ کر ایک ذرہ بے مقدار پر اتنے عکس ڈال دیئے کہ میں پیمانہ بن گیا ہوں۔ایسا پیمانہ، جس کے ذریعہ دوسرے ذرات (مخلوق) وہ نشہ اور شیفتگی حاصل کر سکتے ہیں جس سے پیمانہ خود سرشار اور وحدت کی شراب میں مست و بے خود ہے۔

اچھی ہے بری ہے دہر فریاد نہ کر

جو کچھ کہ گزر گیا ہے اسے یاد نہ کر

دو چار نفس عمر ملی ہے تجھ کو

دو چار نفس عمر کو برباد نہ کر

تشریح: دنیاوی زندگی ایک مختصر عرصہ قیام ہے جس کے دوران انسان کو دوطرفہ جدوجہد کرنی ہے۔ایک طرف تو اسے دنیاوی معاش کے لئے ہاتھ پیر ہلانے ہیں، دوسری طرف عمل ہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے اپنی ربط کی تجدید کرنی ہے۔عملاً اس بات کا یقین حاصل کرنا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔اس کے علاوہ ہر حال میں شکرگزار بندہ بننے کی عادت ڈالنی ہے جب کہ دنیاوی عوامل ہر طرح سے اس کا ذہن اس طرف سے ہٹانے میں لگے ہوئے ہیں۔اس صورت حال میں اگر وہ چوک گیا اور ماضی کی حسرتوں کے نوحے میں مصروف ہوگیا اور تمناؤں کی بھول بھلیوں میں کھوکر رہ گیا تو مارا جائے گا اور اس کی چار نفس زندگی رائیگاں چلی جائے گی۔

کل روز ازل یہی تھی میری تقدیر
ممکن ہو تو پڑھ آج جبیں کی تحریر
معذور سمجھ کر واعظ ناداں مجھ کو
ہیں بادہ و جام سب مشیت کی لکیر

تشریح: حضور قلندر بابا اولیاء کی رعبایات میں دو موضوع خاص طور پر نمایاں ہیں۔اول تخلیق آدم میں مٹی کی معجزنمائی اور دوسرے بادہ وساغر کا تذکرہ۔کہیں کہیں یہ دونوں موضوع کچھ اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ گویا ایک دوسرے کا تتمہ اور لازمی نتیجہ ہیں۔زیر نظر رباعی میں بادہ و جام کا ذکر ایک منفرد طرز فکر میں پیش کیا گیا ہے۔یہ ایک اچھوتا اور نہایت دلنشین انداز بیان ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں کہ روز ازل جب خالق کائنات نے ہر مخلوق کی تقدیر رقم کی اور ساتھ ہی اپنی خالقیت اور ربوبیت کا اقرار لینے کے لئے ان سب کو ایک مرکز پر جمع کیا تو ہر ایک نے اس حقیقت کی گواہی دی۔ساری مخلوق تو گویا اس اقرار وشہادت کے بعد ذہنی طور پر فارغ ہوگئی کہ روز حساب تو دور ہے مگر ''پردۂ الست'' سے اٹھنے والی تجلی شاعر (حضور قلندر بابا اولیاء) کے قلب ونظر کو گرما گئی

چشم ساقی سے نگہ اٹھی کہ اک موج شراب
خاک دل کا ذرہ ذرہ جام و مینا ہو گیا

روز ازل اسی تجلی کی عکس اندازی تھی کہ آج تک شاعر مئے الست سے سرشار ہے۔اسی کا نام مظاہراتی دنیا میں شغل بادہ و جام ہے، یہی رندخرابات کی تقدیر ہے اور اسی شراب معرفت کے نور سے شاعر کی جبین حیات روشن ہے۔فی الحقیقت حضور قلندر بابا اولیاء کی حیات مبارک اسی تجلی ازل سے منور و معمور تھی۔

جس کو آپ نے شاعرانہ طرز فکر میں لطیف اور اثر انگیز طریقہ پر پیش کیا ہے مگر یہ تمام امور و حقائق ظاہر بیں نگاہوں سے پوشیدہ ہے جن میں واعظ ناداں پیش پیش ہے۔ اسے کیا خبر کہ بادہ و جام کے خطوط میں مشیت کی کون سی تحریر پوشیدہ ہے۔ حافظ شیرازی نے اسی حقیقت کو "شیخ پاک دامن" کے سامنے معذرت خواہانہ انداز میں پیش کیا۔

حافظ بخود نپو شید ایں خرقۂ آلود

اے شیخ پاک دامن معذور دار مارا

حافظ نے یہ شراب میں ڈوبا ہوا خرقہ از خود نہیں پہن لیا ہے (یہ تو مشیت کا اشارہ ہے) اے شیخ پاک دامن مجھے معذور سمجھ۔

مگر حضور قلندر بابا اولیاء کے ہاں اس فعل بادہ و جام میں والہانہ انبساط ہے۔ اس کو مشیت کا اشارہ یقین کر کے ایک شان بے نیازی اور جذبۂ امتنان بھی ہے۔

عظیمی صاحب نے رباعیات قلندر بابا اولیاء کے مجموعہ رباعیات (تاریخ اشاعت: دسمبر ۱۹۹۵ء) کا دیباچہ بھی تحریر فرمایا ہے جسے قارئین کی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ شعبہ تعلقات عامہ عظیمی صاحب کے شعری ذوق کے مدنظر مختلف مواقع پر محفل مشاعرہ کا انعقاد کرتا رہتا ہے اور اسی بنا پر محفل مشاعرہ کے انعقاد کے لئے یہ شعبہ حتمی تصور کیا جاتا ہے۔

آدم ڈے

متمدن تہذیبوں کے علاوہ مختلف وحشی قبائل بھی آدم و حوا کی آمد کے قائل ہیں۔ ان میں آسٹریلیا کے قبائل پالینیشیا، نیو ساؤتھ ویلز کے بعض قبائل۔

وسطی افریقہ میں کینیا کے قبیلے باگنڈا، شمال مشرقی افریقہ میں مسائی قبیلہ، جالوؤ قبیلہ، نیورو قبیلہ، کیوو پکلکس، کولووے، تنزانیہ میں زیبا، ہیما قبائل، پیڈے قبیلہ، لوبا، ڈاکون اور رابنوس شامل ہیں۔ کئی قدیم اقوام میں بھی یہی تصور پایا جاتا تھا مثلاً پیرو کی قوم انکا، چینی تہذیب، قدیم ایرانی، بابلی اور سومیری قوم وغیرہ۔

حضرت آدم علیہ السلام تمام دنیا کے انسانوں کے باپ ہیں اور پوری انسانیت بحیثیت مجموعی آپس میں بھائی بہن کے رشتے میں منسلک ہے۔ دنیا میں مذہبی، نسلی، لسانی، علاقائی اور نظریاتی برتری پر مبنی متعصبانہ تصادم صرف موجودہ دور کی پیداوار نہیں بلکہ ایسا ہر دور میں ہوتا رہا ہے۔

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں واضح الفاظ میں فرمایا تھا،

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا جد بھی ایک ہی تھا۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے چنانچہ تم سب کا خمیر ایک ہے اور وہ مٹی ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے اور آدم کے رشتے سے تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم توحید کا پیغام پھیلاتے ہوئے اکثر فرمایا کرتے تھے میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا بلکہ وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی آدم، نوح، ابراہیم، یعقوب، موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام کہتے تھے............

اس وقت زمین کا دامن طرح طرح کے تشدد اور ظلم و بربریت سے تار تار ہے۔ عالمی سطح پر چالیس ہزار ایٹم بم دنیا سے زندگی کا چراغ گل کرنے کو تیار ہیں۔ ہر طرف مذہبی، نسلی، لسانی اور علاقائی تعصب کے الاؤ جلتے دکھائی دے رہے ہیں۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے عظیمی صاحب کے ذہن میں انسانیت کو نفرتوں سے دور رکھنے کے لئے مختلف مذاہب کے امن پسند علماء اور دانش وروں کو ایک ہی چھت کے نیچے جمع کرنے کا خیال آیا تا کہ عالمگیر سطح پر اخوت و محبت، ذہنی ہم آہنگی اور روابط کو فروغ دیا جا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے عظیمیہ فاؤنڈیشن برطانیہ کی جانب سے مانچسٹر کے ٹاؤن ہال میں ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء کو ایک منفرد پروگرام ''آدم ڈے'' کے نام سے منعقد کیا گیا جس میں مسلمان، عیسائی، یہودی، ہندو، سکھ اور دیگر مذاہب و اعتقادات کے ماننے والوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔

انسانیت دوست جذبے پر مبنی اس پروگرام کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے عظیمیہ فاؤنڈیشن برطانیہ ہر سال باقاعدگی سے اس پروگرام کا انعقاد کر رہی ہے۔ جس میں اب تک عیسائی، بنی اسرائیل، ہندو، بدھسٹ، چائنیز، Quakers (یہ عیسائیت کا ایک انقلاب پسند گروہ ہے جسے سترہویں صدی عیسوی میں جارج فاکس نے تشکیل دیا تھا۔ اس کے ماننے والے Quakers کہلاتے ہیں) اور بہائی مذہب سے تعلق رکھنے والے مقررین نے دنیا میں امن و سلامتی اور محبت کے فروغ کے لئے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔ جبکہ معززین شہر سے میئر آف بری، میئر آف راچڈیل، میئر آف سالفورڈ، میئر آف بولٹن، میئر آف وگن، میئر آف ٹریفورڈ، لارڈ میئر آف مانچسٹر اور کونسل جنرل آف پاکستان شریک ہوئے۔

۲۰۰۴ء میں عظیمیہ فاؤنڈیشن کو اس پروگرام کے انعقاد پر برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے ایک خط کے ذریعے اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ برطانیہ کے ولی عہد شہزادہ چارلس نے بھی عظیمیہ فاؤنڈیشن

کے نام اپنے ایک خط میں Adam Day Celebration کے لئے اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

ہوم آفس کی طرف سے بھی فاؤنڈیشن کو خط کے ذریعے آدم ڈے کے انعقاد پر مبارکباد دی گئی اور درخواست کی گئی کہ آئندہ ان کو بھی اس پروگرام میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔ ۲۰۰۶ء میں اس پروگرام کی افادیت کو دیکھتے ہوئے اسے مانچسٹر کے Civic Calander میں شامل کرلیا گیا۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں مختلف مکاتب فکر اور عظیمی صاحب کے خطابات میں سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ دین فطرت اسلام کا نقطہ نظر پیش کرنے کے لئے ڈاکٹر ایم جونیجو نے کہا، اسلام بتاتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ جو مذہب ہر مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھے وہ بھلا مخلوق کو ناحق نقصان کیسے پہنچا سکتا ہے۔ وہ مذہب تو سب کے لئے سراپا رحمت، امن اور سلامتی ہی ثابت ہوگا۔ ہمارا مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں دوسرے انسانوں کی جان و مال اور آبرو کا احترام کرنا چاہئے۔ کسی دوسرے کے مذہب اور عقیدے کو مجروح کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اختلافات ضرور پیدا ہوسکتے ہیں مگر ان میں شدت نہیں ہونی چاہئے بلکہ دوسروں کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہونا چاہئے۔

بنی اسرائیل نمائندے ہنری کوڈمین نے کہا، ہم سب رنگ و نسل اور مذاہب مختلف ہونے کے باوجود خدا کا دیا ہوا ایک ہی پانی پیتے ہیں، خدا کی دی ہوئی ہوا سے مشترکہ طور پر زندہ ہیں، سورج کی روشنی سب کے لئے یکساں ہے۔ آج ہمیں یہ موقع ملا ہے کہ ہم اپنے اختلاف کے متعلق بھی سوچ و بچار کریں اور انہیں کم سے کم کرنے کی کوشش کریں۔

کیلن مائیک نے عیسائی مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا، عیسائیت ہمیں محبت اور دوستی کی تعلیم دیتی ہے۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ خدا اور اس کی مخلوق سے محبت کرو۔ یسوع مسیح کی پوری زندگی محبت کے پرچار میں ہی گزری۔ یسوع کی تعلیم کا کوئی دوسرا نام رکھا جائے تو وہ محبت ہوگا۔

ولیری روبک نے بدھ مت کی تعلیمات کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ ہم سب ایک ہی مادے سے تخلیق ہوتے ہیں۔ ہم سب کے غم، خوشی، جذبات، احساسات یکساں ہیں۔ ہم سب انسان اس دنیا میں آتے ہیں، مقررہ وقت تک زندہ رہتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔ کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ اپنی زندگی کے مختصر وقفے کو محبت، پیار، اتفاق اور بھائی چارے کی تصویر بنا دیں اور غم و دکھ سے چھٹکارا حاصل کرلیں۔

ہندو دھرم سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر اجیت کمار نے کہا کہ یہ دنیا انسانوں کا خاندان ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کے مذاہب اور عقیدوں کی قدر کرنی چاہئے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ اس

دنیا میں محبت اور امن قائم ہو سکے۔

سلسلہ عظیمیہ کے سربراہ عظیمی صاحب نے اپنے خطاب میں فرمایا، ابھی آپ سب نے کئی مذہبی اور غیر مذہبی لوگوں کی تقریریں ملاحظہ کیں۔ ہر مقرر نے اس بات کو بار بار دہرایا کہ ہر مذہب امن اور سلامتی کا درس دیتا ہے۔ ہمارے دین اسلام میں سلام کرنے کا رواج ہے۔ میں آپ سب لوگوں کو سلام کرتا ہوں..........السلام علیکم!

السلام علیکم ایک دعا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنے ملنے والے کو یہ دعا دیتے ہیں کہ تم امن وسلامتی کے ساتھ زندہ رہو۔ اسلام نے ہر مرد اور عورت پر ضروری قرار دیا ہے کہ جب وہ کسی سے ملیں تو اسے سلامتی کی دعا دیں۔ دوسرے فرد کا بھی فرض ہے کہ وہ دعا کرنے والے کو سلام کے ساتھ جواب دے۔ وعلیکم السلام کا مطلب ہے کہ تم بھی امن وسلامتی کے ساتھ زندہ رہو۔

عظیمی صاحب نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، اللہ نے یہ ساری کائنات بنائی، کائنات میں فرشتے بنائے، جنات بنائے اور انسان بنائے۔ انسان کو پیدا کیا، پیدا کرنے سے پہلے اس کے لئے رزق کا انتظام کیا۔

ہم جتنے لوگ یہاں بیٹھے ہیں، سب پیدا ہوئے ہیں اور پھر بڑے ہوئے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جب ہم ماں کے پیٹ میں آئے تو نو مہینے کے لئے اللہ نے رزق فراہم کیا۔ جب ہم پیدا ہوئے، پیدا ہونے سے پہلے اللہ نے ہماری روزی کا بندوبست اس طرح کیا کہ ماں کے سینے میں دودھ بھر دیا۔ پیدا ہونے سے پہلے ہمارے لئے زمین موجود تھی، ہوا موجود تھی، آکسیجن موجود تھی، پانی موجود تھا۔ ہم نے پیدا ہونے کے بعد اس دنیا کو چلتے پھرتے اور کام کرتے دیکھا۔ پھر ہم بڑے ہو گئے، تعلیم حاصل کر لی اور اپنی روزی خود کمانی شروع کر دی۔ لیکن سوچنا یہ ہے کہ بڑے ہونے سے پہلے ہم نے اپنے لئے خود روزی نہیں کمائی، ہمیں اللہ نے روزی دی۔

ہم سب آدم کی اولاد ہیں۔ آدم کی اولاد میں اچھے لوگ بھی ہیں اور برے بھی ہیں اور آدم کی اولاد ہی میں سے چند مقدس حضرات کو پیغمبری عطا ہوئی۔ حضرت نوح، حضرت اسحٰق، حضرت داؤد، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب آدم کی اولاد ہیں۔ آدم کی اولاد میں سے جو بندے بھی پیغمبری کے مرتبے پر فائز ہوئے ان سب نے ہمیں بتایا کہ ہمارا اللہ ایک ہے۔ یہ بھی بتایا کہ آدم کے کسی بیٹے یا بیٹی کا اس زمین پر مستقل قیام ممکن نہیں۔ سب اس دنیا میں مسافر کی طرح رہتے ہیں اور اپنی عمر پوری کر کے دوسری دنیا میں چلے جاتے ہیں۔

حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی بتایا کہ آدم کے مادی جسم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ مادی جسم اس وقت تک کام کرتا ہے۔ جب تک اس کے اندر روح موجود ہے۔ سائنسدان بتاتے ہیں کہ اس دنیا کی عمر ۱۳ ارب سال ہے۔ اس دنیا کی تین ارب سال طویل تاریخ میں ہمیں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ جسم نے روح کے بغیر کبھی کوئی حرکت کی ہو۔

آپ سوچیں .... غور و فکر کریں .... کہ مردہ جسم جس میں جب روح نہیں ہوتی تو آدمی چل پھر نہیں سکتا، کھانا نہیں کھاتا، اس کی شادی نہیں ہوتی، مردہ ماں سے پیدائش نہیں ہوتی، مردہ آدمی سوتا جاگتا نہیں۔

جب تک روح موجود ہے جسم حرکت کرتا ہے۔ جب روح نکل جاتی ہے انسان مر جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چھ ارب انسان جو اس دنیا میں رہتے ہیں یہ اس وقت تک زندہ ہیں جب تک ان کے اندر روح موجود ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب روح کے بغیر کوئی انسان زندہ نہیں رہتا، حرکت نہیں کرتا تو جسم اصل ہے یا روح اصل ہے۔

دیکھئے! آپ نے اپنے جسم پر قمیض پہنی ہے۔ آپ اس طرح ہاتھ ہلائیں کہ آستین میں حرکت نہ ہو .... کیا ایسا ہو سکتا ہے ....؟ ایسا نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جب آپ بازو ہلائیں گے تو آستین میں حرکت ہو گی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آستین ہاتھ کے اوپر ہے۔ اگر میں اپنی ویسٹ کوٹ اتار کر اس سے کہوں کہ حرکت کر تو اس میں حرکت نہیں ہو گی بالکل اسی طرح روح اور جسم کا معاملہ ہے۔ جب روح نکل جاتی ہے تو جسم حرکت نہیں کرتا لہٰذا ہماری اصل جسم نہیں، روح ہے۔

انسان کے اندر تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار حواس کام کرتے ہیں یعنی ہر آدمی کے اندر ساڑھے گیارہ ہزار حسیں یا صلاحیتیں کام کرتی ہیں۔ اس میں سوچنا، کھانا، پینا، خوشی، غم سب شامل ہیں۔ پہلے خیال آتا ہے پھر ہم کام کرتے ہیں۔ خیال روح سے موصول ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب جسم کے اندر سے روح نکل جاتی ہے تو اسے کوئی خیال نہیں آتا۔

ہمارے پاس چار آسمانی کتابیں ہیں .... وید، توراۃ، انجیل اور قرآن۔ ان تمام کتابوں میں ایک ہی پیغام ہے کہ جب تک روح موجود رہتی ہے، آدمی زندہ ہے۔

جب روح نکل جاتی ہے وہی آدمی مر جاتا ہے۔ جب کوئی آدمی اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کے اندر سے خوف، غم اور نفرت وغیرہ سب نکل جاتے ہیں۔ جب کوئی شخص اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کے اندر محبت کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام روح کے عالم تھے۔

دنیا میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہوگا جب تک انسان اپنی روح سے واقف نہیں ہو جاتا۔ جب آپ کو یہ علم ہو گیا کہ انسانی جسم روح کے علاوہ کچھ نہیں ہے تو آپ جسم یا جسمانی تقاضوں کو بنیاد بنا کر کسی سے لڑیں گے نہیں، کسی سے نفرت نہیں کریں گے۔ جب آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ کوئی اس دنیا میں مستقل نہیں رہتا، اپنا وقت پورا کرنے کے بعد سب کو چلے جانا ہے تو آپ دنیا میں زیادہ Involve نہیں ہوں گے۔ آپ دنیا کو فائیو اسٹار ہوٹل سمجھ کر ٹھہریں گے۔ جب آپ ایک ہفتے کے لئے کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں جاتے ہیں تو وہاں آپ کو ہر طرح کی سہولت ملتی ہے۔ مگر ہفتے کے بعد آپ خوشی سے ہوٹل چھوڑ دیتے ہیں۔ جب آدمی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو دنیا کی چیزیں خوش ہو کر استعمال کرتا ہے۔ ان میں دل نہیں لگاتا۔ انہیں زندگی کا مقصد نہیں بناتا اور خوشی خوشی دنیا چھوڑ جاتا ہے۔

ہمارے تمام اجداد، پیغمبر علیہم السلام، اولیاء کرام اس دنیا میں ایک وقت مقررہ تک رہے اور اس کے بعد دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ جو آدمی اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ یہاں سے چلا جاتا ہے۔ جو بھی فرد اس دنیا میں آیا ہے اسے یہاں سے جانا ہے۔ جب جانا ہے تو پھر یہاں دل کیوں لگایا جائے .... اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ گھر نہ بنائیں، کاروبار نہ کریں۔ جب آپ کو یہاں سے بہر صورت جانا ہی ہے تو جس دنیا میں آپ کو جانا ہے اس کی آپ کو خبر ہونی چاہئے۔

حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ جو بھی دنیا میں آتا ہے وہ کچھ عرصہ رہ کر چلا جاتا ہے۔ کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اسے دوسری دنیا میں انعام ملتا ہے، برے کام کی سزا ملتی ہے۔ دنیا میں نفرت، قتل، دشمنی یہ سب برائی ہیں۔ سب سے محبت کرنا، سب کو آدم کے رشتے سے اپنا بھائی بہن سمجھنا اچھی بات ہے، اچھا عمل ہے۔

ہمیں یہ تو پتہ چل گیا کہ مادی جسم کی اپنی کوئی حرکت نہیں اس میں زندگی کے تمام تقاضے اور حرکات روح کی وجہ سے ہیں .... اب سوال یہ ہے کہ روح کو کیسے جانیں کہ روح کیا ہے .... ؟

روح ایک روشنی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''خدا نے کہا، روشنی تو روشنی ہو گئی''۔ اس روشنی سے واقف ہونے کے لئے ہمارے پاس مراقبہ کا طریقہ ہے۔ جو ہمیں اسلاف سے منتقل ہوا ہے۔

مراقبہ سیکھنے کے بعد آدمی اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے۔ جو روح سے واقف ہو جاتا ہے وہ ماضی میں بھی چلا جاتا ہے اور مستقبل سے بھی واقف ہو سکتا ہے۔ جب کوئی آدمی اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو وہ یہ دیکھ لیتا ہے کہ جب میں مرنے کے بعد دوسری دنیا میں جاؤں گا، وہ دنیا کیا ہے؟ وہاں کے دن رات کیا ہیں۔ مرنے کے بعد لوگ دوسری دنیا میں کس طرح رہتے ہیں۔

مراقبہ کا بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کے اندر سے خوف نکل جاتا ہے۔ صحت اچھی ہو جاتی ہے، اسٹریس سے نجات مل جاتی ہے، دماغ پرسکون ہو جاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے لئے انسان کے اندر محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر تمام لوگ مراقبہ کے ذریعے اپنی روح کا عرفان حاصل کرلیں تو دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

میرے بھائیوں اور میری بہنوں! اگر دنیا میں امن چاہتے ہو تو اپنی روح کا عرفان حاصل کرو۔ میرے پیارے دوستو! ہم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔

ایک دفعہ پھر سمجھئے کہ جب کوئی آدمی اپنی روح سے واقف ہو جاتا ہے تو اس کے ذہن سے یہ بات نکل جاتی ہے کہ میں دوسرے سے بہتر ہوں۔ اس کی طرز فکر میں یہ بات شامل ہو جاتی ہے کہ یہ دنیا عارضی جگہ ہے۔ عظیمیہ فاؤنڈیشن ایک اسکول آف تھاٹ ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ کوئی انسان جب خود خوش رہتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی خوش رکھ سکتا ہے۔ کوئی آدمی جو دوسروں کو خوش نہیں رکھ سکتا تو خود بھی خوش نہیں رہتا۔ غصہ کرنے والے سے لوگ دور بھاگتے ہیں۔ جو دوسروں سے محبت کرے گا، سب اس سے محبت کریں گے۔

قلندر شعور بتاتا ہے کہ اللہ اپنی مخلوق کی خدمت کر رہا ہے۔ بارش، درخت، آکسیجن، پانی بلا معاوضہ پیدا کرنا خدمت نہیں تو اور کیا ہے۔ ماں باپ کے دل میں محبت ڈالنا بھی خدمت ہے۔ جو لوگ خدمت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اللہ ان کو اپنا دوست بنالیتا ہے۔ گڈ نائٹ، نمسکار، لیلہ تو، السلام علیکم۔

ریڈیو، ٹیلی ویژن سے ابلاغ

عظیمی صاحب نے الٰہی مشن کی ترویج کے لئے تمام قدیم وجدید ذرائع ابلاغ کو استعمال فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں قومی اور بین الاقوامی سطح کے مختلف نشریاتی اداروں میں آپ کے لیکچرز، سوال و جواب کی نشستیں روحانی علوم کے فروغ میں معاون ثابت ہوئی ہیں۔قومی اور بین الاقوامی سطح کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ان چینلوں کی فہرست جو عظیمی صاحب کے پروگرام نشر کر چکے ہیں کچھ اس طرح ہے۔

ٹی وی چینلز		ریڈیو چینلز	
۱۔پی ٹی وی	پاکستان	۱۔ریڈیو پاکستان	پاکستان
۲۔پی ٹی وی ورلڈ	پاکستان	۲۔100 FM	پاکستان
۳۔انڈس ویژن	پاکستان	۳۔101 FM	پاکستان
۴۔ویژن آف پاکستان	کینیڈا	۴۔وائس آف امریکہ	پاکستان
۵۔چینل ایسٹ	برطانیہ	۵۔ریڈیو ابوظہبی	عرب امارات
۶۔این۔بی۔سی	امریکہ	۶۔ریڈیو کینیڈا	کینیڈا
۷۔اے۔آر۔وائی	عرب امارات	۷۔ریڈیو ڈنمارک	ڈنمارک
۸۔آئی ٹی وی	نیویارک	۸۔ریڈیو بریڈفورڈ	برطانیہ
۹ٹی وی ایشیاء	برطانیہ	۹۔بی۔بی۔سی	برطانیہ

ملکی اور بین الاقوامی دورے

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن ہے کہ تڑپتی، سسکتی، بے حال اور درماندہ مخلوق کو سکون سے آشنا کیا جائے، شیطانی گرفت سے اسے نجات دلائی جائے۔مادیت کے دبیز پردوں سے اسے آزاد کر کے، اس کے اوپر غیب کی دنیا کے دروازے کھول دیئے جائیں اور اسے یہ دکھایا جائے کہ اس کا اصل مقام جنت ہے۔ وہ مقام جہاں ٹائم اور اسپیس نہیں ہے، جہاں آرام و آسائش اور سکون کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

عظیمی صاحب توحیدی مشن کی ترویج کے لئے شب و روز مصروف عمل ہیں۔آپ فرماتے ہیں۔ہم فقیر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توحیدی مشن سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ ان کے اندر اور پوری نوع انسانی کے اندر روحانی

صلاحیتیں ابھر کے سامنے آئیں اور وہ اللہ وحدہ لاشریک سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

آپ کے ملکی اور بین الاقوامی دورے اس مقصد کے حصول کی ایک کڑی ہیں۔ان دوروں کے دوران آپ نے اپنی جسمانی صلاحیتوں کو انتہائی حد تک استعمال فرمایا ہے۔جس کے باعث آپ اکثر اوقات بیمار بھی ہو جاتے ہیں۔ایک مرتبہ آپ کو آرام کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

جسمانی بیماری کا کچھ نہیں، روح بیمار نہیں ہونی چاہئے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا۔

اگر میری زندگی، میری نسل کو لگ جائے تو سودا مہنگا نہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ مجھ سے قرب چاہتا ہے بذریعہ نوافل کے، یہاں تک کہ میں اس کو دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔پس وہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے دیکھتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے پکڑتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے بولتا ہے اور میرے ہی ذریعہ سے چلتا ہے یعنی کہ ان کے جسم و جان کا رشتہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے ان کی گرفت میں آجاتا ہے۔ان کو تسخیر کائنات کے فارمولے یاد ہوتے ہیں۔شمس و قمر، آسمان و زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے، ان کے تابع ہو جاتا ہے۔نہ صرف یہ بلکہ ان کو اپنی ذات پر بھی تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔

یہ پوری کائنات میں آزاد ہیں، فرشتوں کے سربراہ ہیں۔اللہ کی بہترین صنعت ہیں اور کائنات میں اللہ کے نائب ہیں۔یہ صحیح ہے کہ یہ آزاد ہیں مگر ساتھ ہی یہ نوع انسانی کے معاشرے کی رسی میں بندھے ہوئے ہیں۔ہر دور میں اسی کمزوری نے ایسے لوگوں کی آزادی کو ادھورا رکھا ہے۔عظیمی صاحب نے بھی اس معاشرتی جکڑ بندیوں کو خندہ پیشانی سے قبول فرمایا ہے اور ہمیشہ عوامی قدروں کا احترام کیا ہے۔۱۰۳ ڈگری بخار میں جب فلو کے وائرس خون میں گردش کر رہے ہوں، آپ کار کی پچھلی سیٹ پر لیٹ کر وقت مقررہ پر لیکچرز کی ادائیگی کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔آپ نے ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھا ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی فرماتے ہیں کہ

یا اللہ! تیری یہ مخلوق اس لئے جمع
ہے کہ وہ کچھ سننا چاہتی ہے، کچھ
پوچھنا چاہتی ہے۔یا اللہ! مجھ سے

ایسی باتیں کہلوا دے جو میرے لئے
اور میرے سب بہن بھائیوں کے
لئے فائدہ مند ہوں۔ پتا نہیں پھر
کبھی یہاں دوبارہ آنا ہو یا نہ آنا
ہو۔

ملکی اور بین الاقوامی دوروں کے دوران مجموعی طور پر ''۱۲ لاکھ میل'' سے زائد مسافت طے کرنے کے لئے عظیمی صاحب نے تمام ممکنہ ذرائع نقل وحمل استعمال فرمائے ہیں۔ ان دوروں کے دوران آپ نے اپنے رفقاء کے آرام کے ساتھ ساتھ ان کی عزت نفس کا مکمل تحفظ فرمایا ہے۔ گزشتہ ۲۹ سالوں میں بحیثیت سرپرست سلسلہ عظیمیہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل اور صدر الصدور امام سلسلہ عظیمیہ حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی منشا کے مطابق توحیدی مشن کی ترویج کے لئے

- ۷۰ سے زائد ملکی اور بین الاقوامی شہروں کے دورے کئے
- ۷۳ سے زائد مراقبہ ہال قائم فرمائے
- ۱۵ روحانی ورکشاپس کا انعقاد ہوا
- مقتدر اخبارات وجرائد میں کالم نویسی کی
- ماہانہ روحانی ڈائجسٹ کا اجراء ہوا
- تصنیف وتالیفات کی تعداد تقریباً چوالیس (۴۴) ہے
- تقاریر کے مجموعوں کی اشاعت
- ۸۰ کتابچے منظر عام پر آئے
- ۱۰۰ سے زائد عظیمیہ روحانی لائبریریز کا قیام عمل میں آیا
- ۳۰ سے زائد تعلیمی وسماجی اداروں میں لیکچرز اور خطابات ادا کئے
- ۶ بین الاقوامی روحانی کانفرنسز کا انعقاد ہوا
- ملکی اور بین الاقوامی سطح کے مختلف نشریاتی اداروں سے ۲۷ سے زائد لیکچرز اور سوال وجواب کی نشستوں کا ابلاغ
- نصاب کی طرز پر روحانی علوم سکھانے کے لئے کلاسز کا اجراء فرما دیا

آپ نے اپنے عمل سے متوسلین وسالکین سلسلہ عظیمیہ کے لئے مثال قائم فرمائی ہے کہ مشن کی ترویج

کے لئے کس طرح دیوانہ وار کام کیا جا سکتا ہے۔ آپ اپنے شاگردوں کے لئے دعا فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس درباری کی حیثیت میں قبول کریں جس نے نہ صرف کہا تھا بلکہ کر کے دکھایا تھا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے دربار میں تخت لے آؤں گا میرے پاس کتاب کا علم ہے۔

اندرون ملک دورے




بین الاقوامی دورے
مرکزی مراقبہ ہال - کراچی
انڈیا
بنگلہ دیش
مڈل ایسٹ
بحرین
سعودی عرب
ایران
ترکی
مصر
اٹلی
فرانس

اللہ تعالیٰ سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشن کو چلانے کے لئے ہمیں متحد کریں اور ہم اپنے آقا کے مشن کے لئے اپنی زندگی کو شمع کی طرح پگھلاتے رہیں۔ شمع کے آنسو جمع ہو کر پھر شمع بنے اور شمع اپنے آقا کے دیدار سے مخمور ہو کر جھومتی رہے اور اس کے خون کا ایک قطرہ لو بن کر روشنی پھیلاتا رہے۔ خدا کرے میرا جنون آپ کا جنون بن جائے۔ آمین

شعبہ اطلاعات

شعبہ اطلاعات درج ذیل مقاصد کے تحت خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

۱۔ فاؤنڈیشن کے تحت قائم شعبہ جات میں مکمل رابطے کے لئے انتظام

۲۔ اراکین سلسلہ عظیمیہ میں مستحکم اور باہمی ربط کے لئے انتظام

۳۔ سلسلہ عظیمیہ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والی شخصیات کے مابین تعارف و ربط کا اہتمام

شعبۂ اطلاعات کے اعلیٰ انتظام اور اس کے مؤثر تنظیمی ربط کا عکس مرکزی مراقبہ ہال اور ملک کی سرحدوں کے پار بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مجلس

مرکزی مراقبہ ہال تقریباً تین ہزار اسکوائر یارڈ پر ایک خطہ ہے۔اس خطہ میں روشیں ہیں،گلاب کے تختے ہیں،مخملیں گھاس ہے،کیاریاں ہیں جو پھولوں سے اٹی پڑی ہیں،اس خطے پر سایہ دار اور پھل دار درخت ہیں۔ان درختوں پر صبح و شام چڑیاں چہچہاتی ہیں،پرندے اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں اور دھوپ نکلنے پر تتلیاں پھولوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتی ہیں۔یہاں ایسے بھی لوگ آتے ہیں جو دروازے کے اندر قدم رکھتے ہی بے کیف ہو جاتے ہیں.........وہ بے اختیار پکار اٹھتے ہیں،اف اف!.........کتنا سناٹا ہے.........اور ایسے صاحب دل خواتین و حضرات بھی تشریف لاتے ہیں جو گہرا سانس لے کر بول اٹھتے ہیں.........سبحان اللہ.........یہاں کتنا سکون ہے.........اور دماغ صوت سرمدی کی تلاش میں گم ہو جاتے ہیں۔مرکزی مراقبہ ہال میں راتیں جاگتی ہیں۔شہروں میں بجلی کے قمقموں،ٹیوب لائٹس کی روشنیوں سے رات میں دن کا سماں ہوتا ہے اور مراقبہ ہال تاریکی میں چھپی ہوئی روشنیوں سے منور ہوتا ہے۔یہ عجیب زمین ہے جہاں دن کی روشنی میں رات کی تاریکی کا انتظار رہتا ہے۔جیسے ہی سورج تاریکی کی ردا میں منہ چھپاتا ہے مرکزی مراقبہ ہال کے احاطہ پر نورانی چادر محیط ہو جاتی ہے۔

عظیمی صاحب کے حلقہ ارادت میں تقریباً ہر شعبہ کے لوگ شامل ہیں۔انجینئرز،ڈاکٹرز،ٹیچرز، پروفیسرز،صنعت کار،سوداگر،اعلیٰ عہدوں پر فائز اور ماتحت سرکاری افسران.........سب لوگ ہی حاضر ہوتے ہیں۔

آپ کے کمرے کے سامنے ایک تخت بچھا ہوا ہے۔تخت کے اوپر ایک چٹائی اور دو تکئے یا بعض اوقات ایک گول تکیہ رکھا رہتا ہے۔مرکزی مراقبہ ہال میں عشاء کی نماز،اجتماعی درود اور مراقبہ کے بعد عشائیہ سے فارغ ہو کر لوگ جب حاضر خدمت ہوتے ہیں تو گفتگو کا سلسلہ کبھی آپ شروع کرتے ہیں اور کبھی حاضرین میں سے کوئی ایک سوال کرتا ہے،اس طرح سوال جواب کی یہ مجلس گھنٹوں جاری رہتی ہے۔یہ مجلس یک طرفہ نہیں ہوتی بلکہ سب ہی اس میں شریک ہوتے ہیں۔ہر علم کے بارے میں سوال کرنے کی عام اجازت ہے لیکن روحانی،تحقیقی اور سائنسی علوم کے بارے میں سوال کرنے کو پسند فرماتے ہیں اور سوال کا تسلی بخش جواب دینا آپ اپنا فرض جانتے ہیں۔آپ سوالات کے جوابات کے دوران اس کی خاص نوعیت کو نہیں بلکہ عمومی صورتوں کو پیش نظر رکھ کر مثالوں کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔جس میں اکثر اوقات آپ نے قوانین قدرت سے متعلق بنیادی نکات کو عام فہم زبان میں بیان فرمایا ہے۔آپ اسرار کائنات کے شناسا اور حامل علم الٰہی ہیں اور آپ پر

حقائق آئینہ کی طرح روشن ہیں مگر جب آپ عام انسانوں کی رز میں گفتگو فرماتے ہیں تو اس سے مدعا ہماری روزمرہ کی زندگی کے ان پہلوؤں کی نشاندہی ہوتا ہے جنہیں ہم اپنے شب و روز کے مشاغل کا حصہ قرار دے سکتے ہیں۔

اکثر اوقات آپ خود ہی کوئی بات کر کے سننے والوں سے پوچھتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہوا، جواب پر کوئی نیا سوال اٹھاتے ہیں اور اس طرح مخاطب کو سوال کی حقیقت سے قریب تر لاتے ہیں۔ اس طرح مخاطب کو حقیقت کے دروازے تک پہنچا کر رازِ حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ اس خاص طریقہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ لوگ حقیقت بھی جانیں اور حقیقت تک پہنچنے کے لئے غور و فکر کیسے کیا جاتا ہے یہ بھی سمجھیں۔ آپ کی گفتگو آپ کے وسعتِ علم اور ماخذ پر گرفت کا اظہار ہوتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کی معجز بیانی کو احاطۂ تحریر میں لانا عام ذہن کے بس کی بات نہیں۔ ان صفحات میں عظیمی صاحب کے ارشادات کو مجلس کے عنوان سے پیش کیا جارہا ہے۔

بائیس ہزار چھ سو چالیس ☆☆☆☆☆

یہ بات اب پردہ نہیں رہی کہ پانچ ہزار آٹھ سو چالیس دن رات کو اگر گھنٹوں سے ضرب دیا جائے اور ایک لاکھ چالیس ہزار ایک سو ساٹھ گھنٹوں کو منٹ سے ضرب کیا جائے اور ہر منٹ پر ایک بات چیلے نے گرو سے سنی ہو تو چوراسی لاکھ نو ہزار چھ سو باتیں مرشد سے مرید کو منتقل ہوئیں ہیں۔ یہ سب باتیں اس وقت علم بن جاتی ہیں جب گرو چیلے کی دماغ کی اسکرین کو واش کر دے۔ ایسی کچھ باتیں میں آپ کو ضرور سنانا چاہتا ہوں جو اسفل میں گرے ہوئے انسانوں کو "احسن تقویم" بنا دیتی ہے۔ مرشد نے فرمایا، جو کھوتا ہے وہ پاتا ہے اور جو پالیتا ہے وہ خود کھو جاتا ہے۔ ازل سے زمین تک آنے میں اور زمین سے ازل تک پہنچنے میں ہر انسان کو تقریباً سترہ مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔ آبادی زمین کے اندر نہیں زمین کے اوپر ہے۔ کسی کو بنانے کے لئے اپنا سب کچھ کھونا پڑتا ہے۔ ماں کی خدمت انسان کو حضرت اویس قرنی بنا دیتی ہے۔ بچہ ماں باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ استاد تراش تراش کر اسے ہیرا بنا دیتا ہے۔ ہر انسان کے اندر کم وبیش گیارہ ہزار صلاحیتیں ایسی ہیں کہ جن میں ہر ایک صلاحیت پورا علم ہے۔

انسان کو کبھی یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ خود کو دوسروں سے برتر ثابت کرے، کسی کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہئے۔ انسان جب دوسروں میں برائی دیکھے تو ان کی برائی پر غور کرنے کے بجائے خود اپنی برائی پر نظر ڈالنی چاہئے۔

انسان کو دوسروں پر وہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہئے جس کو وہ خود نہ اٹھا سکے۔ کاہلی بھی ایک قسم کی شیطنت ہے۔ ضد تمام تکلیفوں کی بنیاد ہے اور ضد پیدا ہوتی ہے کبر سے۔ انسان کو کسی کا کام کر کے یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ میں نے دوسروں پر کوئی احسان کیا ہے۔ اپنی بھلائی اور دوسروں کی برائی بھلا دینا ضروری ہے۔ اپنی برائی اور دوسروں کی بھلائی یاد رکھنا ضروری ہے۔ انسان اپنی جس نیکی کو یاد رکھتا ہے وہ نیکی بدی بن جاتی ہے۔ سخاوت اعلیٰ ظرف لوگوں کا شیوہ ہے۔ دسترخوان وسیع ہونا چاہئے۔

انسان کو ہر حال میں خوش رہنا چاہئے۔ تکلیف میں صبر وضبط سے کام لے تکلیف کی شکایت یا تذکرہ صبر وضبط کے خلاف ہے۔ افسردگی اور مایوسی بہت بڑا گناہ ہے۔ انسان کو اپنی زندگی بہت ہوشیار رہ کر گزارنی چاہئے۔ یہ دنیا آنکھیں بند کر کے چلنے کی جگہ نہیں ہے۔ اگر انسان تلاش کرے تو غموں کے برداشت کرنے میں کوئی خوشی کا پہلو نکل ہی آتا ہے۔ خوشی ایک جذبہ ہے جس سے انسان اپنا اثر دوسروں میں ڈال سکتا ہے۔ ایک رنجیدہ انسان دوسروں کا اثر قبول کرتا ہے۔

صدر الصدور حضور قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں، میرے بچے عظیمی خوش گفتار، خوش اخلاق، خوش الحان اور خوش باطن ہیں۔ عظیمی بچہ کبھی ایک نہیں ہوتا، جہاں وہ ایک ہوتا ہے وہاں دوسرا اللہ ہوتا ہے۔ جہاں وہ عظیمی ہوتے ہیں وہاں تیسرا اللہ ہوتا ہے۔ عظیمی ایک اور ایک دو نہیں ہوتے۔ ایک اور ایک گیارہ ہوتے ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاء منادی کرتے ہیں۔

رب راضی۔ سب راضی

☆☆☆☆☆

پاکیزگی، خلوص، ایثار، روحانی شعور کی علامت ہے۔ روحانی زندگی گزارنے والا شخص بے حد حساس ہو جاتا ہے۔ جب زندگی کے نشیب وفراز اس کے لئے اضطراب بن جاتے ہیں تو وہ اپنے معاملات اور مشاغل کو منظم کر لیتا ہے۔ زندگی کا دھارا اس طرح سے بہنے لگتا ہے کہ وہ روحانیت کے خلاف کچھ برداشت نہیں کرتا۔ اخلاقی احساس کے ساتھ اس کے اندر ایثار کا جذبہ نمایاں ہو جاتا ہے وہ جو عمل انسان کو خدا سے دور کر دیتا ہو اور جو عمل ایثار اور ضمیر کی آواز کے خلاف ہو وہ اس کے قریب نہیں جاتا لیکن یہ سب بتدریج ہوتا ہے۔

روحانی دنیا میں داخل ہونے سے پہلے انسان جن اعمال سے گزر چکا ہوتا ہے ان میں بنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ اسے سکون قلب نہیں ملتا۔ مذہبی معاملات، عبادت و ریاضت میں انہماک بھی اسے سکون قلب سے آشنا نہیں کرتے تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ مذہب کیا ہے، مذہب کو سمجھنے کے لئے جب آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو ان کتابوں میں سات اہم عناصر کا سراغ ملتا ہے۔

قربانی

کسی نہ کسی قسم قربانی کا تصور مذہب کا ایک دائمی عنصر ہے۔ ہر مذہب میں ذاتی ایثار، جسمانی مشقت اور اسفل نفس کشی کو لازمی بتایا گیا ہے۔

اعتراف گناہ

مذہب کا دوسرا اہم عنصر اعتراف گناہ ہے۔ مذہبی نقطہ سے ضروری ہے کہ عبد اپنے معبود کے سامنے توبہ کرے، بخشش کا طالب ہو اور گناہوں کا کھلے دل سے اعتراف کرے۔

دعا

مذہب کا تیسرا عنصر دعا ہے۔ دعا کے حقیقی ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ جو نتائج کسی طریقہ سے پیدا نہیں ہو سکتے وہ دعا سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ دعا کرنے والے بندہ پر ''فطرت'' اپنے دروازے کھول دیتی ہے۔

تاریخی حقائق

مذہبی کتابوں کی روشنی میں تاریخی حقائق یہ ہیں کہ زمین ایک سٹیج ہے جس پر ڈرامہ کے لئے نئے نئے کردار آتے ہیں اور اپنا کردار پیش کر کے پردہ کے پیچھے گم ہو جاتے ہیں۔ کائناتی کہانی یا کائناتی ڈرامہ ایک ہے، کردار مختلف ہیں اور یہ کردار اپنے مخصوص انداز میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں لیکن ڈرامہ کے پلاٹ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

قوموں کا عروج و زوال

ہزاروں سال کی تاریخ دراصل اس راز کی پردہ کشائی ہے کہ قومیں ترقی کے خوشنما دعووں میں اور نئی نئی ایجادات کے پردۂ زنگاری میں خود کو تباہ و برباد کرتی رہتی ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کے مشاہدات یہ

ہیں کہ جو قوم سب سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ افراد کو موت کے منہ میں دھکیل دے وہ ترقی یافتہ ہے اور جب اس کی ترقی کا فسوں ٹوٹتا ہے تو زمین آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑتی ہے۔

پیدا ہونے سے پہلے اور مرنے کے بعد کے عالمین

ایک نیوٹرل آدمی ذہنی طور پر اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے کہ انسان پیدائش سے پہلے کہاں تھا اور مرنے کے بعد کہاں چلا جاتا ہے، جو پیدا ہوتا ہے بالآخر وہ اس دنیا کو اور دنیا میں جمع کئے ہوئے تمام وسائل چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

ایک ماورائی ہستی اور اس کا تعارف

تجرباتی دنیا یہ ہے کہ انسان کہیں سے آتا ہے یعنی وہ پہلے کہیں پر موجود تھا۔ جب وہاں کی موجودگی ختم ہوئی تو اس دنیا میں پیدا یعنی اس دنیا میں آنے سے پہلے اس پر موت وارد ہوئی پھر پیدا ہوا۔ اور اسی طرح دنیا سے جانے کے بعد دوسری دنیا میں پیدا ہوا۔ اس کا منطقی استدلال یہ ہوا کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ہم کہیں پیدا ہوئے تھے۔ وہاں مرے تو یہاں پیدا ہوئے اور یہاں سے مرے تو موت کے بعد دوسرے عالم میں پیدا ہوئے۔ اس کو اس طرح سے بھی کہا جاتا ہے، موت زندگی میں داخل ہوگئی اور زندگی موت میں داخل ہو گئی۔ زندگی سے موت کا پیدا ہونا اور موت کا زندگی سے پیدا ہونا، زندگی کا موت میں داخل ہو جانا یا موت کا زندگی میں داخل ہو جانے کا پروسیس یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اس پروسیس کو قائم رکھے ہوئے ہے اور بغیر تبدیلی اور تعطل کے جاری رکھے ہوئے ہے۔

وہ لوگ جو قول و فعل، عقیدہ اور عمل کے درمیان ذرا سا بھی تفاوت اور خلجان قبول نہیں کرتے وہ تفکر کا ایسا راستہ اختیار کر لیتے ہیں جس پر خدا کا عطا کردہ نورِ ہدایت ان پر واضح کر دیتا ہے کہ اگر بندہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہیں ہوتا اور اخلاقی گندگی سے اس کا دامن پاک ہوتا ہے تو خدا خود بندہ سے ہم کلام ہو جاتا ہے اور بندہ خدائی مملکت میں ایک فعال کارکن بن کر خدا کے تفویض کردہ اختیارات کو استعمال کرتا ہے۔ کائنات میں خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔ زمان و مکان اس کے لئے مسخر ہو جاتے ہیں۔ طرز فکر کے بارے میں یہ بات واضح طور پر سامنے آچکی ہے کہ زندگی کا ہر عمل اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ اس حیثیت میں معنی پہنانا دراصل طرز فکر میں تبدیلی ہے۔

راسخ فی العلم لوگ اس بات کا مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ ہر مظہر کا تعلق، ہر وجود کا تعلق، ہر عمل کا تعلق، ہر حرکت کا تعلق لوح محفوظ سے ہے۔ اس لئے وہ برملا اس کا اعلان کرتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ راسخ العلم لوگ چونکہ لوح محفوظ کے نقوش کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس لئے وہ کسی تکلیف کو یا کسی بے آرامی کو عارضی تکلیف یا عارضی کمی سمجھتے ہیں اور مشاہدے کے بعد ان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں مخصوص کر دی ہیں وہ ہمیں ہر حال میں میسر آئیں گی اور یہ یقین ان کے اندر استغناء پیدا کر دیتا ہے۔ استغناء بغیر یقین کے پیدا نہیں ہوتا اور یقین بغیر مشاہدے کے تکمیل نہیں پاتا اور جس آدمی کے اندر استغناء نہیں ہے اس آدمی کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کم اور مادیت سے زیادہ رہتا ہے۔

تصوف یا روحانیت دراصل ایسے اسباق کی دستاویز ہے جن اسباق میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ سکون کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر استغناء ہو۔ استغناء کے لئے ضروری ہے کہ اللہ کے اوپر توکل ہو۔ توکل کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر ایمان ہو اور ایمان کے لئے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر وہ نظر کام کر رہی ہو جو نظر غیب میں دیکھتی ہے، بصورت دیگر کسی بندے کو کبھی سکون میسر نہیں آسکتا۔ سکون ہرگز کوئی عارضی چیز نہیں ہے۔ سکون ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو یقینی ہے اور جس کے اوپر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ ایسی چیزوں سے جو چیزیں عارضی ہیں، فانی ہیں اور جن کے اوپر ہماری ظاہرہ آنکھوں کے سامنے بھی موت وارد ہوتی رہتی ہے، ان سے ہرگز سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔



حضرت عمر کی خدمت میں جب کہ وہ دربار خلافت میں تشریف فرما تھے، ایک عورت اپنے بچے کو لے کر آئی اور عرض کیا، امیر المومنین! میرا بیٹا گڑ زیادہ کھاتا ہے۔ گھر میں گڑ نہیں ہوتا تو ضد کرتا ہے اور مجھے بہت زیادہ پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر نے چند ساعت غور فرمایا اور کہا، اپنے بیٹے کو ایک ہفتہ کے بعد لے کر آنا۔ خاتون ایک ہفتہ کے بعد پھر آئی۔ حضرت عمر نے بچے کو مخاطب کر کے فرمایا، بیٹے! گڑ کم کھایا کرو اور ضد نہ کیا کرو، تمہارے اس عمل سے تمہاری ماں بہت پریشان ہوتی ہے اور بچے کی ماں سے کہا، اس کو گھر لے جاؤ، اب یہ پریشان نہیں کرے گا۔

حاضرین مجلس نے عرض کیا، امیر المومنین! اتنی سی بات کہنے کے لئے آپ نے اس عورت کو ایک ہفتہ انتظار کی زحمت دی، یہ بات آپ پہلے روز بھی فرما سکتے تھے۔ حضرت عمر نے ارشاد فرمایا، میں خود گڑ زیادہ کھاتا تھا، میں نے گڑ کھانا کم سے کم کر دیا اور ایک ہفتہ تک اس ترک پر عمل کر کے اس عادت کو پختہ کر لیا، پہلے ہی روز اگر میں بچے سے یہ کہتا کہ تم گڑ کم کھایا کرو تو اس کے اوپر میری نصیحت کا اثر نہ ہوتا۔ اب اس کے اوپر اثر ہوگا

اور وہ عمل کرے گا۔ بے یقینی، درماندگی، پریشانی اور عدم تحفظ کے اس دور میں جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص اپنے چھوٹوں اور احباب کو برائی سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور خود اس پر عمل نہیں کرتا تو ہمارے سامنے یہ بات آ جاتی ہے کہ نصیحت کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ ہم خود بے عمل ہیں۔ ہر طرف یہ شور و غوغا برپا ہے کہ موجودہ نسل اسلام سے دور ہوگئی ہے۔ اسلاف کی پیروی نہیں کرتی۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ موجودہ نسل کے اسلاف میں ہمارا بھی شمار ہے۔



روحانی قانون کے تحت ہر آدمی ایک آئینہ ہے۔ آئینہ کی شان یہ ہے کہ جب آدمی آئینہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو آئینہ تمام داغ دھبے اپنے اندر جذب کر کے نظر کے سامنے لے آتا ہے اور جب آدمی آئینہ کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو آئینہ اپنے اندر جذب کئے ہوئے یہ دھبے یکسر نظر انداز کر دیتا ہے۔

جس طرح آئینہ فراخ حوصلہ ہے آپ بھی اسی طرح اپنے دوست کے عیوب اس وقت واضح کریں جب وہ آپ کو فراخ دلی سے تنقید و احتساب کا موقع دے۔ نصیحت کرنے میں ہمیشہ نرمی اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیجئے۔ اگر آپ یہ محسوس کرلیں کہ اس کا ذہن تنقید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اپنی بات کو کسی اور موقع کے لئے اٹھا رکھیں۔ اس کی غیر موجودگی میں آپ کی زبان پر کوئی ایسا لفظ نہ آئے جس سے اس کے عیب کی طرف اشارہ ہوتا ہو، اس لئے کہ یہ غیبت ہے اور غیبت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

دوست کی تمام زندگی میں جو عیوب آپ کے سامنے آئیں صرف ان کی نشاندہی کیجئے۔ پوشیدہ عیبوں کے تجسس اور ٹوہ میں نہ لگئے۔ پوشیدہ عیبوں کو کریدنا بدترین، تباہ کن اور اخلاق سوز عیب ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار منبر پر چڑھے اور بلند آواز میں حاضرین مجلس کو تنبیہ فرمائی،

مسلمانوں کے عیوب کے پیچھے نہ پڑو، جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کے پوشیدہ عیوب کے درپے ہوتا ہے تو پھر خدا اس کے چھپے ہوئے عیوب کو طشت از بام کر دیتا ہے اور جس کے عیب افشا کرنے پر خدا متوجہ ہو جائے تو اس کو رسوا کر کے ہی چھوڑتا ہے۔ اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر ہی بیٹھ جائے۔



عید الفطر ایک اعلیٰ و ارفع پروگرام کی کامیابی کی خوشی منانے کا دن ہے۔ رب کریم کا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ماہ شوال کی پہلی تاریخ کو دنیا و آخرت کی لازوال اور بے کراں مسرتوں اور نعمتوں سے ہمکنار فرمایا۔ جب کہ اسی مہینہ میں سابقہ امتوں کی نافرمانیوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ماہ شوال کی پہلی تاریخ بروز شنبہ قوم نوح

غرقاب ہوئی۔ جس دن قوم لوط پر عذاب نازل ہوا، اس روز شوال کی پہلی تاریخ تھی۔ فرعون اپنے لشکر سمیت سہ شنبہ کو دریا میں غرق ہوا اس روز بھی شوال کی پہلی تاریخ تھی۔ قوم عاد چہار شنبہ کو ہلاک ہوئی اور جب قوم صالح پر پنجشنبہ کو عذاب نازل ہوا تو یہ مہینہ بھی شوال کا تھا۔

☆☆☆☆☆

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نظام تکوین میں مشل کے درجہ پر فائز ہیں اور نظامت کے امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزیر حضوری ہیں۔ رجال الغیب اور تکوینی امور پر فائز تمام حضرات کا بڑے پیر صاحب سے بحیثیت وزیر حضوری ہر وقت کا واسطہ رہتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں بڑے پیر صاحب کا مقام ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج تک ان کی کوئی درخواست نامنظور نہیں فرمائی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے پیر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے مزاج شناس ہیں کہ وہ ایسی کوئی بات کرتے ہی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت اور مزاج کے خلاف ہو۔

یہی صورت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ آپ ﷺ کی کوئی درخواست اللہ تعالیٰ نامنظور نہیں فرماتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے مزاج اور ان کی مشیت سے اتنے واقف ہیں کہ ایسی کوئی بات اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہی نہیں کرتے جو اللہ کی مشیت کے خلاف ہو۔

☆☆☆☆☆

دنیا میں افراتفری کا ایک عالم برپا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی الجھن میں گرفتار ہے، ذہنی سکون ختم ہو گیا ہے، عدم تحفظ کے احساس سے حزن و ملال کے سائے گہرے اور دبیز ہو گئے ہیں۔ اخبارات میں آئے دن حادثات اور انسانوں کی قیمتی جانیں ضائع ہونے کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں ہے کہ ہم آفات ارضی وسماوی کی یلغار کی زد میں ہیں۔ فرمان خداوندی کے بموجب انسانی معاشرہ میں آباد لوگوں کے جرائم اور خطاکاریاں، ارضی وسماوی آفات اور ہلاکتوں کو دعوت دیتی ہے۔ جب کوئی قوم قانون خداوندی سے انحراف وگریز کرتی ہے اور خیر وشر کی تفریق کو نظر انداز کر کے قانون شکنی کا ارتکاب کرنے لگتی ہے تو افراد کے یقین کی قوتوں میں اضمحلال شروع ہو جاتا ہے۔ آخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یقین کی قوت بالکل معدوم ہو جاتی ہے اور عقائد میں شک اور وسوسے در آتے ہیں۔

تشکیک اور بے یقینی کی بنا پر قوم توہمات میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ توہماتی قوتوں کے غلبے سے انسان کے اندر طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں جس کا منطقی نتیجہ حرص و ہوس پر منتج ہوتا ہے۔ یہ

حرص اور ہوس انسان کو اس مقام پر لے جاتی ہے جہاں بے یقینی اور توہماتی قوتیں مکمل طور پر اس کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جہاں انسان زندگی کی حقیقی مسرتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی حیات کا محور اللہ تعالیٰ کی بجائے ظاہری اور مادی وسائل بن جاتے ہیں۔ اور جب کسی قوم کا انحصار دروبست مادی وسائل پر ہو جاتا ہے تو آفات ارضی وسماوی کا لامتناہی سلسلہ عمل میں آنے لگتا ہے اور بالآخر ایسی قومیں صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہیں۔

ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ شک اور بے یقینی کو دماغ میں جگہ دینے سے منع فرماتے ہیں۔ یہ وہ شک اور وسوسہ ہے جس سے آدم علیہ السلام کو باز رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ بالآخر شیطان نے بہکا کر آدم علیہ السلام کو شک اور بے یقینی میں گرفتار بلا کر دیا۔ جس کے سبب آدم کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑا۔



حضرت عبداللہ حنیف کے دو مرید تھے۔ ایک کو احمد کہہ اور دوسرے کو احمد مہہ کر کر پکارتے تھے اور احمد کہہ کے حال پر زیادہ شفقت تھی۔ دوسرے مریدان سے حسد کرنے لگے۔ حضرت عبداللہ نے نور فراست سے ان کے دلوں میں بھرے ہوئے غبار کو دیکھ لیا۔ ایک دن اپنے سب مریدوں کا جمع کر کے اپنے سامنے بٹھالیا۔ پہلے احمد مہہ (جو بڑا تھا) سے کہا کہ خانقاہ کے دروازے پر اونٹ بیٹھا ہوا ہے، اس کو مکان کی چھت پر پہنچا دے۔ اس نے کہا، حضرت! اونٹ جیسا قوی الجثہ جانور مکان کی چھت پر کیسے جا سکتا ہے۔

یہ بات تو ناممکن ہے۔ آپ نے فرمایا، اچھا! بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں احمد کہہ آ گیا۔ اس سے بھی حضرت نے یہی بات فرمائی کہ اونٹ کو چھت پر پہنچا دے۔ احمد کہہ آستین چڑھا کر تعمیل حکم میں لگ گیا۔ ہر چند کوشش کی کہ اونٹ کو گود میں اٹھا کر چھت پر لے جائے مگر وہ کسی طرح سے اٹھا نہیں سکا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ بس اب بیٹھ جاؤ۔

پھر سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سب صاحبان نے دیکھ لیا کہ احمد کہہ کے اوپر میں کس لئے زیادہ شفقت کرتا ہوں۔ اس نے میرے حکم کے امکان یا ممکن ہونے پر غور ہی نہیں کیا اور نہ بحث کر کے باتوں میں وقت ضائع کیا مگر بڑے احمد نے ایسا نہیں کیا۔ آپ سب ایسی باتوں سے اپنے اپنے باطن کا حال سمجھ لیں، بارگاہ الٰہی میں تعمیل حکم کی قدر کی جاتی ہے۔ عبادت وریاضت یا کج بحثی کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے اور یاد رکھو کہ تعمیل حکم ہی اصل عبادت ہے۔



حضرت منصور حلاج عاشق الٰہی تھے، ہر وقت سوز و فراق میں مست و بے قرار رہتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ جنید بغدادی کی مجلس میں تشریف لائے اور حضرت جنید سے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ مگر حضرت جنید نے کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا، منصور! تم بہت جلد قتل کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت منصور حلاج نے کہا، میں اس دن قتل کیا جاؤں گا جس دن آپ اپنی مسند سے اتر کر اہل ظاہر کا لباس پہن لیں گے۔ چنانچہ "انا الحق" کہنے پر جب آپ کو گرفتار کیا گیا اور علمائے ظاہر سے فتویٰ طلب کیا گیا تو سب نے آپ کو قتل کرنے کا فتویٰ دے دیا لیکن حضرت جنید نے فتویٰ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ وقت نے اسی بات پر اصرار کیا کہ آپ کو ہر حال میں فتویٰ پر دستخط کرنا ہوں گے۔

حضرت جنید نے خانقاہ کی سکونت ترک کر کے علمائے حق (صوفیوں) کا لباس اتار دیا اور مدرسہ میں جا کر علمائے ظاہر کا لباس پہن لیا اور فتویٰ پر لکھ دیا کہ ہم لوگ ظاہر پر حکم کرتے ہیں۔ حضرت منصور حلاج فرماتے ہیں کہ فقر کے معنی یہ ہیں کہ فقیر ماسوئی اللہ سے بے نیاز ہو جائے اور مخلوق سے قطعاً کوئی توقع نہ رکھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے سوال کیا، حضرت! دعا افضل ہے یا عبادت۔ فرمایا، ان دونوں کا کوئی مقام نہیں ہے، عبادت اور دعا کا ہاتھ دامن مراد سے آگے نہیں بڑھتا اور یہ سلوک کی راہ میں سفر کرنے والے کے لئے شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس لئے یاد کرنا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور مقصد ہو سلوک کے مذہب میں کفر ہے۔



آدمی کے اندر دو دماغ کام کرتے ہیں، ایک دماغ ظاہرہ حواس بناتا ہے اور دوسرا دماغ ظاہرہ حواس کے پس پردہ کام کرنے والی اس ایجنسی کی تحریکات کو منظر عام پر لاتا ہے جو ظاہرہ حواس کے الٹ ہے۔ جن حواس کے ذریعہ سے ہم کشش ثقل میں مقید چیزوں کو دیکھتے ہیں اس کا نام شعور ہے اور جن حواس میں ہم کشش ثقل سے آزاد ہو جاتے ہیں اس کا نام لاشعور ہے۔ شعور اور لاشعور دو لہروں پر قیام پذیر ہیں۔ شعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں مثلث ہوتی ہیں اور لاشعوری حواس میں کام کرنے والی لہریں دائرہ ہوتی ہیں۔

سائنس دان یہ سمجھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ زمین اور زمین کے اوپر موجود ہر شے دراصل لہروں کا مجموعہ ہے۔ زمین کی حرکت دو رخ پر قائم ہے۔ ایک رخ کا نام طولانی حرکت ہے اور دوسرے رخ کا نام محوری حرکت ہے۔

زمین جب اپنے مدار پر سفر کرتی ہے تو طولانی گردش میں ترچھی ہو کر چلتی ہے اور محوری گردش میں لٹو

کی طرح گھومتی ہے۔طولانی گردش مثلث اور محوری گردش دائرہ ہے۔طولانی گردش مشرق اور مغرب کی سمت سفر کرتی ہے اور محوری گردش شمال سے جنوب کی طرف رواں دواں ہے۔ ہماری زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔

۱۔ انسان ۲۔ جنات ۳۔ ملائکہ

انسان کی تخلیق میں بحیثیت گوشت پوست، مثلث غالب ہے۔اس کے برعکس جنات میں دائرہ غالب ہے اور فرشتوں کی تخلیق میں جنات کے مقابلے میں دائرہ زیادہ غالب ہے۔انسان کے دو رخ ہیں۔ غالب رخ مثلث اور مغلوب رخ دائرہ۔جب کسی بندہ پر مثلث کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور دائرہ غالب آجاتا ہے تو وہ جنات،فرشتوں اور دوسرے سیاروں میں آباد مخلوق سے متعارف ہو جاتا ہے۔نہ صرف یہ کہ متعارف ہو جاتا ہے بلکہ ان سے گفتگو بھی کر سکتا ہے۔

ماورائی علوم حاصل کرنے کے لئے شمال کی سمت اس لئے متعین کی جاتی ہے کہ شمال میں سفر کرنیوالی تخلیقی لہروں کا وزن صاحب مشق کے شعور پر کم سے کم پڑے۔اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی دریا میں اپنے ارادہ سے اترتا ہے تو اس کے حواس معطل نہیں ہوتے لیکن اگر کسی آدمی کو بے خبری میں دریا میں دھکا دے دیا جائے تو اس کے حواس غیر متوازن ہو سکتے ہیں۔خود اختیاری عمل سے انسان بڑی سے بڑی افتاد کا ہنستے کھیلتے مقابلہ کر لیتا ہے جبکہ ناگہانی طور پر کسی افتاد سے وہ پریشان ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کیا آدمی متعفن اور سڑی ہوئی غذائیں کھانے کے بعد بیماریوں، پریشانیوں اور بے چینیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔کیا سیاہ کارانہ زندگی میں رہتے ہوئے ارادوں میں کامیابی ممکن ہے۔ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب یہ ہے کہ برے کام کا برا نتیجہ اور اچھے کام کا نتیجہ اچھائی میں ظاہر ہوتا ہے۔اس اصول کو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانی فلاح خیر میں ہے اور شر کا نتیجہ ہمیشہ تباہی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

دنیا میں ایسی کوئی مثال سامنے نہیں آئی کہ ظالم کو دیر سویر اس کے ظلم کا بدلہ نہ ملا ہو۔اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ بد معاش اور بدکار آدمی کو زندگی میں سکون قلب کی دولت حاصل نہیں ہوتی۔مکافات عمل کا قانون یہ ہے کہ کوئی بندہ اس وقت تک رنگ و بو کی اس دنیا سے رشتہ منقطع نہیں کر سکتا جب تک وہ مکافات عمل کا کفارہ ادا نہیں کر دیتا۔یہی قانون اجتماعی زندگی کا ہے۔اجتماعی طور پر اگر کوئی معاشرہ سیاہ کارانہ زندگی میں مبتلا ہو جائے تو اس کا نتیجہ بھی اجتماعی تباہی کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔یہ بات کون نہیں جانتا کہ مسلمان من حیث القوم ادبار زدہ زندگی گزار رہا ہے۔آج یہ ان لوگوں کا محتاج کرم ہے جو قومیں اس کی کفالت میں زندگی گزارتی تھیں۔

آسمانی صحائف اور تمام اللہ کے فرستادہ پیغمبروں نے نوع انسانی کو یہی پیغام دیا ہے کہ راست بازی، دیانت اور حقیقت پسندی انسانی زندگی کی معراج ہے۔ جب کسی قوم کو یہ معراج حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو سکون قلب مل جاتا ہے۔ سکون قلب ایک ایسی کیفیت ہے جس کی موجودگی میں انسان کے اندر سوئے ہوئے وہ کھرب خلئے بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ قوم جس کے اندر سوئے ہوئے خلئے جس مناسبت سے بیدار ہوتے ہیں اسی مناسبت سے اس کے اندر نت نئی ایجادات کی صلاحیتیں کام کرنے لگتی ہیں۔ یہ صلاحیتیں کیا ہیں، یہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ایسی صفات جن کے اندر یہ پیغام چھپا ہوا ہے کہ انسان زمین اور آسمان اور پوری کائنات کا حاکم ہے۔ جو قو میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صفات یعنی انسانی صلاحیتیں اپنے اندر بیدار کر لیتی ہیں وہ زمین پر حکمرانی کرتی ہیں اور جو قوم ان صلاحیتوں سے کام نہیں لیتی وہ محکوم اور غلام بن جاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ایک مرتبہ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے لوگوں کو بتایا، ایک روز حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے محل پر ایک بارعب اور روشن چہرہ شخص حاضر ہوا اور ایک لفافہ حضرت شیخ الاسلام کے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف کو دے کر کہا کہ اپنے والد بزرگوار کو دے دیں۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو وہ لفافہ دیا۔ حضرت شیخ نے لفافہ کھول کر خط پڑھا اور تکیے کے نیچے رکھ کر فرمایا، ان صاحب سے کہو کہ آدھے گھنٹے کے بعد تشریف لائیں۔ پھر یہ کہہ کر حضرت شیخ الاسلام نے اپنے تمام اہل خانہ سے خلاف معمول ملاقات کی، روحانی مشن کے حوالے سے ضروری امور نمٹائے۔ مال دولت اور اثاثوں کے حوالے سے وصیتیں اور نامزدگیاں تحریر کروائیں۔

ان تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر اللہ سے لو لگائی اور پھر حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی روح عالم ناسوت سے پرواز کر گئی اور ایک غیبی آواز بلند ہوئی، دوست بدوست رسید۔ یہ آواز سن کر شیخ صدرالدین حجرے میں گئے تو دیکھا کہ حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی وصال بحق ہو چکے ہیں۔ آپ کے وصال کی خبر دیکھتے ہی دیکھتے چاروں طرف پھیل گئی۔ شیخ صدرالدین نے آپ کی نماز جنازہ کی امامت کی اور حضرت شیخ الاسلام کو آپ کی خانقاہ میں ہی سپرد خاک کر دیا گیا۔

تدفین کے بعد حضرت صدرالدین کو اس روشن چہرہ قاصد اور اس کے دیئے ہوئے لفافے کا خیال آیا کہ آخر وہ کون تھا اور کیا پیغام لایا تھا۔ لفافہ کی تلاش شروع ہوئی، لفافہ ملا تو اس میں ایک پرچے پر تحریر تھا، بڑی سرکار سے آپ کا بلاوا آیا ہے، میں حاضر ہوں میرے لئے کیا حکم ہے۔ عزرائیل ملک الموت۔

☆☆☆☆☆

آدمی، آدمی کی دوا ہے۔ آدمی آدمی کا دوست ہے۔ محبت اور دوستی کو پروان چڑھانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اپنے دوستوں کے معاملات میں دلچسپی لیں، ان کے کام آئیں اور مالی اعانت کی استطاعت نہ ہو تو ان کے لئے وقت کا ایثار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کرتے تھے اور یہ بات پسند فرماتے تھے کہ لوگ باہمی معاملات مشورے کے بعد سرانجام دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اس کو لازم ہے کہ اپنے مسلمان بھائی سے اس کام میں مشورہ کرلے، اس صورت میں اس کو صحیح راستہ دکھادے گا۔

ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو! عقل مندوں سے رائے لیا کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ اور ان کی نافرمانی نہ کیا کرو کیونکہ اس صورت میں تم کو ندامت اٹھانی ہوگی۔ کسی معاملے میں مشورہ کرلینا آدمی کو کئی ممکنہ پریشانیوں سے بچالیتا ہے۔ جب کسی مسئلے پر کئی ذہن غور کرتے ہیں تو تجربہ یہ ہے کہ اس کا نتیجہ زیادہ بہتر صورت میں سامنے آتا ہے۔ مشورے کے لئے سنجیدہ اور صاحب الرائے لوگوں سے رجوع کیجئے۔ مشورہ لیتے وقت یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا یہ شخص اس شعبے تعلق رکھتا بھی ہے یا نہیں۔

کوئی شخص آپ سے مشورہ طلب کرلے تو اس کی غلط رہنمائی ہرگز مت کریں۔ اگر آپ کو اس بارے میں معلومات نہیں اچھے طریقے سے معذرت کرلیں۔ اس کا مشورہ آپ کے پاس امانت ہے۔ کسی تیسرے فریق کو یہ راز بتا کر اس امانت میں خیانت مت کیجئے۔ سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس کسی سے مشورہ لیا جاتا ہے اس کو امین ہونا چاہئے۔



آدمی کیا ہے، اس کے اندر جذبات کیا ہیں، وہ کیوں کسی کو چاہتا ہے اور کیوں اس کے اندر یہ خواہش ہے کہ کوئی اسے بھی چاہے، یہ سب کوئی معمہ نہیں ہے۔ بات سیدھی اور سادی ہے کہ آدمی کے اندر جو روح کام کررہی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے معمور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات تخلیق کی تو اس کے اندر اللہ کا پہلا وصف، محبت منتقل ہوا۔ محبت ایک ایسا وصف ہے جو ہر ذی روح اور غیر ذی روح میں موجود ہے اور یہی وہ وصف ہے جس کے اوپر یہ کائنات گردش کررہی ہے۔ اس محبت کا ذائقہ چکھنے کے لئے کہیں ماں کے دل میں اولاد کی محبت ڈال دی گئی، کہیں شمع کے لئے پروانے کو جاں نثار بنادیا۔ محبت نہ ہو تو یہ سارا جہان ایک آن کے ہزارویں حصہ میں کھنڈر بن جائے۔

محبت کی کنہ کو سمجھنے کے لئے میرے تجربے میں صرف ایک بات آئی ہے کہ آدمی صرف اللہ کے لئے اللہ کی مخلوق سے محبت کرے۔ اور بلاتفریق مذہب و ملت نوع انسانی اور اللہ کی دوسری مخلوق کی خدمت کو اپنی

زندگی بنالے۔یہ نسخہ کیمیا اثر ہے، پس تجربہ شرط ہے۔

☆☆☆☆☆

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کی حیاتی میں ایک بچہ میرے پاس لایا گیا جو پولیو کا مریض تھا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر اس کا علاج شروع کر دیا، جب دوا دارو سے افاقہ نہیں ہوا تو روحانی علاج شروع کیا۔اس میں توجہ کا طریقہ بھی آزمایا گیا مگر کئی مہینے کی کوشش کے بعد بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا تو میں بچے کو ان کے والد کے ساتھ حضور قلندر بابا اولیاء کے پاس لے گیا۔عرض کیا کہ ہر قسم کا علاج ہو چکا ہے بچہ کی ٹانگیں نہیں کھلتیں۔حضور بابا صاحب نے فرمایا ENT ڈاکٹر کو دکھلاؤ۔

ہم لوگ وہاں سے چلے آئے۔لڑکے کے باپ نے بے یقینی کا اظہار کیا کہ ENT کا پولیو سے کیا تعلق، بابا صاحب نے ایسے ہی فرما دیا۔میں نے ان سے کہا کہ آپ ENT کو دکھا دیں، آپ کا کیا حرج ہے۔لیکن بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی۔

ایک مجلس میں بابا صاحب نے اس کیس کا تذکرہ فرمایا کہ ٹونسلز خراب ہونے سے کئی پیچیدہ بیماریاں ہو جاتی ہیں۔مثلاً بچوں کو پولیو ہو جاتا ہے، بڑوں کے خون میں زہریلے مادے پیدا ہو جاتے ہیں، نظام ہضم خراب ہو کر السر ہو سکتا ہے۔سماعت بھی متاثر ہو جاتی ہے،ٹونسلز ایک عرصہ تک خراب رہیں تو نظر بھی کمزور ہو جاتی ہے۔بڑوں کے جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے اور جوڑ منجمد ہو جاتے ہیں اور آدمی چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

کردار کے تعین کو اگر مختصر کر کے بیان کیا جائے تو طرز زندگی کی دو قدریں قائم ہوتی ہیں۔ایک طرز وہ ہے جس میں آدمی شیطنت سے قریب ہو کر شیطان بن جاتا ہے اور دوسری انبیاء کی طرز وہ ہے جس طرز کے اندر داخل ہو کر آدمی سراپا رحمت بن جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں شریک ہو جاتا ہے۔وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی ہیں شیطانی طرزیں ہیں اور وہ تمام طرزیں جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے قریب کرتی ہیں پیغمبرانہ طرزیں ہیں۔

شیطانی طرز یہ ہے کہ آدمی کے اوپر خوف و ہراس سوار رہتا ہے۔ایسا خوف و ہراس جو زندگی کے ہر مقام کو ناقابل شکست و ریخت زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہے۔

شیطانی طرزوں میں ایک بڑی قباحت یہ ہے کہ آدمی ذہنی اور نظری طور پر اندھا ہوتا ہے وہ چند سوگز سے زیادہ کی چیز نہیں دیکھ سکتا اور یہی چیزیں اس کو دردناک عذاب میں مبتلا رکھتی ہیں۔اس کے برعکس پیغمبرانہ

طرزوں میں آدمی کے اوپر خوف اور غم مسلط نہیں ہوتا، وہ عدم تحفظ کے احساس سے دور رہتا ہے۔

بات وہی ہے کہ ایک طرز فکر کے آدمی دوسری طرز فکر کے آدمیوں سے ممتاز رہتے ہیں۔شیطانی طرز فکر میں زندگی گزارنے والا بندہ انبیاء کے گروہ میں داخل نہیں ہوسکتا اور انبیاء کی طرز فکر سے آشنا بندہ شیطانی گروہ میں کبھی داخل نہیں ہوتا۔شیطانی طرز فکر میں ایک بڑی خراب اور لایعنی بات یہ ہے کہ بندہ ہر عمل اس لئے کرتا کہ اس عمل کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے یعنی وہ عمل کرنے کا صلہ چاہتا ہے اور صلہ کا نام اس نے ثواب رکھا ہے۔تصوف ایسے عمل کو جس عمل کے پیچھے کاروبار ہو، جس عمل کے پیچھے کوئی ذاتی غرض وابستہ ہو، ناقص قرار دیتا ہے اور یہی انبیاء کی بھی طرز فکر ہے۔

☆☆☆☆☆

تاریکیوں سے نکلنے ،حزن وملال کی زندگی سے آزاد ہونے ،اقوام عالم میں مقتدر رہونے ، دل ودماغ کو انوارالٰہیہ کا نشیمن بنانے اور نظام ربوبیت وخالقیت کو سمجھنے کے لئے صحیفۂ کائنات کے ذرے ذرے کا مطالعہ امر لازم ہے۔

اللہ کا قانون ہمہ گیر ہے، سب کے لئے ہے۔جس طرح ہر آدمی متعین فارمولے سے کوئی چیز بنالیتا ہے اسی طرح صحیفۂ ہدایت میں غوروفکر کر کے اپنے لئے ایک منزل متعین کرلیتا ہے۔افسوس! مسلمان کے اندر سے غوروفکر کا پیٹرن نکل گیا ہے، سوخت ہوگیا ہے۔

مسلمان کو ذہنی ،شعوری ،فکری اور اساسی بنیاد پر ایسی راہ پر چلنے پر مجبور کردیا گیا ہے جہاں فکروتدبیر کا دم گھٹ جاتا ہے۔ایک مخصوص طبقہ نے ناہموار ، ناکام اور نامراد راستے پر مسلمان کو اس لئے ڈال دیا ہے کہ اس طبقہ کی اجارہ داری قائم رہے۔صحیفۂ آسمانی ہمیں زمین کے اندر بھرے ہوئے خزانوں اور سمندر کے اندر موجود دولت سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے، حکم دیتا ہے۔مگر ہم نے اپنے دلوں کو زنگ آلود کرلیا ہے۔ کان بند کرلئے ہیں اور آنکھوں پر دبیز پردے ڈال لئے ہیں اور اس طرح وہ قوم جو تسخیر کائنات کے فارمولوں کی امین بنی تھی، تہی دست اور مفلوک الحال بن گئی ہے۔سورۃ الغاشیۃ میں ہے کہ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ اونٹ کی تخلیق کیسے ہوئی۔آسمان کیونکر مرتفع کیا گیا۔ پہاڑ کیسے نصب کئے گئے اور زمین کیونکر بچھ گئی۔اے رسول! اعمال الٰہی کی ایمان افروز داستان ان کو سنا کہ یہ تیرا فرض ہے۔

☆☆☆☆☆

علم کی درجہ بندی کی جائے تو ہمیں تین حقیقتوں کا ادراک ہوتا ہے

۱۔ سورس آف انفارمیشن سورس آف انفارمیشن کہاں ہے۔

۲۔ انفارمیشن انفارمیشن کیا ہے۔

۳۔ مظاہرہ انفارمیشن مظاہرات میں کیسے تبدیل ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا محور تین حقیقی دائرے ہیں

۱۔ شرک سے انکار، توحید کا اثبات۔

۲۔ نفس کی اصلاح۔

۳۔ آخرت کی یاددہانی۔


کائنات
عرش
بیت المعمور
لوح محفوظ
لوح دوئم
برزخ
سماوات
تکوین
اعراف
عالم ناسوت

ہر پیدا ہونے والا بچہ جب وہ بالغ اور باشعور ہوتا ہے یہ ضرور سوچتا ہے کہ

۱۔ پیدا ہونے سے پہلے میں کہاں تھا۔

۲۔ پیدا کیوں ہوا۔

۳۔ مرنے کے بعد کون سی دنیا میں جانا ہے۔

اس معمہ کو سلجھانے کے لئے عقیدہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور جب صحیح عقیدہ زیر بحث آتا ہے تو پیغمبروں کا علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے اور پیغمبروں کے علم سیکھنے کا واحد اور موثر ذریعہ قرآن ہے۔

جب ہم آدم کا ذکر کرتے ہیں تو دراصل آدم کی صفات کا تذکرہ کرتے ہیں اور آدم کی صفات علم کے علاوہ کچھ نہیں ہیں۔ آدم کے پاس علم کا وہ ورثہ ہے جو کائنات کے خالق اور مالک نے آدم کو منتقل کیا ہے۔ آدم کے اندر تین علوم کام کر رہے ہیں۔

۱۔ لامحدود علم کا سورس

۲۔ لامحدود علم

۳۔ محدود علم

محدود علم میں مسلسل درجہ بندی لامحدود علم کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور لامحدود علم کا حصول لامحدود سورس کا علم ہے۔

محدود علم	دنیا کے مظاہرات ہیں
لامحدود علم	کائنات کی حقیقت ہے
علم کے سورس کا علم	کائنات پر حکمرانی ہے

☆☆☆☆☆

دشمنوں کی فتنہ انگیزی اور ظلم و ستم سے گھبرا کر بے ہمت، بزدل اور پریشان ہو کر بے رحموں کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنے قومی وقار کو داغدار کرنا دراصل احساس کمتری اور خود کو ذلیل کرنے کی علامت ہے۔ اس کمزوری کا کھوج لگایئے کہ آپ کے دشمن میں آپ پر ستم ڈھانے اور آپ کے ملی تشخص کو پامال کرنے کی جرأت کیوں ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دو وجہیں بتائی ہیں

۱۔ مسلمان دنیا سے محبت کرنے لگیں گے۔

۲۔ موت ان کے اوپر خوف بن کر چھائے گی۔

کیا اتباع سنت یہی ہے کہ ہم کرسی اور میز پر کھانا کھانے سے پرہیز کریں کیونکہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ لیکن کبھی بھولے سے اس بات کا خیال بھی نہ آئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غذا کیا تھی اور جو کچھ تھی وہ کس وجہ سے تھی۔ چمچے کے استعمال سے پرہیز مگر کھانا لذیذ سے لذیذ تر کھانا، کھانا حلق تک ٹھونس کر کھانا اور اپنے بھائیوں اور فاقہ زدوں سے ایسی لاپرواہی اور بے اعتنائی برتنا کہ جیسے ان کا زمین پر وجود ہی نہیں ہے۔ پائنچے ٹخنوں سے ذرا نیچے ہو جائیں تو گناہ کبیرہ لیکن اگر لباس کبر و نخوت، ریا اور نمائش کا ذریعہ بن جائے تو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ کون سا اسلام ہے کہ ہم نمازیں قائم کریں مگر برائیوں سے باز نہ آئیں۔ روزے رکھیں مگر صبر کے بجائے حرص و ہوس، غصہ اور بدمزاجی کا مظاہرہ کریں۔ جب کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہمیں بتاتی ہے کہ کسی بندے کی ایک بار غیبت کرنے سے روزہ، نماز اور وضو سب کچھ فاسد ہو جاتا ہے۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مشرکین کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں برا چاہنے کے لئے نہیں آیا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ یہ تھا کہ مدینہ میں لوگ اکثر صبح ہی صبح پانی لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے تا کہ آپ اس میں برکت کے لئے ہاتھ ڈال دیں۔ کتنی ہی زیادہ سردی کیوں نہ ہو، آپ لوگوں کو مایوس نہیں فرماتے تھے اور پانی میں ہاتھ ڈال دیتے تھے۔

میرے دوستو! اللہ بڑا رحیم ہے، بڑا کریم ہے، معاف کرنے والا ہے۔ مگر دانستہ غلطیاں، نا قابل معافی جرم ہیں۔ محض اتباع سنت کے بڑے بڑے دعوؤں سے کچھ نہیں بنتا۔ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اختیار کرنے میں اگر صداقت اور خلوص نہ ہو تو یہ سب ریا اور دکھاوا ہے۔ یاد رکھیں! حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجموعی زندگی میں سے چند اعمال کو اختیار کر کے اتباع سنت کا دعویٰ کرنے والوں کو اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔



اولیاء اللہ جب اس دنیا سے پردہ کرتے ہیں اور اپنی قبروں میں جا سوتے ہیں تو زندگی کی طرح عوام کا رجوع ان کی طرف برقرار رہتا ہے۔ لوگ ان کی قبور پر اس لئے جاتے ہیں کہ انہیں وہاں سکون ملتا ہے اور ان بزرگوں سے روحانی رشتہ کی بنیاد پر ان کا تعلق اللہ سے قائم ہوتا ہے۔ جہاں تک منت مرادوں اور دعاؤں کا تعلق ہے اگر کوئی شخص اس لئے دعا کرتا ہے کہ صاحب مزار نعوذ باللہ خدائی درجہ پر فائز ہے تو یہ شرک ہے لیکن کوئی صاحب اگر ان بزرگوں کی روحوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں یا ان بزرگوں کی روحوں سے دعائیں کراتے ہیں تو یہ ایک انسانی ضرورت ہے، انبیاء، اللہ کے دوست اور شہداء کے اجسام

بدستور قائم رہتے ہیں۔ان کی ارواح متحرک اور فعال رہتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہتمام کے ساتھ قبرستان تشریف لے جاتے تھے۔وہاں قیام فرماتے تھے اور فرماتے تھے، السلام علیکم یا اہل القبور۔حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد عالی مقام ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سلام کرو اور قبر میں رہنے والے تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں لیکن تم نہیں سنتے۔

صاحب حال اور کشف القبور والے حضرات اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور یہ بات ان کے مشاہدہ میں ہے کہ دنیا سے جانے والا ہر شخص اعراف میں رہتا ہے اور وہاں اس دنیا کی طرح زندگی گزارتا ہے۔وہاں کے لوگ اپنے رشتہ داروں سے ملنے آتے ہیں اور ان کے لئے اللہ سے دعائیں کرتے ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ایک روز حضرت حافظ ضامن شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو گھبرا کر ہاتھ چھوڑ دیئے۔مریدین نے پوچھا، حضرت جی! کیا ہوا۔حضرت نے فرمایا، حضرت حافظ صاحب نے مجھے ڈانٹ دیا اور کہا چل جا کسی مردے کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھ۔

حضرت سلطان الہند غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر چلہ کیا اور فرمایا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جب ہم موت اور زندگی کا موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات ہمارے سامنے ہے کہ جسم انسانی کی ہر حرکت روح کے تابع ہے۔روح جب تک جسم کو سنبھالے رکھتی ہے جسم میں حرکت رہتی ہے اور جب روح جسم سے رشتہ توڑ لیتی ہے تو جسم ناکارہ ہو جاتی ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ گوشت پوست کے جسم کی اپنی کوئی حرکت نہیں ہے۔حرکت تابع ہے روح کے، آدمی مرجاتا ہے تو روح قائم رہتی ہے۔روح سنتی ہے، روح بولتی ہے، روح محسوس کرتی ہے۔روح اپنے اور غیروں کو پہچانتی ہے۔جب ہم کسی اولیاء اللہ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں تو دراصل ولی کی روح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

روح چونکہ مرتی نہیں ہے، صرف اتنی تبدیلی ہو جاتی ہے کہ روح نے گوشت کے عارضی جسم سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا ہے۔کسی مزار یا قبرستان میں حاضر ہو کر ہم روحوں کو سلام کرتے ہیں اور بزرگوں کی روحوں سے اپنے لئے دعا کراتے ہیں۔تجربہ یہ ہے کہ روحیں نوع انسانی کے رشتہ کے تعلق کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے حضور

دعا کرتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے، مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔گوشت پوست کے جسم کے ساتھ رہتے ہوئے روح دعا مانگے یا گوشت پوست سے آزاد ہو کر نور سے معمور روح دعا مانگے اللہ تعالٰی اپنے وعدہ کے مطابق قبول فرماتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

حضرت امام ابوحنیفہ کپڑے کے بڑے سوداگر تھے۔ایک روز منشی نے آکر اطلاع دی کہ کپڑے سے بھرا ہوا جہاز سمندر میں غرق ہوگیا ہے۔امام ابوحنیفہ نے ذرا سی دیر دل میں جھانکا اور کہا الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے۔کچھ دنوں کے بعد منشی نے بتلایا کہ ڈوبنے والا جہاز کوئی دوسرا جہاز تھا۔ہمارا جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوگیا ہے اور جہاز پر لدا ہوا مال نفع بخش ثابت ہوا ہے۔حضرت نے پھر گردن جھکائی اور کہا الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے۔ مجلس میں کسی نے سوال کیا، حضرت! نفع ہونے کی صورت میں شکر کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن نقصان کے اوپر شکر کرنے میں کیا حکمت ہے۔

حضرت نے کہا، میں نے دونوں مرتبہ اپنے دل میں دیکھا، نقصان ہونے کا کوئی غم نہیں ہوا اور نفع ہوجانے سے میرے اندر کوئی بڑائی یا کبر پیدا نہیں ہوا۔دونوں حالتوں میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ اللہ کا مال تھا، اس نے چاہا تو نقصان ہوگیا، اس نے چاہا تو نفع ہوگیا۔نفع ہو یا نقصان دونوں صورتوں میں مال و زر سے ہمارا رشتہ عارضی ہے۔

☆☆☆☆☆

انسانی زندگی ایک ایسا معمہ ہے جس کو جس قدر الجھا دیا جائے وہ الجھ جاتا ہے اور جب اس کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ سلجھ جاتا ہے۔خیالات کے تانے بانے پر بنی ہوئی زندگی ایک طلسماتی زندگی ہے۔ کوئی خیال ہمارے لئے مسرت کے جذبات فراہم کرتا ہے اور دوسرا کوئی خیال ہمیں آزردگی، پریشانی اور ٹینشن کے جذباتی سمندر میں دھکیل دیتا ہے۔خیال اگر ایک دائرے سے باہر نہ آئے اور دائرے کے اندر محدود ہوجائے تو یہ محدودیت انسان کو نفسیاتی مریض بنا دیتی ہے۔نفسیاتی مرض سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کو داغدار کردیتا ہے، ایسے مریض کے اوپر عدم تحفظ کا احساس مسلط ہوجاتا ہے۔طبی نقطۂ نگاہ سے ایسا آدمی مالیخولیا کا مریض ہوتا ہے۔خیال میں اپنی ذات شامل ہو اور ذات میں انفرادی سوچ کے علاوہ اجتماعیت نہ ہو تو آدمی مینٹل کیس ہوجاتا ہے۔

اس کے برعکس خیال کسی ایک نقطہ کو اپنی مرکزیت بنا لے اور انا کی حدود میں محدود نہ ہو تو شعور، لاشعور کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔جیسے جیسے شعوری حواس لاشعوری حواس سے ردوبدل ہوتے ہیں، ذہنی

سکت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بےشمار مومن افراد کا تجربہ ہے کہ شام، سویرے، دوپہر، رات، بیداری اور خواب میں ایک ذات کی مرکزیت ان کے لئے کامل اطمینان وسکون کا باعث بنتی ہے۔

یکتا، واحد اور تخلیق کرنے والی ہستی کے قرب کا احساس ایسے لوگوں کے لئے جائے پناہ بن جاتا ہے اور انا کے اندر ایسی لہریں موجزن ہوتی رہتی ہیں کہ ان کے اندر سے عدم تحفظ کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ ایسا بندہ ایسی کیفیات سے آشنا ہو جاتا ہے جن کیفیات میں نقصان اور نفع دونوں کے لئے خوشی خوشی آمادہ رہتا ہے۔

مال و زر اس لئے ہے کہ آدمی اس کو استعمال کر کے اپنے لئے راحت و آسائش کا سامان بنائے۔ اس لئے نہیں کہ آدمی مال و زر کی دلدل میں پھنس کر تحت الثریٰ میں پہنچ جائے۔ موجودہ زمانے کی روش یہ ہے کہ آدمی مال و زر کو نہیں کھا رہا ہے، مال و زر آدمی کو کھا رہا ہے۔ مومن جب مشاہداتی قوت سے آراستہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ جان لیتا ہے کہ دنیا ہمارے لئے بنائی گئی ہے ہم دنیا کے لئے نہیں بنائے گئے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ باطن میں شانتی، آنند، سکون قلب، استغناء، توکل، تسلیم و رضا، صبر، قوت برداشت اور کیف و سرور کی ایک جنت قائم ہو جاتی ہے۔ غم آمیز پریشان کن کوئی خیال آ بھی جاتا ہے تو آناً فاناً جنت کا خوشگوار ماحول آنکھوں میں گھوم جاتا ہے۔ خدا کے حضور حاضر ہونے کا احساس مشاہداتی مومن کے اندر امن وحفاظت، ایقان اور خود سپردگی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اس کیفیت کے طاری ہونے کے بعد اعصابی کشاکش اور دماغی کشمکش سے نجات مل جاتی ہے۔ اضطراب و بےچینی دم توڑ دیتی ہے۔ طبیعت کا پیچ و تاب محو ہو جاتا ہے۔ اس کے مزاج میں صبر و قناعت کا عنصر غالب ہو جاتا ہے۔ اسے اور اس کے آس پاس رہنے والے لوگوں کو یہ یقین ہوتا ہے کہ خدا جو کچھ کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے۔ یہ سب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے اندر دنیاوی اور مفروضہ حواس کی ماورائی شعور کی رہنمائی میں ترتیب اور اعتدال کے ساتھ حرکت ہو اور جب ایسا ہو جاتا ہے تو زندگی پاکیزگی کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ عرق گلاب کی بوتل میں اگر مٹی کے تیل کے چند قطرے ملا دیئے جائیں تو گلاب کی خوشبو کا دم گھٹ جاتا ہے، اس کے اوپر موت وارد ہو جاتی ہے اور خوشبو اپنا باطن سمیٹ کر روشنی اور ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے۔ جسم (گلاب کا پانی) رہ جاتا ہے۔ باطن، شامہ حواس سے نیست ہو جاتا ہے۔

کوئی انسان اپنے مشاغل کو دنیاوی اعتدال کے ساتھ روحانی جذبے کے تحت مغلوب کر دیتا ہے (ختم نہیں) تو روحانی دنیا، روحانی زندگی، روحانی جذبات واحساسات میں تلاطم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تلاطم موجوں کی شکل میں جب انسان کے اندر بہتے ہوئے علمی سمندر کے ساحل کو چھوتی ہیں تو دل کا کنول کھل جاتا ہے۔ کنول کے اندر روشن قندیل کا نور عالمین میں پھیلتا ہے تو آدم کی اولاد آدم، آدم کی سعید اولاد انسان،

اٹھارہ ہزار عالمین، اٹھارہ ہزار عالمین میں ایک لاکھ چوالیس ہزار نظام شمسی میں اٹھارہ لاکھ بہتر ہزار سیارے (دنیائیں) دیکھ لیتا ہے۔

پاکیزگی کے اس راستے پر پہلا قدم جوئے شیر لانے کے برابر ہے لیکن جب آدم زاد اس راستے (صراط مستقیم) پر ایک قدم اٹھا دیتا ہے تو راستہ خود دس قدم سمٹ جاتا ہے اور جب یہ راستہ پیروں سے مانوس ہو جاتا ہے تو جسم (گوشت پوست کا بنا ہوا مادی جسم) کشش ثقل سے آزاد ہو جاتا ہے۔ محدودیت لامحدود وسعتوں میں پرواز کرتی ہوئی ابعاد دنیا سے اس پار اپنا روحانی وجود دیکھ لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں نوع انسانی وہ مخلوق ہے اور اللہ کی ان نعمتوں کی حامل ہے جن کے متحمل ہونے سے سماوات، ارض و جبال نے عاجزی کا اظہار کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق جب کوئی صراط مستقیم سے بھٹک جاتی ہے تو وہ امتحان کی چکی میں پسنے لگتی ہے۔

یہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے۔ یہاں ہر شخص دانستہ یا نادانستہ امتحان میں مصروف ہے، مقصد یہ ہے کہ آدمی امتحان میں کامیاب ہو کر زندگی کا کوئی رخ متعین کرے۔ کوئی دولت مند ہے، کوئی غریب و نادار اور بیمار ہے اور کوئی ایسا بھی ہے جس کے ذہن میں بزرگوں اور ماں باپ کی عزت و توقیر نہیں، یہ سب باتیں امتحان کا درجہ رکھتی ہیں۔ کائنات دو رخوں پر سفر کر رہی ہے۔ ایک رخ سے دوسرا رخ ایک مرحلہ ہے اور ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں قدم رکھنا امتحان ہے۔

آپ ذرا اس بچے کا تصور تو کیجئے جو کمرہ امتحان میں بیٹھ کر جب پرچہ سامنے آئے تو بجائے پرچہ حل کرنے کے رونا شروع کر دے، فریاد کرنے لگے اور احتجاج کرے کہ میرا امتحان کیوں لیا جا رہا ہے۔ نشوونما اور انسانیت کی فلاح و ترقی امتحان میں مرحلہ وار کامیابی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ آگ اور تپش کے بھٹیوں سے گزر کر ہی سونا کندن بنتا ہے۔ نوع انسانی ان بھٹیوں سے نہ گزری ہوتی تو لوگ آج بھی غاروں کے مکیں ہوتے۔ کوئی مسئلہ اس وقت تک قابل حل نہیں ہے۔ جب تک صاحب مسئلہ خود اس مسئلے کو حل کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ ساری دعائیں، وظیفے صرف ایک ہی کام انجام دیتی ہیں وہ یہ کہ سائل بیمار ہو یا پریشان حال اس کے اندر قوت ارادی میں اضافہ ہوتا کہ وہ مسائل و معاملات کی بھول بھلیوں سے نکل کر ذہنی یکسوئی حاصل کر لے۔

دنیا میں جتنے عظیم لوگ پیدا ہوئے وہ بھی کسی نہ کسی مسئلے سے دوچار رہے ہیں لیکن وہ اس نقطہ سے باخبر ہوتے ہیں کہ مسائل اس وقت تک مسائل ہیں جب تک انسان ذہنی یکسوئی اور سکون کی زندگی سے ناآشنا ہے۔ ان لوگوں کے اوپر سے مسائل و تکالیف کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے جو اللہ کی مخلوق کی خدمت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیتے ہیں۔

کسی ایسے شخص کی خدمت کیجئے جو نادار ہے، ضرورت مند ہے، پھر دیکھئے کہ آپ کو کتنا سکون ملتا ہے۔
دوسروں کی مدد کرنا اوران کے کام آنا انسانیت کی معراج ہے اور یہی وہ مشن ہے جس کو عام کرنے کے لئے اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے ہیں۔ جن کا پیغام ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنا مثل بنایا اور انسانیت کی خدمت، اللہ کی خدمت ہے۔



جب سے ہوش سنبھالا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم صرف دعاؤں کے ذریعے اپنے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم عمومی دعائیں اور خصوصی دعائیں بھی مانگتے ہیں۔ آدھی صدی سے زیادہ کا زمانہ ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے من حیث القوم کافروں کے اوپر فرح و کامرانی کی کوئی دعا قبول ہوتے نہیں دیکھی، آخر ایسا کیوں ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے اور وہ قوم جس سے قدرت نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا آج زمین پر بوجھ کیوں بن گئی ہے۔ فتح و نصرت اور کامرانی کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی اور حصول نصرت کا راستہ بھی متعین کر دیا تھا۔
کیوں ہم نے اپنے دلوں پر مہریں لگا لی ہیں اور کیوں ہم نے اپنی آنکھوں پر دبیز پردے ڈال دیئے ہیں۔ ہم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ باعث تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کے ساتھ دعاؤں کا سہارا لیا ہے۔ مکہ کی زندگی میں دعا اور عمل ساتھ ساتھ قائم رہے ہیں۔ عمل کے بغیر اگر دعاؤں سے کام ہو جاتے تو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی کیا ضرورت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک کیوں شہید ہوا۔ حضور ﷺ نے مدینہ سے مکہ کی طرف فوج کشی کیوں کی۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہری زندگی سے قطع تعلق کیوں منظور فرمایا۔ حضور ﷺ کی سیرت پاک ہمیں بتاتی ہے کہ حاصل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی عمل اور تدبیر کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ تدبیر اور عمل کے مثبت نتائج کے لئے دعائیں کیں۔
عمل کے بغیر دعا ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں ہے اور جب جسم میں سے روح نکل جاتی ہے تو اس کی حیثیت ایک لاش کی ہوتی ہے جو کسی کام نہیں آتی۔ اسی طرح وہ دعا جس کے پیچھے عمل نہیں ہوتا قوموں کے لئے ادبار بن جاتی ہے۔
تخلیق کا راز یہ ہے کہ عمل بجائے خود تخلیق ہے۔ ہم اپنے معاش کے لئے دھوپ کی تپش میں سرگرداں رہتے ہیں اور سردی کی یخ بستہ راتوں میں اپنی نیندیں خراب کرتے ہیں۔ افزائش نسل کے لئے شادیاں کرتے ہیں۔ زندگی کے ان سب ہنگاموں کی کیا ضرورت ہے۔ کسان کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ زمین کے سینے کو چیر کر

اس سے غذائی ضروریات پوری کرے۔

دھوپ کی تمازت اور ژالہ باری سے بچنے کے لئے آخر ہم مکان کیوں بناتے ہیں۔ جب عمل کے بغیر دعا سے ہر کام ہوسکتا ہے تو ہم زندگی سے متعلق معاملات میں جدوجہد اور کوشش کرنے کے بجائے مانگ لیا کریں۔ یا اللہ! ہمیں اولاد دے، یا اللہ! ہمارا مکان بنادے، یا اللہ! ہم سے محنت مزدوری نہیں ہوتی، ہمارے منہ میں روٹی کے لقمے ڈال دے۔ آخر یہ کس قسم کا مذاق ہے کہ جب انفرادی زندگی زیر بحث آتی ہے تو ہمارا عضو عضو مصروف عمل ہو جاتا ہے اور جب اجتماعی زندگی درپیش ہوتی ہے تو ہم دعا کے لئے ہاتھ باندھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اگر صرف دعا ہی سے کافر جہنم رسید ہو جاتے تو جہاد کس لئے فرض کیا گیا۔

یاد رکھئے! جو لوگ صرف دعائیں کراتے ہیں اور دعاؤں کے ساتھ عملی اقدامات کا مظاہرہ نہیں کرتے وہ ہرگز قوم کے دوست نہیں۔ بزعم خود یہ وہ نادان دوست ہیں جن کی تدبیریں ہمیشہ رسوا اور ذلیل کرتی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ بے عملی قوم کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے اور ہر فرد اپنی ذات میں بند ہو جاتا ہے۔ بے عمل بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب بھی ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ سے اللہ کی رسی چھوٹ جاتی ہے اور سیسہ پلائی قومی دیوار میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں۔ عمل سے جی چرانے والی قومیں ناکارہ، مفلوج اور مغضوب بن جاتی ہیں۔

اللہ کے فرستادہ پیغمبروں اور تمام اولیاء اللہ نے ہمیشہ عمل کی تلقین کی ہے اور بے عملی سے اجتناب کی نصیحت کی ہے۔ آدمی اپنی کوششوں اور متعین طریقوں پر مشقیں کرنے کے بعد اس قابل بن جاتا ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے خرق عادت کا اظہار کر سکے۔ اگر کسی بندے میں اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق پیدا نہیں ہوا ہے اور اس کے اندر استغناء کی قوتیں نہیں ابھریں تو اس سے جو خرق عادت صادر ہوگی وہ استدراج ہے، جادو ہے۔ مذہبی عبادات کا بھی یہی قانون ہے۔ مذہب نے جو عبادتیں فرض کر دی ہیں ان فرائض کی ادائیگی میں اگر بندے کا ذہن اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے تو یہ عبادت ہے ورنہ یہ عبادت نہیں ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ یہ سب ارکان اس بنیاد پر قائم ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح چاہتے ہیں اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ان فرائض کی ادائیگی میں ہم کوئی کوتاہی نہ کریں لیکن اگر فرض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یقین قائم نہ ہو تو یہ فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی اور بندہ بالآخر نقصان اور خسارے میں ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ضروریات کے واحد کفیل اللہ تعالیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ہم رازق ہیں۔ وہ بہرحال رزق پہنچاتے ہیں اور اللہ کے وہ کارندے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فی الارض خلیفہ کہا ہے اس بات پر کاربند ہیں کہ وہ مخلوق کو زندہ رکھنے کے لئے وسائل فراہم کریں۔

بہت عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے پیدا کرتے ہیں، جب تک وہ چاہتے ہیں آدمی زندہ رہتا ہے اور جب وہ نہیں چاہتے تو آدمی سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں بھی زندہ نہیں رہ سکتا لیکن آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ میں اپنے اختیار سے زندہ ہوں۔ معاشی سلسلہ میرے اپنے اختیار سے قائم ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، کسان جب کھیتی کاٹتا ہے تو جھاڑو سے ایک ایک دانہ سمیٹ لیتا ہے اور جو دانے خراب ہو جاتے ہیں یا گھن کھائے ہوئے ہوتے ہیں ان کو بھی اکٹھا کر کے جانوروں کے آگے ڈال دیتا ہے۔ جس زمین پر گیہوں بالوں سے علیحدہ کر کے صاف کیا جاتا ہے وہاں اگر آپ تلاش کریں مشکل سے چند دانے نظر آئیں گے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پرندے اربوں اور کھربوں کی تعداد میں دانہ چگتے ہیں۔ ان کی غذا ہی دانہ ہے تو یہ معمہ حل نہیں ہوتا کہ کسان تو ایک دانہ نہیں چھوڑتا، ان پرندوں کے لئے کوئی مخصوص کاشت نہیں ہوتی پھر یہ پرندے کہاں سے کھاتے ہیں۔ حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا کہ قانون یہ ہے کہ پرندوں کا غول جب زمین پر اس ارادے سے اترتا ہے کہ ہمیں یہاں دانہ چگنا ہے، اس سے پہلے کہ ان کے پنجے زمین پر لگیں قدرت وہاں دانہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر پرندوں کی غذا کا دارومدار حضرت انسان یعنی کسان پر ہوتا تو سارے پرندے بھوک سے مر جاتے۔

دوسری مثال حضور بابا صاحب نے یہ ارشاد فرمائی کہ چوپائے بہر حال انسانوں سے بہت بڑی تعداد میں زمین پر موجود ہیں۔ بظاہر وہ زمین پر اگی ہوئی گھاس کھاتے ہیں، درختوں کے پتے چرتے ہیں لیکن جس مقدار میں گھاس اور درختوں کے پتے کھاتے ہیں زمین پر کوئی درخت نہیں رہنا چاہئے۔

قدرت ان کی غذا کی کفایت پوری کرنے کے لئے اتنی بھاری تعداد میں درخت اور گھاس پیدا کرتی ہے کہ چرندے سیر ہو کر کھاتے رہتے ہیں۔ گھاس اور پتوں میں کمی واقع نہیں ہوتی، یہ ان درختوں اور گھاس کا تذکرہ ہے جس میں انسان کا کوئی تصرف نہیں ہے۔ قدرت اپنی مرضی سے پیدا کرتی ہے۔ اپنی مرضی سے درختوں کی پرورش کرتی ہے اور اپنی مرضی سے انہیں سرسبز و شاداب رکھتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جو زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ہر انسان کی زندگی میں دو چار واقعات ایسے ضرور پیش آتے ہیں جن کی وہ کوئی عملی، عقلی، سائنسی توجیہہ پیش نہیں کر سکتا۔ انہونی باتیں ہوتی رہتی ہیں، آدمی اتفاق کہہ کر گزرتا رہتا ہے حالانکہ کائنات میں کسی اتفاق، کسی حادثہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔

استغناء اور یقین میں جو بنیادی باتیں ہیں وہ یہ ہیں کہ انسانی زندگی میں ایسے واقعات پے در پے صادر ہوتے ہیں جن واقعات کی وہ کوئی توجیہہ پیش نہ کر سکے اور نہ ہی ان واقعات کے صدور میں اس کی کوئی عملی جدوجہد اور کوشش شامل ہو۔ غور طلب بات ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ غذا حاصل کرتا ہے اور اس غذا

سے مسلسل اور متواتر اعتدال کے ساتھ توازن کے ساتھ پرورش پاتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی عجیب ہے کہ بچے کو غذا پہنچانے کا جو ذریعہ یعنی ماں، اس ذریعے کو بھی غذا پہنچانے میں کوئی ذاتی اختیار حاصل نہیں ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد بچے کو غذا فراہم کرنے کا طریقہ یکسر بدل جاتا ہے۔ وہی خون جو بچے کو ماں کے پیٹ میں براہ راست منتقل ہو رہا ہے اب دوسرا اصاف شفاف طریقہ اختیار کرتا ہے اور یہی خون ماں کے سینے میں بہترین غذا دودھ بن جاتا ہے۔ یہ بات پھر اپنی جگہ اہم ہے کہ خون دودھ کیسے بنا، کس نے بنایا، اس میں آدمی کا کون سا اختیار کام کر رہا ہے۔

اس کے بعد بچہ دودھ کی منزل سے ذرا آگے بڑھتا ہے تو اسے دودھ کی مناسبت سے کچھ بھاری غذاؤں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان بھاری غذاؤں کو چبانے اور پیسنے کے لئے قدرت دانت فراہم کرتی ہے۔ دنیا میں کون سا ایسا علم ہے، ایسی کون سی سائنس، ایسا کون سا بندہ ہے جو اپنے ارادے اور اختیار کے ساتھ ایسا کر سکے۔ جیسے جیسے بچے کی نشو و نما بڑھتی ہے اور بچے کے جسمانی نظام کو بھاری اور قوت بخش غذاؤں کی ضرورت پیش آتی ہے اس کی آنتیں، معدہ اور دوسرے اعضاء اسی مناسبت سے کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ عقل و شعور کے پاس ایسا کوئی علم ہے جس علم کی بنیاد پر وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مشین کی نقالی کر سکے یعنی وہ آنتیں بنا دے، معدہ بنا دے، دل پھیپھڑے تخلیق کر دے۔ چونکہ غذاؤں میں کثافت ہے اور یہ غذائیں وہ غذائیں نہیں ہیں جن غذاؤں کو اللہ تعالیٰ نے لطیف کہا ہے تو ان غذاؤں سے نکلی ہوئی کثافت کے اخراج کا بھی اہتمام ہے۔ آدمی اگر اپنے اندر خود مشین کا معائنہ کرے تو اس پر بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی میں انسانی اختیار کو اور انسانی علم کو کوئی دخل نہیں ہے۔

بنیادی ضروریات میں سب سے اہم پانی، ہوا، دھوپ، چاند کی چاندنی شامل ہیں۔ اگر انسان اپنی ضروریات کا خود کفیل ہے تو اس کے پاس ایسی کون سی طاقت ہے، ایسا کون سا علم ہے کہ وہ دھوپ کو حاصل کر سکے، پانی کو حاصل کر سکے۔

زمین کے اندر اگر پانی کے سوتے خشک ہو جائیں تو انسان کے پاس ایسا کون سا علم ہے، طاقت ہے، عقل ہے کہ وہ زمین کے اندر پانی کی نہریں جاری کر دے۔ یہی حال ہوا کا ہے، ہوا اگر بند ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا نظام، وہ نظام جو ہوا کو تخلیق کرتا ہے اور ہوا کو گردش میں رکھتا ہے اس بات سے انکار کر دے کہ ہوا کو گردش نہیں دیتی تو زمین پر موجود اربوں کھربوں مخلوق تباہ ہو جائے گی، برباد ہو جائے گی۔

یہ کیسی بے عقلی اور ستم ظریفی ہے کہ بنیادی ضروریات کا جب تذکرہ آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے اور جب روٹی کپڑے اور مکان کا تذکرہ آتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر ہم اپنا اختیار

استعمال نہ کریں تو یہ چیزیں ہمیں کیسے فراہم ہوں گی۔ ان معروضات سے منشاء یہ ہرگز نہیں ہے کہ انسان یہ سمجھ کر کہ میں بے اختیار ہوں ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہے۔ اس کے اعضاء منجمد ہو جائیں، منشاء صرف یہ ہے کہ زندگی میں ہر عمل اور ہر حرکت منجانب اللہ سمجھا جائے۔ جدوجہد اور کوشش اس لئے ضروری ہے کہ اعضاء منجمد نہ ہو جائیں، آدمی اپاہج نہ ہو جائیں۔ آدمی جس مناسبت سے جدوجہد کرتا ہے، جس مناسبت سے عملی اقدامات کرتا ہے، بے شک اسے وسائل بھی اسی مناسبت سے نصیب ہوتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قانون قدرت پر اسے دسترس حاصل ہوگئی ہے۔ قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے زمین، آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب مسخر کر دیا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس تسخیر کو صرف اور صرف مادی حدود میں استعمال کیا جائے اور دوسرا احسن طریقہ یہ ہے کہ وسائل کو اس لئے استعمال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام وسائل انسان کے لئے پیدا کئے ہیں۔

☆☆☆☆☆

سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس فرمان کے پیش نظر یہ بات ظاہر ہے کہ خواب کسی ایسے شخص سے بیان کرنا چاہئے جو نبوت کے علوم سے بطفیل سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام فیض یاب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ خواب ایسے شخص سے بیان کیجئے جو خواب کی جزئیات سے واقف ہو۔ خواب دراصل لاشعوری زبان ہے۔ آدمی شعور اور لاشعور، دو دائروں میں سفر کرتا ہے یعنی جب آدمی خواب دیکھتا ہے تو دیکھنے کی رفتار ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ خواب کی جزئیات سے واقف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر بتانے والے شخص کا ذہن ساٹھ ہزار گنا رفتار سے سفر کر سکے۔

☆☆☆☆☆

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے روحانی انسان کی تعریف بیان کی ہے کہ پندرہ منٹ تک روحانی آدمی کے پاس بیٹھنے سے اگر بارہ منٹ تک غیر اللہ کی طرف دھیان نہ جائے تو وہ آدمی روحانی ہے۔ اللہ کے بندے کی پہچان یہ ہے کہ اس کی صحبت میں بیٹھ کر آدمی کا ذہن ماسوائے اللہ یکسو ہو جاتا ہے۔ جب تک اللہ کے دوست کی مجلس میں آدمی موجود رہتا ہے اللہ کی خشیت کا عکس منعکس ہوتا رہتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دکھ، سکھ، چین اور پریشانی، بیماری اور صحت، خوشی اور غم زندگی کی کڑیاں ہیں۔ ساری زندگی ایک زنجیر کی طرح ہے اور زنجیر کی ہر کڑی زندگی کے لوازمات ہیں۔

ہر خوشی ایک وقفہ تیاری سامان غم

ہر سکون مہلت برائے امتحان واضطراب

خوشی ایک وقفہ ہے اس بات کے لئے کہ اس کے بعد غم آنے والا ہے اور سکون مہلت ہے اس بات کے لئے کہ سکون کے بعد اضطراب اور پریشانی آنے والی ہے۔نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ انسان خوشی اور غم دونوں سے گزر جائے۔نور اور روشنی میں گم ہو کر انسان اس لذت کو حاصل کر لیتا ہے جو غم اور خوشی دونوں سے ماوراء ہے۔

☆☆☆☆☆

حکیم جالینوس نے اپنے شاگردوں سے کہا، فوراً فلاں دوا لاؤ۔شاگردوں نے حیرت سے کہا، آپ کو اس دوا کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔وہ تو پاگل اور رفاتر العقل لوگوں کو دی جاتی ہے۔حکیم جالینوس نے کہا وقت مت ضائع کرو، دوا لا کر دو۔مجھے راستے میں ایک پاگل ملا تھا۔تھوڑی دیر تک وہ مجھے پلک جھپکائے بغیر گھورتا رہا، اس کے بعد آگے بڑھا اور میرے کرتے کی آستین تار تار کر دی۔میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ مخبوط الحواس شخص مجھے اپنا ہم جنس جان کر میری جانب ملتفت ہوا تھا۔حکیم جالینوس نے اپنے شاگردوں کو نصیحت کی، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب دو آدمی آپس میں ملتے ہیں تو ان دونوں میں کوئی نہ کوئی قدر مشترک ہوتی ہے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

کوئی پرندہ دوسری جنس کے پرندوں کے غول کے ساتھ نہیں اڑتا۔میں نے صحرا میں کوے اور کلنگ کو بڑی محبت اور شوق سے پاس پاس بیٹھے دیکھا جیسے دونوں ایک جنس کے فرد ہوں۔بہت سوچا مگر کوئی قدر دونوں میں مشترک نظر نہیں آئی۔میں حیرت میں گم، دبے پاؤں ان کے قریب گیا، انہیں دیکھا، دونوں لنگڑے تھے۔

☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ سب کچھ معاف کرتے رہتے ہیں۔معاف کرنا ان کی سنت ہے لیکن جب کوئی بندہ نظام قدرت کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ ایسے چکر میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ہر امید روشنی بن کر ابھرتی ہے اور اس کا اختتام تاریکی اور مایوسی پر منتج ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھیں۔لاکھوں کا ڈھیر خاک ہو جاتا ہے، عزت و جاہ کی جگہ ذلت و خواری مقدر بن جاتا ہے۔بڑے بڑے بادشاہ بھکاری بن جاتے ہیں اور لاکھوں پتی کی تو حیثیت ہی

کیا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا نظام ہے جو ہر وقت اور ہر آن جاری و ساری ہے ۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کے اندر خود نمائی، بڑائی، کبر اور خود ستائی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اللہ کی مخلوق کو اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک قانون یہ بھی ہے کہ اگر والدین سے خلاف قدرت یہ عمل صادر ہوتا رہے اور وہ معافی تلافی سے پہلے مر جائیں تو اس کا نتیجہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے ۔ اس لئے کہ اولاد ماں باپ کے ورثہ کی حقدار ہوتی ہے ۔ قانون قدرت اس طرز فکر کو تسلیم نہیں کرتا کہ ماں باپ کا چھوڑا ہوا اثاثہ تو اولاد کو ملے اور ان کے اعمال کی سزا صرف ماں باپ بھگتیں۔ جس طرح مال و دولت اور نیکی اور اس کا ثمرہ اولاد کے لئے ورثہ ہے اسی طرح ماں باپ کی برائیوں کے نتائج میں بھی اولاد برابر کی شریک رہتی ہے ۔



شیخ سعدی کی ایک روایت ہے کہ ایک تاجر تھا اس کے پاس ایک طوطا تھا جو انسانوں کی طرح باتیں کرتا تھا ۔ تاجر کا دل اس کی باتوں سے خوش ہوتا تھا ۔ وہ طوطا اس کو بہت پیارا تھا ۔

ایک روز اس نے طوطے سے پوچھا کہ میں کاروبار کے سلسلے میں ملک سے باہر جا رہا ہوں واپسی میں تمہارے لئے کیا تحفہ لاؤں ۔ طوطے نے کہا اگر تمہارا گزر کسی جنگل میں سے ہو اور تمہیں وہاں طوطوں کا کوئی غول نظر آئے تو انہیں میرا سلام کہہ دینا اور کہنا کہ تمہارا ایک ساتھی جو قفس میں بند زندگی کے دن گزار رہا ہے تمہیں سلام کہتا ہے ۔

سوداگر سفر پر چلا گیا اس کا گزر ایک باغ میں سے ہوا تو اس میں طوطوں کا غول دیکھ کر اسے یاد آیا کہ طوطے کا پیغام پہنچانا ہے ۔ سوداگر نے طوطوں کو مخاطب کر کے پنجرے میں قید طوطے کا پیغام دیا، پیغام کا سننا تھا کہ ایک طوطا پٹ سے زمین پر گرا اور مر گیا ۔ تاجر کو اس بات کا بہت افسوس ہوا ۔ واپسی پر اس نے سارا ماجرا اپنے طوطے کے گوش گزار دیا۔ اتنا سننا تھا کہ وہ طاطا بھی پنجرے میں گرا اور مر گیا، اس نے پنجرے سے مردہ طوطا نکالا اور باہر پھینک دیا، آناً فاناً مردہ طوطے نے حرکت کی اور اڑ کر ایک اونچی شاخ پر جا بیٹھا ۔ تاجر نے جب یہ دیکھا تو حیران ہوا اور طوطے سے پوچھا، بھئی! یہ تم نے کیا حرکت کی ہے ۔ طوطے نے جواب دیا وہ طوطا جو پیغام سن کر گرا اور مر گیا اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے، مر کر ہی آزادی حاصل کی جا سکتی ہے ۔ اس واقعہ میں یہ پیغام پوشیدہ ہے کہ جب تک تم اپنی انا میں ابلیسیت کو مار نہیں دو گے تمہیں قید و بند کی زندگی سے آزادی نہیں ملے گی ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث ''مر جاؤ، مرنے سے پہلے'' کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جب تک تمہیں اپنے نفس کا عرفان نصیب نہیں ہوگا، جب تک تم اپنی انا، اپنی ذات کی نفی نہیں کرو گے، زمان و مکان سے آزاد نہیں ہو سکتے ۔ بندہ جب اپنے شعوری علم کی نفی کر دیتا ہے تو اس پر لاشعوری دنیا کا دروازہ کھل جاتا ہے ۔



بعض اوقات مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہونے میں آدمی کے اپنے نصیب کا عمل دخل ہوتا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ایک صحابی حاضر ہوئے اور اپنے بھائی کے پیٹ میں تکلیف کا ذکر کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا،شہد میں شفا ہے اسے شہد کھلاؤ۔چند دن بعد صحابی دوبارہ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا، بھائی کے پیٹ میں درد ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،شہد میں شفا ہے اسے شہد کھلاؤ۔کچھ عرصے بعد صحابی نے آکر بتایا کہ بھائی کی تکلیف ختم نہیں ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،اسے شہد کھلاؤ، اللہ تعالیٰ نے شہد کو شفا بنایا ہے۔

اور نکلتی ہے ان کے پیٹ سے ایک چیز رنگ برنگ جس میں شفاء ہے۔القرآن

صحابی پھر تشریف لائے اور انہوں نے پیٹ میں درد کی شکایت کی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،اللہ سچا ہے تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔جاؤ اسے شہد کھلاؤ اور پیٹ کا درد ختم ہو گیا۔



پانی میں دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن ہے۔اگر اس کی مقدار کو ذرہ بھر گھٹایا بڑھا دیا جائے تو ایک زہر تیار ہو گا۔اگر یہ دونوں عناصر مساوی مقدار میں جمع کر دیئے جائیں تب بھی ایک مہلک مرکب بنے گا۔آکسیجن اور ہائیڈروجن ہر دو قاتل اور مہلک گیس ہیں جن کے مختلف اوزان سے لاکھوں مرکبات تیار ہو سکتے ہیں اور ہر مرکب زہر ہلاہل ہوتا ہے۔

لیکن اگر دو حصے ہائیڈروجن اور ایک حصہ آکسیجن کو ایک جگہ کر دیا جائے تو ان دونوں زہروں سے جو پانی تیار ہو گا تمام عالمین کے لئے حیات و ممات کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے۔

اور ہم نے پانی سے ہر شئے کو حیات عطا کی۔

سورہ قمر میں ارشاد ہے۔

ہم نے ہر چیز کو معین مقداروں سے پیدا کیا۔

سورہ حجر میں ہے کہ

ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم معین مقدار میں ہر چیز کو نازل کرتے ہیں۔

سبحان اللہ، کیا کیا نشانیاں اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کرنے والوں کے لئے بتائی ہیں۔لیموں اور کالی مرچ دونوں چیزیں ہائیڈروجن دس حصے اور کاربن بیس حصے سے تیار ہوتے ہیں لیکن مقداروں کی تفاوت اور الگ الگ تعین سے دونوں کی شکل، رنگ، ذائقہ، حجم اور تاثیر بدل گئی۔

اسی طرح کوئلہ اور ہیرا کاربن سے وجود میں آتے ہیں لیکن مقداروں کے الگ الگ تعین سے ایک کا رنگ کالا اور دوسرے کا سفید بن گیا ہے۔ایک قابل شکست اور دوسرا ٹھوس ہے، ایک کم قیمت اور دوسرا نایاب ہے۔ایک نوع انسانی کو حیات نو عطا کرتا ہے اور دوسرا انگشتری میں زینت وزیبائش کے کام آتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اولیاء اللہ کے دل ہدایت، خلوص، ایثار، محبت اور عشق کے چراغ ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کہ دشمنی رکھے خدا کے کسی دوست کے ساتھ بے شک اس نے اللہ کے ساتھ لڑائی کا ارادہ کیا۔دوسری جگہ ارشاد عالی ہے، مجھ کو اپنے فقیروں میں ڈھونڈو بس ان ہی کی بدولت روزی اور نصرت نصیب ہوتی ہے یعنی فقیر میرے دوست ہیں۔میں ان کے پاس بیٹھتا ہوں اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے طفیل تم کو رزق یا نصرت ملتی ہے۔

ایک روز امراء عرب میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں لیکن یہ شکستہ حال اصحاب صفہ آپ کے ہم نشین ہیں۔اگر ہمیں تنہائی فراہم کردی جائے تو ہم آپ سے دینی مسائل حاصل کرلیا کریں گے۔

اللہ تعالیٰ دانا و بینا، علیم و خبیر ہے۔جیسے ہی یہ بات ان کے منہ سے نکلی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کریں جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کی دید کے متمنی رہتے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ہے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ کہ آپ ان کو دور کرنے لگیں۔پس ہو جائیں آپ ﷺ بے انصافوں میں سے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اگر ان فقراء کو تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیا جاتا تو عرب کے بڑے بڑے امراء مسلمان ہو جاتے لیکن اللہ کی غیرت نے اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کے دوستوں کو کوئی حقارت سے دیکھے۔

☆☆☆☆☆

کسی چیز کی تصویر الٹی ہو کر دماغ کے پردے پر گرتی ہے اور وہی آدمی دیکھتا ہے۔قانون یہ ہے کہ ایک منظر پندرہ منٹ تک دماغ کی اسکرین پر قائم رہتا ہے اور اس وقفے میں اس میں ایک منظر سے متعلق تمام تفصیلات معلوم ہو جاتی ہیں۔آنکھ سے منتقل ہو کر جہاں روشنی پڑتی ہے وہاں لیئرز ہوتی ہیں۔پہلی لیئر کے عکس میں رنگ ہوتا ہے۔دوسری لیئر کے عکس میں تفصیل ہوتی ہے اور تیسری لیئر کے عکس میں ماضی سے متعلق حوادث و واقعات ہوتے ہیں۔

وہ روشنیاں جو باہر سے آنکھوں کے ذریعے دماغ پر منتقل ہوتی ہیں ان تمام مناظر کو مائکروفلم سے اٹھا

کر انلارج کرتی ہیں۔جس سے دیکھنے والے کی آنکھیں ہر چیز کو تفصیل سے دیکھنے لگتی ہیں۔اس عکس کو دیکھنے والے کا ارتکازِ ذہن جس قدر رہتا ہے اتنی ہی وہ تصویریں بڑی اور واضح ہو جاتی ہیں۔ان تصویروں میں ایک ترتیب ہوتی ہے۔اس ترتیب کو دیکھنے والی آنکھیں ان تصویر کو اپنے ذہن پر مرتکز کر لیتی ہیں اور ان میں انتخاب کرتی ہیں۔عام واقعات کو الگ اور حوادث کو الگ۔حوادث جو ماضی میں ہو چکے ہیں جداگانہ مرتب ہوتے ہیں اور اس کا تعلق دیکھنے والے کی فراست سے ہے۔وہ چہرے سے یہ اندازہ کر لیتا ہے کہ یہ ماضی ہے یا مستقبل۔ماضی کی بڑی بڑی تصویروں کو بھی تصور بہت چھوٹا پیش کرتا ہے۔اس لئے حواس تصویروں کو جداگانہ ورق پر منتقل کر دیتے ہیں۔ان میں اہم واقعات بہت چھوٹی تصویر پیش کرتے ہیں اور جو زیادہ اہم ہوں وہ اس سے بڑی تصویر پیش کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ بعض چہرہ شناس لوگ چند واقعات صحیح بتا دیتے ہیں وہ اس علم کو عام طور پر پامسٹری، جوتش، رمل اور جفر وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔کچھ ہاتھوں کی لکیروں سے اندازہ لگاتے ہیں لیکن ہاتھوں کی لکیروں سے اندازہ لگانا بھی چہرے کی لیزرز سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

رمل والے عام طور سے پانسے پھینکتے ہیں اور اس گہرائی میں جانے کی کوشش کرتے ہیں جو ان لیزرز میں ہے۔یہی کوشش جوتشیوں کی ہوتی ہے جو اس کو ستاروں سے وابستہ کرتے ہیں۔جفر والوں کا علم بھی یہی ہوتا ہے۔لیزرز کا ماضی اور مستقبل سے ارتباط ہے۔جب سننے، دیکھنے اور سوچنے کی حسیات یکساں ہو جاتی ہیں تو لیزرز سرخ رنگ کے نقوش میں رونما ہوتے ہیں۔

یہ نقوش بہت مختصر ہوتے ہیں۔حواس یکجا ہو کر انہیں انلارج کرتے ہیں۔ان میں بہت سے واقعات عامیانہ ہوتے ہیں اور بہت سے حالات روزمرہ زندگی سے مربوط ہوتے ہیں اور بہت سے حوادث ہوتے ہیں۔ان حوادث پر توجہ مرتکز کرنا تصویر کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ان تصویروں کو دیکھنے والا مستقبل کے حالات و واقعات کا اندازہ لگا لیتا ہے۔دراصل یہ ایک طرح کا مطالعہ ہے۔یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ان تصویروں کا مطالعہ کرنے والے نے بالکل صحیح نتائج اخذ کئے ہیں۔اعلیٰ سے اعلیٰ فہم و فراست رکھنے والے حضرات کا نتیجہ بھی ۸۰ فیصد سے زیادہ درست نہیں ہوتا۔ان تصویروں سے سو فیصد درست نتیجہ صرف اہل شہود حضرات ہی نکال سکتے ہیں۔



قرآن میں تفکر رہنمائی کرتا ہے کہ تمام انبیاء کرام نے دین حنیف اور توحید باری تعالیٰ کا درس دیا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ رسولوں اور نبیوں کے پیروکاروں نے تعلیمات پر صحیح طور پر عمل نہیں کیا۔مفادات کو پیش نظر رکھا اور پیغمبران کرام کی تعلیمات میں تحریف کر دی۔طریقت سے مراد یہ ہے کہ تعلیمات پر اس طرح

عمل کیا جائے کہ اعمال کے اندر مخفی حکمتیں اور رموز سامنے آجائیں۔

حضرت جنید بغدادی کے پاس ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آنا ہوا۔ جواب ملا، حج پر گیا تھا، وہیں سے آیا ہوں۔ حضرت جنید نے پوچھا، اس وقت سے لے کر جبکہ تم نے اپنے گھر کو خیر باد کہا، کیا تم نے تمام گناہوں کو بھی خیر باد کہا تھا۔ اس شخص نے کہا، نہیں ایسا نہیں ہوا۔ پھر تم نے کیسا حج کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ اس سفر کے دوران میں تم نے جس منزل پر بھی پڑاؤ کیا، کیا اس موقع پر تم نے اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کوئی منزل طے کیں.........نہیں۔

پھر تم نے راہ حج کا سفر تو نہیں کیا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام متعین پر احرام باندھا تو کیا تم نے اپنی ذات سے عام انسانی صفات کا جامہ بھی اسی طرح اتار پھینکا تھا جس طرح تم نے اپنا دنیاوی لباس اپنے جسم سے اتار دیا تھا..........نہیں۔

پھر تم نے احرام کہاں باندھا۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مقام عرفات میں قیام کیا تو کیا تم نے ایک لمحہ بھی خدا کی طرف کامل دھیان میں گزارا..........نہیں۔

پھر تم نے عرفات کا قیام کہاں کیا اور جب تم مذدلفہ گئے اور اپنی دلی مراد پالی تو کیا تم نے تمام جسمانی خواہشات کو اپنے سے الگ کر دیا تھا..........نہیں۔

تو پھر تم مذدلفہ نہیں گئے اور پھر جب تم نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا تو کیا اس خانہ پاک میں جمال خداوندی کا مشاہدہ کیا..........نہیں۔

تو پھر تم نے درحقیقت کعبہ کا طواف ہی نہیں کیا۔ جب تم نے صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تو کیا تم نے صفا (پاکیزگی) اور مروت (نیکی) کا مقام حاصل کر لیا..........نہیں۔

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سعی نہیں کی۔ جب تم منیٰ میں آئے کیا تمہاری تمام خواہش ختم ہو گئیں..........نہیں۔

تو پھر تم منیٰ کہاں گئے اور جب تم مقام ذبح پر گئے اور قربانی دی تو کیا تم نے خواہشات جسمانی کی تمام صورتوں کو قربان کر دیا..........نہیں۔

پھر تم نے قربانی نہیں کی اور جب تم نے کنکریاں پھینکنے کا عمل کیا تو جتنے دنیاوی معمولات تم سے چمٹے ہوئے تھے کیا ان سب کو اپنے سے الگ کر کے پھینک دیا..........نہیں۔ پھر تم نے کنکریاں نہیں پھینکیں اور حج کے شعائر ادا نہیں کیے۔ واپس جاؤ اور اس طریقے پر حج کرو جس طریقے پر کہ میں نے تمہیں بتایا ہے تاکہ تم مقام ابراہیم تک پہنچ سکو۔

☆☆☆☆☆

کینسر خون کو نقصان پہنچانے والا ایک مرض ہے۔ اس کی وجوہات میں چند وجوہ یہ ہیں کوئی انسان جب ایک، دو یا چند خیالات میں خود کو گرفتار کر لیتا ہے تو وہ برقی رو جو خیالات کے ذریعے عمل منتقل ہے زہریلی ہو جاتی ہے۔ یہ زہریلی رو چونکہ خون کے اندر بھی زہر پیدا کر دیتی ہے اس لئے اس رو کے عدم توازن کی بناء پر خون میں خوردبین سے بھی نظر نہ آنے والے وائرس بن جاتے ہیں۔ یہ کیڑے کسی ایک جگہ گھر بنا لیتے ہیں۔ وہ برقی رو جو زندگی کے مصرف میں آنی چاہئے ان کیڑوں کی خوراک بن جاتی ہے۔ نتیجہ میں خوراک کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جو برقی رو کے ساتھ خون میں دور کرتا ہے، بجائے فائدے کے نقصان پہنچاتا ہے۔ ان کیڑوں کی خوراک خون کے وہ ذرات ہوتے ہیں جو سرخ ذرات یا RBC کہلاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ مریض کے اندر سرخ ذرات ختم ہو کر سفید ذرات کی کثرت ہو جاتی ہے اور یہ جسم کے لئے قابل قبول نہیں رہتے چنانچہ یہ سفید ذرات لعاب یا بلغم بن کر خارج ہونے لگتے ہیں اور اتنی مقدار میں خارج ہوتے ہیں کہ آدمی بالآخر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

کینسر کی دوسری قسم یہ بھی ہے کہ زہریلے ذرات ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کے جمع ہونے سے وہ رگیں کھل جاتی ہیں جو اس ذخیرہ کے قریب ہوتی ہیں۔ نتیجہ میں خون کے نظام میں ایک بہت بڑا خلا واقع ہو جاتا ہے اور اس سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ تو کینسر کے مظہرات یا ظاہری علامات ہیں۔ علم روحانی کی رو سے کینسر ایک ایسا مرض ہے جو شریف النفس اور با اختیار ہوتا ہے، سنتا ہے اور حواس رکھتا ہے۔

اگر اس سے دوستی کر لی جائے اور کبھی کبھی تنہائی میں بشرطیکہ مریض گہری نیند سو رہا ہو۔ اس کی خوشامد کی جائے اور یہ کہا جائے ''میاں کینسر! تم بہت اچھے ہو، بہت مہربان ہو، یہ آدمی بہت پریشان ہے، اسے معاف کر دو، اللہ تمہیں اس کی جزا دے گا۔'' تو کینسر مریض کو چھوڑ دیتا ہے اور دوست داری کا ثبوت دیتا ہے۔

علاوہ ازیں سرخ رنگ میں جو برقی رو دوڑتی ہے وہی کینسر کی خوراک ہے۔ اس لئے خون کے سرخ ذرات کے اندر دور کرنے والی برقی رو کینسر کی خوراک بن جاتی ہے اور کینسر کا مریض زندگی کو قائم رکھنے والی برقی رو سے محروم ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ چونکہ خون میں دور کرنے والی سرخ رنگ کی برقی رو ہی کینسر کی خوراک بنتی ہے، اس لئے اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ مریض کے ماحول کو پوری طرح سرخ کر دیا جائے۔ مثلاً جس کمرے میں مریض کا قیام ہے، اس کمرہ کی دیواریں، دروازے اور کھڑکیوں کے پردے، پلنگ کی چادریں، تکیوں کے غلاف حتیٰ کہ مریض کے پہننے کے کپڑے سب سرخ کر دیئے جائیں۔

☆☆☆☆☆

ایک رات دو صاحبان حضور قلندر بابا اولیاء سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ میں نے ان سے عرض کیا، اس وقت بابا صاحب سے ملاقات ممکن نہیں ہے، میرے یہ کہنے پر ایک صاحب نے اپنا منہ کھول دیا۔ میں یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ ان کا منہ خون سے لبالب بھرا ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے زمین پر خون تھوک دیا۔ حالت کیوں کہ غیر معمولی تھی میں نے ان کو بابا صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔

بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد وہی صورت پیش آئی کہ ان صاحب نے منہ کھول کر دکھایا تو اتنی دیر میں منہ پھر خون سے بھرا ہوا تھا۔ بابا صاحب کے پوچھنے پر ان کے ساتھی نے بتایا کہ ایک ہفتہ سے ان کو یہ بیماری لاحق ہو گئی ہے کہ منہ میں خون آ جاتا ہے اور پھر یہ پانی کی طرح خون کی کلیاں کرتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی خون کی ڈرپ ختم ہوئی تھی کہ میں انہیں یہاں اٹھا لایا۔ بابا صاحب نے آدھے منٹ کے لئے غور فرمایا اور جو علاج تجویز کیا وہ یہ ہے کہ پرانے سے پرانا ٹاٹ لے کر اس کو جلا دیا جائے۔ جب ٹاٹ اچھی طرح آگ پکڑ لے تو اس کے اوپر توا الٹا دیا جائے۔ تھوڑی دیر میں ٹاٹ کوئلہ بن جائے گا۔ اس جلے ہوئے ٹاٹ کو کھرل میں پیس کر شہد ملایا جائے اور صبح شام رات تین وقت یہ شہد مریض کو چٹایا جائے۔

وہ دونوں صاحبان شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔ میں کئی دن تک یہ سوچتا رہا کہ اس مریض کا کیا بنا اور اس بات پر بار بار افسوس کرتا رہا کہ اگر میں پتہ پوچھ لیتا تو خیریت معلوم ہو جاتی۔ چوتھے روز وہ دونوں صاحبان تشریف لائے، اب ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ اور بابا صاحب کے گلے میں ڈالنے کے لئے گلاب کا ہار تھا۔



جن حضرات نے علمائے باطن کے نصاب کے مطابق باطنی علوم سیکھے ہیں انہوں نے ان تمام چیزوں سے کنارہ کر لیا جو اس راہ میں رکاوٹ بن سکتی تھیں۔ اس طرح ان کا ذہنی، قلبی اور روحانی رابطہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قائم رہا۔

قرآن کہتا ہے ''جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں۔ ہم ان پر اپنی راہیں کھول دیتے ہیں۔''
جب ان لوگوں پر عرفان نفس اور معرفت الٰہی کے دروازے کھل گئے تو انہیں روحانی ادراک اور مشاہدات کی نعمتیں میسر آئیں۔

صحابہ کرام سے تابعین تک، تابعین سے تبع تابعین تک اور تبع تابعین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز فکر کے حامل علمائے باطن حضرات نے عرفان نفس اور معرفت الٰہی کو مقصد زندگی بنانے کے لئے مجوزہ نصاب میں قرآنی احکامات کی روشنی میں اضافے کئے اور تقریباً دو سو پچاس ہجری تک انبیاء کے وارث

علمائے باطن روحانی تصرف اور وجدانی کلام کے ذریعے لوگوں میں روحانی شعور بیدار کرتے رہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس دور میں کم وبیش پچیس فیصد لوگوں میں روحانی شعور بیدار تھا اور وہ مشاہدات کی دنیا سے واقف تھے۔

☆☆☆☆☆

حضرت ابراہیم بن ادھم دریائے دجلہ کے کنارے بیٹھے اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ ایک شخص نے پوچھا، شیخ ابراہیم! بلخ کی سلطنت چھوڑ کر آپ کو کیا ملا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم نے سوئی دریا میں ڈالی اور آواز دی، مچھلیو! میرے پاس ایک ہی سوئی ہے۔

یہ تو اللہ کو معلوم ہے کہ آواز اس کنارے سے کہاں تک پہنچی لیکن اس شخص نے چشم دید سے دیکھا کہ ایک مچھلی گہرے پانی سے اچھلی اور حضرت ابراہیم بن ادھم کی گود میں آگری۔ حضرت نے اس کے منہ سے سوئی دھاگہ نکال لیا اور مچھلی کو دم سے پکڑ کر واپس دریا میں پھینک دیا۔ اس قسم کے بے شمار واقعات کتابوں میں درج ہیں۔

اس طرح کے واقعات کا مطلب ہے کہ علوم باطنی حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق سمٰوات، زمین اور ان کے اندر جو کچھ ہے سب کا سب انسان کے لئے مسخر کر دیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

جتنے بھی رائج علوم موجود ہیں ان کی ابتداء شعور سے ہوئی ہے۔ دانشوروں کا ایک گروہ ہمیں دنیاوی علوم سکھاتا ہے۔ دنیاوی علوم سے آراستہ کرتا ہے اور نئے نئے علوم نوع انسانی کے لئے تخلیق کرتا ہے۔ دانشوروں کا دوسرا گروہ دنیاوی علوم کی افادیت کو قبول کر کے دونوں نامعلوم دنیاؤں کی مبادیات کو تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی علوم سیکھنے، دنیاوی علوم میں مہارت حاصل کرنے اور دنیاوی علوم سے استفادہ حاصل کرنے میں آدمی پیش پیش ہے۔ جبکہ دونوں نامعلوم دنیاؤں کے علم سے وہ نا آشنا ہے۔ دانشوروں کا رویہ اس سلسلے میں جانبدارانہ ہے۔ جس شد و مد کے ساتھ دنیاوی علوم کے استفادے کے لئے ذہنی، جسمانی اور مالی ایثار کیا جاتا ہے اس کا عشر عشیر نامعلوم دنیاؤں کے علوم کو حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا جاتا۔ ناقدر شناسی اور کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ غیب کے علوم سیکھنا جوئے شیر لانا ہے جبکہ دنیاوی علوم کا سیکھنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔

بالغ شعور ذہن اور سنجیدہ طبیعت لوگ یہ پوچھتے ہیں جب انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ علم سیکھے اور فطرت کے اس تقاضے کو اپنی استطاعت کے مطابق پورا بھی کرتا ہے تو نامعلوم یعنی غیب کی دنیا کے

علوم سیکھنے میں کون سی دیوار حائل ہے۔

ہر انسان نومولود کی حیثیت سے قدم قدم آگے بڑھتا ہے اور ہر قدم اس کے لئے تجربہ، مشاہدہ اور علم ہے۔ بیس سال کے انسان کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بیس سال کے شب و روز کے ماضی کا ریکارڈ ہے یعنی ایک گریجویٹ انسان کے اوپر ماضی کے بیس سال محیط ہیں۔ ماضی کے بیس سال کو اگر ٹکڑے ٹکڑے کر کے شب و روز میں تقسیم کیا جائے تو ۷،۳۰۰ دن رات بنیں گے۔ یعنی ۷،۳۰۰ دن رات کے ماضی کے اوپر سے چھلانگ کر کوئی بچہ گریجویٹ بنتا ہے۔ اگر اس تقسیم کو تقسیم در تقسیم کر کے گھنٹوں میں شمار کیا جائے تو ۱،۷۵،۲۰۰ گھنٹے کا ماضی غیب میں چھپا تو آدمی گریجویٹ بنا۔

کوئی انسان دانشوروں کے دوسرے گروہ کی تقلید کرتے ہوئے اس دنیا سے پار دوسری دنیا کا ادراک کرنا چاہتا ہے اور وہاں کے علوم سیکھنا چاہتا ہے تو اسے بیس سال کی عمر سے پہلے دن کے شعور میں پلٹنا پڑے گا۔ یعنی کوئی آدمی پردے میں چھپے ہوئے ۱،۷۵،۲۰۰ گھنٹوں کو عبور کر کے اس دنیا کا علم سیکھ سکتا ہے جس دنیا سے وہ اس دنیا یعنی عالم ناسوت میں آیا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ جب ہم مادی علوم سیکھتے ہیں تو ہمارے پیش نظر یہ ہوتا ہے کہ مادی علوم سیکھنے سے ہمارے اوپر آرام و آسائش کے دروازے کھل جائیں گے۔ دروازے کھلیں یا نہ کھلیں یہ بالکل الگ بات ہے۔ ساری دنیا امیر نہیں ہوتی اور دنیا کے سارے باسی غریب نہیں ہوتے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ شب و روز اپنے مرشد کریم حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ میں بائیس سال رہے۔ بائیس سال میں ۸۰۳۰ دن رات ہوتے ہیں۔ ایک مزدور کو آٹھ گھنٹے کے دو سو روپے ملتے ہیں۔ تین شفٹوں کے چھ سو روپے ہوئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے دوسری دنیاؤں، غیب کے علوم سیکھنے کے لئے ۴۸،۱۸،۰۰۰ روپے کا ایثار کیا۔ والدین، عزیز و اقرباء اور خاندان کو چھوڑنا اس کے علاوہ ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاء رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جو دولت سرمدی عطا فرمائی ہے اس کے پیچھے چالیس سال کے ریاضت و مجاہدات ہیں۔ حساب کتاب سے حضور قلندر بابا اولیاء نے غیبی اور روحانی علوم سیکھنے کے لئے ۸۷،۶۰،۰۰۰ روپے کا ایثار کیا۔

ہر شخص روحانی علوم کے بارے میں یہ تصور کرتا ہے کہ یہ پھونکوں کا علم ہے۔ پھونک ماری دنیا روشن ہوگئی۔ پھونک ماری آدمی گریجویٹ ہو گیا۔ کسی بزرگ کی پھونک لگ گئی تو Ph.D کی ڈگری اس کے ہاتھ آ گئی۔ سوال یہ ہے کہ جب پھونک سے آدمی میٹرک نہیں کر سکتا تو روحانی علوم کے سلسلے میں یہ خام خیالی کیوں

جائز رکھی گئی ہے۔ دنیا کا ہر کام محنت سے ہوتا ہے۔ آدمی جتنی محنت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا صلہ عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ لوگ جو میرے ہی لئے جدوجہد کرتے ہیں میں ان کو راستوں کی ہدایت ضرور دیتا ہوں۔



ترک دنیا یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کے سارے لوازمات پورے کر کے اللہ کی طرف رجوع رہے۔ آپ نے یقیناً بطخ کو دیکھا ہے۔ بطخ ساری زندگی پانی میں رہتی ہے لیکن اس کے پر نہیں بھیگتے۔ آپ ریل میں بھی سفر کر چکے ہیں۔ کراچی سے پشاور سیکڑوں میل سفر کرتے ہیں لیکن مطلوبہ اسٹیشن آنے پر ریل کو چھوڑ دیتے ہیں، ریل کا آرام، ریل کی تفریح مزاحم نہیں ہوتی۔

مسافر فائیو اسٹار ہوٹل میں حسب ضرورت قیام کرتا ہے۔ وہاں ہر قسم کی آسائش ہوتی ہے۔ ہر شئے گھنٹی بجانے پر مہیا ہوتی رہتی ہے۔ گرمی اور سردی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے لیکن ہوٹل چھوڑتے وقت آپ کو ذرا سا ملال نہیں ہوتا۔ یہ ایک قسم کا ترک دنیا ہے جس سے ہر انسان گزرتا رہتا ہے۔ جب کوئی بندہ دنیا کی نعمتیں بھرپور استعمال کرتا ہے اور یہ سوچ لیتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کے متعین کردہ حقوق پورے کر دیتا ہے تو یہی ترک دنیا ہے۔ ترک دنیا کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی بھوکا پیاسا مر جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ چیزوں سے فائدہ نہ اٹھائے۔

ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادی کے ایک شاگرد نے حضرت سے پوچھا، حضرت! ترک دنیا کیا ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے جواب دیا، دنیا میں رہتے ہوئے آدمی کو دنیا نظر نہ آنا۔ شاگرد نے پوچھا، یہ کس طرح ممکن ہے۔ حضرت جنید نے مسکرا کر جواب دیا، جب میں تمہاری عمر کا تھا، میں نے اپنے پیرومرشد سے یہی سوال کیا تھا تو انہوں نے جواب دیا، آؤ بغداد کے سب سے مشہور بازار کی سیر کریں۔ چنانچہ میں اور شیخ بغداد کے مصروف ترین بازار کی طرف نکل گئے۔ جیسے ہی ہم بازار کے صدر دروازے میں داخل ہوئے میں نے دیکھا کہ میں اور میرے شیخ ایک ویرانے میں کھڑے ہیں۔ حدِ نظر تک ریت کے ٹیلوں اور بگولوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔

میں نے حیرت سے کہا، شیخ! یہاں بازار تو نظر نہیں آ رہا۔ شیخ نے شفقت سے میرے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ جنید یہی ترک دنیا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا میں سارے کام کرتے ہوئے دنیا میں انہماک نہ ہو۔ اون کے لبادے اوڑھ لینا، جو کی روٹی کھا لینا، عالی شان مکانوں سے منہ موڑ کر جنگلوں میں نکل جانا ترک دنیا نہیں ہے۔

ترک دنیا یہ ہے کہ لذیذ ترین اشیاء بھی کھاؤ تو جو کی روٹی کا ذائقہ ملے، جو کی روٹی کھاؤ تو شیر مال کا ذائقہ محسوس ہو۔ اطلس و دیبا اور حریر بھی پہنو تو ٹاٹ کا لباس محسوس ہو اور ٹاٹ کا لباس پہنو تو اطلس و کمخواب محسوس ہو۔ گنجان بزاروں اور خوبصورت محلات کے درمیان سے گزرو تو بیاباں نظر آئے لیکن جنید! یہ سب باتیں پڑھنے سے اور دوسرے کے سمجھانے سے اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جب تک ترک دنیا کے تجربے سے نہ گزرو۔ آؤ! اب گھر چلتے ہیں۔ پھر جیسے ہی ہم اس ہولناک ویرانے سے گھر روانہ ہوئے ہم بغداد کے بارونق بازار کے صدر دروازے پر کھڑے تھے۔



شداد نے پہلے خدائی کا دعویٰ کیا اور پھر جنت کی تعمیر شروع کر دی۔ حیرت اس بات پر ہے کہ شداد کو کبھی خیال نہیں آیا کہ اس کی پیدائش کس طرح ہوئی، نو مہینے ماں کے پیٹ میں اس نے کون سی غذا حاصل کر کے نشوونما پائی، پیدائش کے بعد خون کی بدلی ہوئی صورت ماں کا دودھ پیتا رہا اور خدائی کا دعویٰ کرتے وقت اسے یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ ہر وقت اس کے پیٹ میں دو ڈھائی سیر پاخانہ بھرا رہتا ہے۔ پیشاب کی حاجت اسے ہوتی ہے، پسینہ سے اس کے بدبو آتی ہے، نہا کر بالوں میں کنگھی نہ کرے تو کوئی اس کے قریب نہیں بیٹھ سکتا۔

بہرحال اس ظالم اور جاہل اور ناشکرے انسان نے پہلے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اللہ کی مخلوق سے خود کو سجدہ کرایا اور ان لوگوں کے لئے جن سے وہ خوش تھا جنت بنانا شروع کر دی۔ جنت بناتے وقت اسے خیال آیا ہو سکتا ہے۔ میں جنت کو دیکھ ہی نہ سکوں۔ جنت کی تعمیر پوری ہونے سے پہلے مر جاؤں تو اس نے محل سے نکل کر جنگل کی راہ لی۔ وہاں شاہی لباس اور قیمتی زیورات اتار کر معمولی کپڑے زیب تن کئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑایا۔ عاجزی اور انکساری سے بارگاہ ایزدی میں التجا کی، بارالہا! میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ میری موت میرے چاہنے کے مطابق آئے۔ اللہ تعالیٰ بڑے ہیں اور بہت بڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، مانگ! کیا مانگتا ہے۔ شداد نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا، میری موت اس طرح آئے کہ نہ میں بیٹھا ہوں، نہ کھڑا ہوں، نہ لیٹا ہوں، نہ چل رہا ہوں، نہ گھر میں ہوں، نہ باہر ہوں، نہ دروازے پر ہوں، نہ اندر ہوں، نہ خلاء میں ہوں، نہ زمین پر ہوں، نہ میں سواری پر ہوں۔ غرض یہ کہ اس نے اپنی دانست میں وہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ اب میں مر نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ باتیں قبول فرمالیں۔ شداد بڑا خوش ہوا کہ اب میں کبھی مر ہی نہیں سکتا۔ زیادہ سے زیادہ میرے بندے ہوں گے، میں ان کا خدا ہوں گا۔ میں جس طرح چاہوں گا لوگوں پر ظلم چلاؤں گا، جسے چاہوں گا قتل کروں گا، جسے چاہوں گا جنت میں بھیج دوں گا۔

قصہ کوتاہ جنت تیار ہوگئی اور جنت کے معائنہ کے لئے ایک دن مقرر ہوگیا۔ دبدبے اور پوری شان و شوکت سے حشم وخدم، فوج اور درباریوں کے ساتھ جنت دیکھنے کے لئے گھوڑے پر سوار شداد صاحب خراماں خراماں محل سے باہر آئے۔

جنت کے دروازے میں ابھی گھوڑے نے اگلے دو پیر رکھے تھے کہ گھوڑا اڑیل ٹٹو بن گیا۔ اسے جب مارا پیٹا گیا، لگام کھینچی تو گھوڑا منہ زور ہوگیا اور دو ٹانگوں پر کھڑا ہوگیا۔ جب اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ شداد گر کر نہ مر جائے تو رائے یہ ہوئی کہ شداد کو گھوڑے پر سے اتار لیا جائے۔

غلام آگے بڑھے، شداد نے رکاب میں سے پیر نکالا اور پیر غلاموں کے ہاتھوں پر رکھا۔ ایک پیر غلاموں کے ہاتھوں پر تھا دوسرا پیر رکاب میں تھا کہ ملک الموت نے اس کی روح قبض کرلی۔ یہ سب کچھ ہوا تو ملک الموت کو رحم آیا اور ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، یا اللہ! آپ بڑے ہیں، اگر آپ اس کو جنت دیکھنے دیتے تو یہ حسرت میں نہ مرتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تو جانتا ہے یہ کون ہے اور دیکھ زمین پر۔ ملک الموت نے دیکھا کہ پانی کا ایک بہت بڑا جہاز ہے۔ اس جہاز پر بحری قزاق چڑھ دوڑے ہیں۔ انہوں نے وہاں لوٹ مار کی۔ اس لوٹ مار میں اور شور غوغا میں جہاز میں ایک نوزائیدہ بچہ بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت سے کہا، اس بچے کو تختے پر لٹا کر سمندر میں چھوڑ دو۔ ملک الموت نے حکم کی تعمیل کی لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ بچہ کیسے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا، یہ وہی بچہ ہے جس کے بارے میں تجھے خیال تھا کہ یہ کس طرح زندہ رہے گا۔ ہم نے اس کی حفاظت کی، اس کی پرورش کی، اس کو طاقت دی اور اس نے خدائی کا دعویٰ کر کے جنت بنائی اور دعا مانگی کہ اس کو موت نہ آئے۔ اس نے ہمارے ساتھ مکر کیا۔

☆☆☆☆☆

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں جنوں کا تذکرہ فرمایا ہے لیکن بہت مجمل۔ صرف اتنا فرمایا ہے، میں نے انسان کو مٹی سے بنایا اور جنات کو آگ سے۔ جنات کی دنیا ہماری زمین کے گلوب کی حدود میں ہے۔

جنات کی دنیا زمین سے تقریباً دس لاکھ چھپن ہزار فٹ اوپر خلاء میں ہے جہاں ماں کے بطن سے بچہ، انسانی اعداد وشمار کے مطابق نو سال میں پیدا ہوتا ہے۔ اس ہی اندازہ کے مطابق جنات کی عمریں ہوتی ہیں۔

کوئی شخص یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جنات نظر کیوں نہیں آتے تو ہم سوال کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ انسان کو وائرس کیوں نظر نہیں آتا، بیکٹیریا کیوں نظر نہیں آتا لیکن اگر کوئی Sensitive Device بنالی جائے تو اس سے بیکٹیریا یا وائرس کا ادراک ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان مفرد لہروں کا علم حاصل کرلے تو وہ جنات کو اور جنات کی دنیا کو دیکھ سکتا ہے۔

بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں جنات کی بستیاں آباد ہیں جو زیادہ تر ویرانے میں ہوتے ہیں۔
جنات کے بارہ طبقے ہیں اور یہ وہ طبقے ہیں جو ہماری زمین پر آباد ہیں۔ ہر طبقے کے جنات الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی جگہ ایک ہی طبقہ آباد ہو۔ کئی جگہیں ایسی ملتی ہیں جہاں جنات کے کئی طبقہ آباد ہیں۔ ہر طبقے کی شکل وصورت میں فرق ہوتا ہے۔

ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاء جنات کی دنیا سے متعلق حقائق پر ایک روئداد تحریر کروا رہے تھے کہ حضوری کا پیغام آ گیا اور وہ روئداد مکمل نہیں ہو سکی۔ جو اس طرح سے ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے مدرسے میں جس طرح انسانوں کے لڑکے پڑھتے تھے اسی طرح جنات کے لڑکے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

مدرسے میں تعلیم پانے والے جنات کے لڑکوں کو سخت ہدایت تھی کہ وہ ہرگز کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے انسانوں کے لڑکے خوفزدہ ہوں۔ ان میں زیادہ تعداد جنات کے ان لڑکوں کی تھی جو کالے پہاڑ کی تلہٹی میں آباد تھے۔ جہاں کئی طبقوں کے جنات رہتے تھے۔

اکثر جنات تحفے تحائف لے کر اس غرض سے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے کہ آپ ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیں۔ شاہ صاحب کی چند شرطیں تھیں اگر جنات کو وہ شرطیں منظور ہوتیں تو شاہ صاحب ان کے بچوں کو مدرسے میں داخل کر لیتے تھے اور اس طرح وہ بچے اسباق میں شریک ہو جاتے۔

اسباق کے علاوہ ان بچوں کے سپرد دیگر خدمات بھی ہوتیں تھیں کہ وضو کے لئے لوٹے بھریں، سقاوے میں پانی کا انتظام کریں اور باقاعدہ نماز باجماعت پڑھیں۔ ایک روز عشاء کی نماز کے بعد چند لڑکے شاہ صاحب کی خدمت میں مصروف تھے۔

شاہ صاحب نے کسی لڑکے سے فرمایا، چراغ گل کر دو۔ تیل ضائع ہو رہا ہے اور تم لوگ اپنے اپنے گھر جا کر آرام کرو۔ جہاں وہ لیٹے تھے چراغ اس جگہ سے کم از کم چھ گز کے فاصلے پر ایک کونے میں رکھا ہوا تھا۔ ایک لڑکے نے وہیں سے ہاتھ بڑھا کر چراغ گل کر دیا۔ انسانوں کے لڑکوں نے یہ انہونی بات دیکھی تو ڈر کے مارے چیخنے لگے۔ شاہ صاحب نے اٹھ کر انہیں تسلی دی اور اس جن لڑکے کو بہت ڈانٹا۔ اس روز لڑکوں پر یہ بات منکشف ہو گئی کہ ہمارے ساتھ جنات کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں۔ جب اتفاق سے لڑکوں پر یہ انکشاف ہو گیا کہ ہمارے ساتھ جنات بھی پڑھتے ہیں تو شاہ صاحب نے ڈانٹ ڈپٹ کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا تو جن لڑکے نے جرأت کر کے کہا، یہ سب میں نے دانستہ کیا ہے تا کہ چند لڑکے اس امر سے واقف ہو جائیں۔

نیز آج میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کسی دن میرے گھر ماحضر تناول فرمائیں۔ آپ میرے

استاد ہیں میرا آپ پر حق ہے اس لئے میں نے یہ جسارت کی ہے۔ اول تو شاہ صاحب کو بہت غصہ آیا مگر وہ بہت نرم مزاج تھے اس لئے خاموش ہو گئے لیکن وہ دعوت پر بضد رہا۔

شاہ صاحب کے مکان کی پشت پر ایک سوداگر رہتا تھا۔ یہ لڑکا جس سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی اس سوداگر کی لڑکی سے محبت کرتا تھا لیکن اس نے اس بات کو اب تک چھپا رکھا تھا اور رات دن اسی ادھیڑ بن میں مصروف رہتا تھا کہ کسی طرح استاد محترم کی تائید حاصل کر لے۔

اسی غور و فکر میں کئی سال گزر گئے لیکن وہ اپنے ماں باپ سے نہیں کہہ سکا۔ کافی عرصہ گزرنے کے بعد اس جن لڑکے نے اپنے ماں باپ سے کہا میں ہر قیمت پر شاہ صاحب کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ چل کر انہیں مدعو کریں۔ اس نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں رو رو کر یہ بھی کہا، مجھے سوداگر کی لڑکی سے والہانہ محبت ہے میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا آپ شاہ صاحب سے درخواست کریں کہ وہ سوداگر کے گھر والوں کو بھی ساتھ لائیں۔

لڑکے کی اس بات پر اس کے ماں باپ بہت برہم ہوئے۔ اسے مار پیٹ کر تنبیہ کی مگر وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور اس نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ انتہائی نحیف اور لاغر ہو گیا اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو ماں کے دل کا قرار ختم ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ باپ کے دل پر بھی چوٹ لگی اور اس نے اپنے لخت جگر سے کہا، بیٹا! ہم سوچیں گے کہ کیا ترکیب ہو سکتی ہے اور ہم کس طرح شاہ صاحب کی خدمت میں اس نوعیت کی درخواست کریں۔

لڑکے نے جب یہ مژدہ سنا تو اس پر سے نزع کا عالم نکل گیا اور اس نے ایک عالم سرخوشی میں باپ کو جواب دیا، آپ کسی طرح کے تردد میں مبتلا نہ ہوں چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس قسم کی صورت حال پیدا کر دوں گا کہ آپ کو بات کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی اور پھر ایک دن اس جن لڑکے نے سوداگر کی لڑکی کے سامنے خود کو ظاہر کر دیا اور وہ بھی اس طرح کہ لڑکی کے علاوہ اسے اور کوئی نہ دیکھ سکے۔

لڑکی ایک بار خوف زدہ ہو کر سہم گئی۔ اس نے چیخ کر گھر والوں کو آواز دی اور بتایا کہ ایک خوبصورت لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے اور مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔ گھر والوں نے جز بز ہو کر کہا یہ تیرا وہم ہے یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کس جگہ ہے، کہاں ہے، آخر ہمیں وہ کیوں نظر نہیں آتا۔ لڑکی نے جھنجھلا کر کہا، جھٹلانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ چاہتے ہیں کہ میں وہم میں مبتلا ہو جاؤں اور یہ سمجھوں کہ میرا وہم یہ صورت بنا کر میرے سامنے لے آیا جو سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھو! وہ لڑکا اب بھی میرے سامنے ہے۔

سوداگر نے پہلے تو اس زمانے کے طبیب حاذق سے مشورہ کیا اور اپنی لڑکی کو حکیم صاحب کے پاس لے گیا۔ حکیم صاحب جو بھی سمجھنا چاہتے تھے اسے جانچا لیکن کوئی نشان ایسا موجود نہیں تھا جس سے اس لڑکی کا کسی طرح غیر متوازن ہونا، پاگل ہونا یا وہمی ہونا ظاہر ہوتا ہو۔ جب سب کچھ دیکھ چکے تو حکیم صاحب نے لڑکی سے سوالات شروع کئے، جرح کرتے ہوئے استفسار کیا تم نے کیا دیکھا ہے اور جو کچھ بھی دیکھتی ہو اس کی تفصیل پورے وثوق سے بیان کرتی چلو۔ لڑکی نے بتایا جس طرح آپ سامنے بیٹھے ہیں یہ ایک حقیقت ہے اس میں کسی واہمہ کو کوئی دخل نہیں ہے۔ بالکل اتنے ہی یقین اور اعتماد کے ساتھ میں کہتی ہوں کہ مجھے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکا نظر آتا ہے۔

کبھی کسی لباس میں ہوتا ہے اور کبھی کسی اور لباس میں۔ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے کوئی رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔ حکیم صاحب خدا کے لئے آپ میرے ساتھ چلئے۔ یہ سب کے سب مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں شاید آپ اسے دیکھ سکیں۔ حکیم صاحب لڑکی کے کہنے کے مطابق سوداگر کے گھر گئے اور اس کمرے میں کافی دیر تک بیٹھے رہے اور اس لڑکی سے پوچھتے رہے۔

لڑکی اشاروں سے بتاتی رہی کہ وہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اب وہ میرے قریب آ رہا ہے۔ اب وہ دیوار سے لگا ہوا میری طرف دیکھ رہا ہے لیکن حکیم صاحب کو کچھ نظر نہیں آیا۔ آخر حکیم صاحب نے یہ فیصلہ دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہوا میں اس کا علاج کروں گا لیکن دورہ کی حالت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔ آخر حکیم صاحب نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اس لڑکی کا علاج ممکن ہے کوئی تعویذ گنڈے والا کر دے، میں تو عاجز آ گیا ہوں۔ اب میرے پاس اس کے لئے کوئی دوا نہیں ہے۔ محلّہ کے چند آدمیوں نے سوداگر کو مشورہ دیا کہ تم شاہ عبدالعزیز کے پاس جاؤ، وہ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔

شاہ صاحب نے یہ تو مناسب نہیں سمجھا کہ وہ لڑکی مدرسہ میں آئے البتہ وہ وقت نکال کے سوداگر کے یہاں تشریف لے گئے۔ لڑکی کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں اور اس کا نام پوچھا۔ جب شاہ عبدالعزیز اس کے گھر اور اس کے کمرے میں تھے لڑکی بالکل ٹھیک اور ہوش و حواس میں رہی۔ اس نے لڑکے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ اس نے کہا، ایسا کسی کسی وقت ہوتا ہے لیکن اس وقت وہ لڑکا میرے سامنے نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے اس کے باپ سے فرمایا کہ تمہاری لڑکی بالکل بھلی چنگی ہے۔ بتاؤ اب میں کیا کروں۔ اس کو اپنے کمرے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی لڑکی سے کہو کہ وہ اس لڑکے کو آواز دے تاکہ وہ لڑکا سامنے آئے۔

لڑکی نے جن لڑکے کو آوازیں دیں۔ اس کا نام لے کر بھی پکارا لیکن کوئی واقعہ ظہور نہیں ہوا۔ شاہ صاحب واپس آ گئے وہ برابر سوچتے رہے کہ اگر کوئی جن اس لڑکی پر آتا ہے تو کس طرح معلوم کیا جائے۔ وہ

اپنی جگہ بیٹھ کر اس معاملے کو گہرائی تک سوچتے رہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کے بعد لڑکی غائب ہونا شروع ہوگئی وہ کئی کئی دن تک غائب رہتی اور پھر یا تو چھت پر سے اترتی نظر آتی یا لوگ دیکھتے کہ کسی کمرے میں سے باہر آرہی ہے۔

اب لوگوں نے لڑکی سے پوچھا کہ تو اتنے دن کہاں غائب رہتی ہے۔ اس لڑکی نے صاف صاف بتا دیا کہ مجھے جنات لے جاتے ہیں اور وہاں میری بہت تواضع کرتے ہیں اور جب میرا دل گھبراتا ہے تو وہ مجھے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ جس وقت میں وہاں نیند سے بیدار ہوتی ہوں ایک عورت مجھے وضو کراتی ہے۔ وضو کے بعد میں نماز ادا کرتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں ناشتے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر کئی لڑکیاں جو میری ہم عمر ہیں قریب گھروں سے میرے پاس آ جاتی ہیں۔ اگرچہ بعض اوقات یہ محسوس کرتی ہوں کہ یہ لڑکیاں جنات میں سے ہیں اور میں انسان ہوں پھر بھی کوئی غیریت میرے دل میں نہیں آتی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ایک ہی نسل اور ایک قوم ہیں۔ ہماری گفتگو بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ میں نے اس لڑکے کو آج تک وہاں نہیں دیکھا۔ شاہ صاحب نے جب انہی دنوں اس جن لڑکے کو اپنے مدرسے میں نہ دیکھا اور چراغ گل کرنے کا واقعہ ان کے ذہن میں آیا اور اس جن لڑکے کا یہ کہنا کہ یہ کام میں نے دانستہ کیا ہے اور اس کا مدرسہ چھوڑ دینا یہ سب چیزیں شاہ صاحب کے ذہن میں ٹکراتی تھیں لیکن ان تمام حالات میں کوئی چیز ایک دوسرے سے وابستہ نظر نہیں آتی تھی اور آپ کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ پاتے تھے۔

لڑکی کے غائب ہونے کی خبریں برابر شاہ صاحب کے پاس آتی رہیں۔ شاہ صاحب اس کے سدباب کے لئے غور و فکر کرتے رہے۔ سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں ایک ایسا جن آیا جو باغ کی دیوار کے نیچے خارش زدہ کتا بن کے پڑا رہتا تھا۔ اس کتے کے بارے میں شاہ صاحب کو بالتحقیق بہت سی باتیں معلوم تھیں۔

شاہ صاحب نے سوداگر کو بلوایا اور اس سے استفسار کیا کہ اس کے پاس کچھ قابل اعتماد آدمی ہیں یا نہیں۔ سوداگر نے جواب دیا ایک تو میرا بہت پرانا ملازم ہے اس کے علاوہ ایک میرا ہم عمر دوست ہے۔ یہ دونوں میرے لئے معتبر ہیں۔ شاہ صاحب نے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں اب تم ان دونوں میں سے ایک کو میرے پاس لے آؤ۔ ساتھ ہی یہ فرمایا کہ دو روٹیاں خالص ماش کی دال پیس کر انہیں ایک طرف سے پکایا جائے اور کچی سمت میں گھی چپڑ دیا جائے اور ایک پرچہ لکھ دیا جس کی کئی تہیں کیں اور پرچے میں اتنی بڑی ڈوری باندھی جو کتے کی گردن میں آسکے۔

سوداگر جب روٹیاں اور اپنے وفادار ملازم کو لے کر حاضر خدمت ہوا تو شاہ صاحب نے روٹیاں

دیکھیں اور وہ پرچہ ان کو دے کر فرمایا، باغ کی دیوار کے پاس ایک خارش زدہ کتا پڑا ہوا ہے۔ تم سیدھے اس کے پاس جاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کتا تمہیں دیکھتے ہی بھونکے گا اور کاٹنے کے لئے دوڑے گا اسی لمحے ایک روٹی اس کے آگے ڈال دینا اور جب وہ روٹی کھانے میں مصروف ہو یہ پرچہ اس کی گردن میں باندھ دینا اور جب وہ یہ روٹی کھا چکے تو دوسری روٹی بھی اس کے آگے ڈال دینا جب وہ کتا باغ کی دیوار سے چلے تو اس کے پیچھے ہو لینا۔ آخر چلتے چلتے وہ کتا کالے پہاڑ کے پیچھے میدان میں ایک مقام پر بیٹھ جائے گا وہاں تم دونوں بھی رک جانا اور اس بات کا انتظار کرنا کہ اس پرچے کا کیا جواب ملتا ہے۔

اب یہ تمہاری ہمت ہے اور اس ہمت کی لازمی طور سے ضرورت بھی ہے۔ کوئی زلزلہ آئے، کسی قسم کا طوفان آئے، ہواؤں کے جھکڑ اور آندھیاں چلیں تم اپنی جگہ جمے رہنا۔ شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق سوداگر اور اس کے ملازم نے خارش زدہ کتے کو روٹیاں کھلائیں اور وہ پرچہ اس کے گلے میں باندھ دیا۔

وہ کتا وہاں سے چل پڑا اور الٹے سیدھے راستوں سے گزرتا رہا اور بالآخر کالے پہاڑ کے پیچھے والے میدان میں جا کر بیٹھ گیا اور چشم زدن میں شاہ صاحب کا لکھا ہوا وہ پرچہ اس کے گلے سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک تو سوداگر اور اس کا ملازم سکون سے بیٹھے رہے اور کتا بھی ساکت و جامد رہا۔ لیکن ابھی نہیں بیٹھے ہوئے چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ آسمان و زمین زلزلے کی طرح لرزتے محسوس ہوئے اور خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ دونوں پریشان ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا۔ ابھی وہ ان خوفناک آوازوں کی سمت متعین نہ کر پائے تھے کہ آندھی کے ساتھ ایک بگولہ اٹھا جو گرد و پیش کو لپیٹ میں لے کر تمام ماحول کو تاریک کر گیا۔

تھوڑی دیر بعد آندھی اور زلزلہ اور طوفان ختم ہو گیا اور چاروں طرف کی فضاء صاف ہو گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ نہ وہ پہاڑ ہے، نہ وہ میدان ہے بلکہ اب انہیں ایک خوبصورت شہر دکھائی دیا۔ جو بہت بڑی آبادی پر مشتمل تھا۔ بڑے بڑے مکانات تھے کشادہ سڑکیں تھیں اور عام طور سے جیسے بڑے شہروں میں محلے ہوتے ہیں بالکل اسی طرح یہ شہر بھی محلوں میں تقسیم تھا۔ ابھی یہ شہر کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا، تمہارے مقدمے کی پیشی ہے۔ چلو عدالت میں فیصلہ ہو گا۔ پہلے تو یہ ڈرے پھر انہیں شاہ صاحب کا قول یاد آ گیا۔ انہوں نے سوچا اب جو کچھ بھی ہو مقدمے میں تو پیش ہونا ہی ہے۔

جب انہوں نے شاہ صاحب کا لکھا ہوا پرچہ اس آدمی کے ہاتھ میں دیکھ لیا تو انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ یہ دونوں اس شخص کے ساتھ ہو لیے۔ عدالت نے پرچہ پڑھ کر حکم جاری کیا کہ اس جن کو پیش کیا جائے جس کے خلاف یہ شکایتی پرچہ شاہ صاحب نے لکھا ہے۔ کورٹ انسپکٹر نے پرچہ الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا، حضور! ہمیں

اس شخص کو تلاش کرنا پڑے گا، اس لئے ہمیں مہلت دی جائے۔

عدالت نے کہا، شاہ صاحب تو اس مقدمے کا فیصلہ فوراً چاہتے ہیں اور یہ بھی چاہتے ہیں کہ جس جن سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہے اسے ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ پیشکار نے جواب دیا، ہمارے یہاں ایسا کوئی قانون نہیں ہے کہ کسی جن کو پکڑ کر انسانوں کے حوالے کر دیا جائے۔ جنات کا معاملہ تو ہم ہی طے کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جن نے یہ حرکت کی ہے وہ خود کو ضرور چھپائے گا، ظاہر نہیں کرے گا اور جنوں کی سی آئی ڈی کے تعاون کے بغیر اس کا پتہ چلانا ممکن ہی نہیں ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ معزز عدالت اس جن کے ذریعے جس نے شاہ صاحب کے قاصد کے فرائض انجام دیئے ہیں مناسب جواب لکھ بھیجے۔تا کہ شاہ صاحب کسی حد مطمئن ہو جائیں کہ ان کا مقدمہ عدالت میں پہنچ چکا ہے اور زیر تفتیش ہے۔

چنانچہ پیش کار نے عدالت کی طرف سے ایک رقعہ لکھا جس میں مختصر طریقے پر ہر بات لکھی گئی اور اس کو اسی طرح لپیٹ کر جس طرح شاہ صاحب نے لپیٹا تھا اس جن کو دے دیا گیا جو اس رقعے کو لایا تھا۔ پھر شاہ صاحب کے اس پرچے کی کئی نقلیں تیار کی گئیں جو جنوں کی سی آئی ڈی کو دے دی گئیں اور یہ تاکید کر دی گئی کہ جلد از جلد اس جن کا پتہ چلائیں جس نے یہ حرکت کی ہے۔ سوداگر اور اس کا ملازم تمام خاطر و مدارات کے باوجود پریشان تھے اور اس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

انہیں اس بات کا بھی علم نہ ہو سکا کہ شاہ صاحب کے پرچے پر کیا کارروائی ہو رہی ہے اور اس کا جواب کس طرح دیا جائے گا۔ بہرکیف ان دونوں حضرات کی الجھن روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ آخر ان دونوں نے یہ طے کیا کہ کسی راستے سے بھاگ چلو لیکن جب کبھی یہ شہر میں نکلتے اور فرار کا پروگرام بناتے تو نہ کوئی دروازہ ملتا، نہ کوئی ایسا اشارہ ہاتھ آتا جس کے ذریعے وہ شہر سے باہر جا سکیں البتہ شہر کے اندر گھومنے پھرنے کی آزادی انہیں آزادی تھی۔

ایک روز مجبور ہو کر ان دونوں حضرات نے خدمت گاروں کو ایک درخواست دی۔ جس میں لکھا گیا تھا کہ انہیں اٹک کے شہر واپس پہنچا دیا جائے۔ شام کو خدمت گار اجنہ کا افسر اعلیٰ شاہی مہمان خانے میں آیا اور نرم الفاظ میں گویا ہوا، ایسی کسی درخواست کا کوئی فائدہ نہیں ہے جو آپ کو شہر سے نکالنے پر مبنی ہو۔ میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اس مقدمے کے سلسلے میں انتہائی مثبت کوششیں کی جا رہی ہیں۔ امید واثق ہے کہ اس مقدمے کا فیصلہ جلد از جلد ہو جائے گا پھر آپ آزاد ہیں۔ آپ ہمارے مہمان ہیں، قیدی ہرگز نہیں ہیں۔ آپ مدعی ہیں فی الحال مشکل یہ ہے کہ بغیر تحقیقات کے یہ فرض کر لینا بعید از انصاف ہوگا کہ سارا قصور اسی جن کا ہے جس پر اس حرکت کا الزام ہے وہ ایک فریق ہے تو دوسرا فریق آپ صاحبان ہیں۔

چند دن کے بعد سوداگر اور اس ملازم کو عدالت میں پیش کیا گیا اور عدالت کے پیش کار نے شاہ صاحب کا لکھا ہوا پرچہ پڑھ کر سنایا۔اس میں تحریر تھا، میرا ہمسایہ سوداگر اور اس کا ایک ساتھی جنہیں آپ کی خدمت میں پیش ہونا ہے، ان دونوں سے آپ مفصل روئداد سن سکتے ہیں جو اس مقدمہ کے سلسلے میں ضروری ہے۔اول تو یہ ہے کہ انسانوں میں یا جنات میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہونا اس کے باوجود سوداگر کی لڑکی کو اغوا کیا گیا ہے۔

دوسری ایک بات اور زیرِ غور ہے اور میرے نزدیک اس کا سامنے رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ جس دن سے لڑکی غائب ہوئی یا غائب ہونے کا سلسلہ شروع ہوا ہے میرا ایک جن شاگرد بھی لاپتہ ہے۔ بظاہر ان دونوں کڑیوں کا تعلق ایک دوسرے سے یقینی ہے۔میری درخواست ہے کہ اس جن کا پتہ چلائیں جو مدرسے میں پڑھتا تھا اور پڑھتے پڑھتے یکا یک غائب ہو گیا۔

ممکن ہے میرا خیال صحیح ہو اور ہو سکتا ہے کہ بالکل صحیح نہ ہو بلکہ تقریباً صحیح ہو یہ جرم غائب ہونے والے جن نے خود کیا ہے یا دوسرے جنات کو اس جرم میں شامل کر کے یہ واردات کی ہے۔

خط پڑھا جا چکا تو عدالت نے کہا۔اب آپ حضرات اپنا اپنا بیان قلمبند کرائیں۔اس پر سوداگر نے کہا، میری لڑکی پردہ دار ہے، نہ ہی اسے شہر سے باہر جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہے۔اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جاتی ہے اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ بازار تک۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے گھر میں صرف وہ اعزہ آتے ہیں جن سے کوئی پردہ نہیں ہے اور ان کے سامنے لڑکی چھوٹی سے جوان ہوئی ہے۔جب ہم یہ معاملہ شاہ صاحب کے سامنے لے گئے تو انہوں نے بہت دیر تک آنکھیں بند کر کے مراقبہ کیا لیکن اس قسم کا کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا کہ لڑکی کو اغوا کرنے والے انسان ہیں۔اس لئے ہمیں اس بات کا کلی یقین ہے کہ یہ کام بجز اجنہ کسی اور نے نہیں کیا۔یہ کہہ کر سوداگر خاموش ہو گیا۔

یہی روئداد تفصیلاً کتاب ''احسان و تصوف'' میں شائع ہو چکی ہے۔



روایت ہے کہ یمن میں ایک قبیلہ آباد تھا جس کا سردار حاتم طائی تھا۔حاتم طائی کی سخاوت کے ضمن میں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے۔روم کے بادشاہ کے دربار میں ایک دن حاتم طائی کی سخاوت کا تذکرہ تھا۔حاتم طائی کی تعریف سن کر بادشاہ بولا، جب تک کسی آدمی کو خود آزمایا نہ جائے اس وقت تک اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا خلاف عقل و شعور ہے۔

بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ تم خود جاؤ اور حاتم طائی کی سخاوت کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم

کرو اور اس سے کوئی ایسی چیز طلب کرو جو اس کی نظر میں سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ دربار میں سے ایک درباری نے کہا حاتم طائی کے لئے سب سے زیادہ عزیز اور سب سے زیادہ قیمتی صبا رفتار ایک گھوڑا ہے۔ بادشاہ کو درباری کی یہ بات پسند آئی اور اس نے وزیر سے کہا تم خود حاتم طائی کے پاس جاؤ اور اس سے اس کا گھوڑا مانگو۔ اگر وہ گھوڑے کا ایثار کر دیتا ہے تو حاتم طائی یقیناً سخی ہے۔

روم سے چلا ہوا یہ وفد منزلیں طے کرتا ہوا رات کے وقت حاتم طائی کے گھر پہنچا۔ جس وقت یہ وفد وہاں پہنچا موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ ایسے خراب موسم میں گھر سے نکلنا بھی ممکن نہیں تھا۔ مہمانوں کے کھانے کا انتظام کرنا امر محال اور مشکل کام تھا لیکن حاتم طائی نے میزبانی کا حق ادا کیا اور مہمانوں کی تواضع اور آرام و آسائش کا پورا پورا انتظام کر دیا۔ دسترخوان پر لذیذ بھنا ہوا گوشت کھا کر مہمان خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے اندر سفر کی تھکان کی جگہ توانائی محسوس کی اور گہری نیند ہو گئے۔

صبح کے وقت بارش تھم چکی تھی۔ فضا گرد و غبار سے صاف تھی۔ ہوا خنک آلود اور دل خوش کن تھی۔ ناشتہ کے دوران وزیر نے مہمان نوازی اور اظہار تشکر کے بعد آنے کا مقصد بیان کیا۔

وزیر نے کہا ہمارے بادشاہ کو آپ کے گھوڑے کے بارے میں بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ گھوڑے کی تعریف سن کر بادشاہ چاہتا ہے کہ آپ اپنا گھوڑا بادشاہ کی خدمت میں نذر کر دیں۔ وزیر کی بات سن کر حاتم افسوس کے ساتھ ہاتھ ملنے لگا اور بہت افسردہ ہو کر بولا، اگر آپ گھوڑا ہی لینے آئے تھے تو یہ بات آتے ہی مجھے بتا دینی چاہئے تھی لیکن اب میں مجبور ہوں اس لئے کہ میرا پیارا گھوڑا اس دنیا میں نہیں ہے۔

آپ کو پتہ ہے کہ پوری رات طوفانی بارش برستی رہی۔ میرے لئے ممکن نہیں تھا کہ اتنے سارے لوگوں کے طعام کا انتظام کر سکوں۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ چراگاہ یا گاؤں سے ضیافت کے لئے کوئی جانور منگوا سکتا لہٰذا میں نے گھوڑے کو ذبح کر دیا اور اس کا بھنا ہوا گوشت دسترخوان کی زینت بن گیا۔ وزیر حاتم طائی کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ بادشاہ کو جب یہ سارا واقعہ سنایا گیا تو اس نے بھی حاتم طائی کی سخاوت کی تعریف کی۔

☆☆☆☆☆

حضرت فرید بابا گنج شکر کا مشہور واقعہ ہے کہ حضرت کی والدہ صاحبہ مصلے کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیتی تھیں۔ حضرت بابا فرید بچپن میں مصلے پر بیٹھ کر اللہ سے دعا کرتے تھے۔ اللہ میاں مجھے شکر دیں اور مصلیٰ اٹھا کر دیکھتے تھے کہ شکر کی پڑیا مصلے کے نیچے رکھی ہوئی ہے۔ ایک روز باہر دوستوں نے شکر کھانے کی خواہش کا مطالبہ کیا۔

فرید مسعود گنج شکر بھاگے بھاگے گھر میں گئے اور مصلیٰ اٹھا کر لے آئے۔ مصلے پر بیٹھ کر دعا کی اور مصلیٰ

اٹھایا تو اس کے پیچھے شکر موجود تھی۔ سب دوستوں میں تقسیم کی اور خود بھی کھائی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کی والدہ نے ان کی تربیت اس طرح کی تھی کہ بیٹا جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ جب ڈاکوؤں نے پکڑا اور انہوں نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے تو انہوں نے بتا دیا کہ میری واسکٹ میں روپے ہیں جو اماں نے سی دیئے تھے۔ ڈاکوؤں کا سردار اس بے مثال تربیت اور سچ کی وجہ سے تائب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

دنیا میں جتنے لوگ آباد ہیں ان کا تعلق مخصوص روایات اور مخصوص طرز فکر سے ہے۔ یہی طرز فکر آدمی کا کردار بن جاتی ہے۔ کردار کے تعین میں دو طرزیں کام کر رہی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی شیطان بن جاتا ہے اور دوسری طرز یہ کہ آدمی محبت کے سائے میں سراپا محبت بن جاتا ہے۔ نفرت اور تفرقہ شیطانی گروہ کا سرمایہ ہے۔ محبت، خدمت اور ایثار رحمانی گروہ کی متاع زیست ہے۔ رحمانی گروہ کے اوپر خوف اور غم مسلط نہیں ہوتا۔ یہ گروہ عدم تحفظ کے احساس سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اللہ اس کی احاطہ کر لیتا ہے۔ یہ پیغمبرانہ وصف یا پیغمبرانہ طرز فکر جب بندے کے اندر متحرک ہو جاتی ہے تو وہ دیکھ لیتا ہے کوئی شئے براہ راست موجود نہیں ہے اور ہر چیز کا وجود اللہ کی حاکمیت پر قائم ہے۔ سارے جہانوں کا بادشاہ اللہ ہے۔

اگر آپ، اپنے خالق سے متعارف ہو کر اس کی قربت اختیار کر کے کائنات میں ممتاز ہونا چاہتے ہیں تو اللہ کی مخلوق کی خدمت کیجئے۔ بلاشبہ اللہ کی مخلوق سے محبت رکھنے والے لوگ اللہ کے دوست ہیں اور دوست پر دوست کی ہمیشہ نوازشات ہوتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار مجلس میں تشریف فرما تھے۔ ایک اونٹ حضور ﷺ کے پاس آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ اونٹ اپنے مالک کی شکایت کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اونٹ کو اس کے مالک سے خرید لیا۔

☆☆☆☆☆

روحانی نقطۂ نظر سے جب کوئی بچہ بطن مادر سے زمین کی بساط پر آتا ہے تو اس کے اندر پانچ ہزار سال تک عمر گزارنے کے لئے روشنیوں (کیلوریز) کا ذخیرہ ہوتا ہے۔ جس کو وہ اپنی نادانی، جھوٹے وقار، خودنمائی اور اعتدال سے ہٹ کر دنیاوی دلچسپیاں قائم کر کے اتنا زیادہ خرچ کر دیتا ہے کہ پانچ ہزار سال کی عمر ساٹھ یا ستر سال کی عمر بن جاتی ہے۔ یعنی پانچ ہزار سال زندہ رہنے والا آدمی اپنی عمر کا اسراف بے جا کر کے ساٹھ ستر سال میں زندگی کا ذخیرہ ختم کر دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

انسان کے اچھے اور برے اعمال کا عکس چہرے میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جو بندہ جس قسم کے کام کرتا ہے اسی مناسبت سے اس کے چہرے پر تاثرات مرقوم ہوتے رہتے ہیں۔نفسیات داں یہ بات جانتے ہیں کہ ہر انسان روشنیوں سے مرکب ہے اور روشنی کی یہ لہریں انسان کی ہستی سے غیر محسوس طریقے سے نکلتی رہتی ہیں۔

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک پریشان حال، مصیبت کے مارے اور غم کی چکی میں پسنے والے آدمی کے چہرے پر پریشانی اور غم و آلام کے پورے پورے تاثرات موجود ہوتے ہیں۔

یقیناً آپ نے ایسے بھی آدمی دیکھے ہیں کہ ایک آدمی خوش باش لوگوں کے ہجوم میں داخل ہوتا ہے تو ساری محفل افسردہ اور پراگندہ دل ہو جاتی ہے اور یقیناً اس دنیا میں ایسے پاکیزہ نفس حضرات بھی موجود ہیں کہ ان کے وجود سے خوشی، مسرت اور سکون قلب کا بھرم پایا جاتا ہے۔اپنی تصویر سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے سب کاموں سے فارغ ہونے کے بعد رات کو سونے سے پہلے قد آدم آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں۔

چند منٹ آنکھیں بند کر کے یہ تصور کیجئے کہ میری زندگی کے پورے اعمال کا ریکارڈ میرے اندر موجود ہے اور میں اس ریکارڈ یا اپنے اندر موجود فلم کو دیکھ رہا ہوں۔آنکھیں کھول لیجئے اور آئینہ کے اوپر بھرپور نظر ڈالئے۔اگر آپ کا چہرہ روشن ہے، چہرہ پر نور ہے، معصومیت ہے اور چہرے کے خدوخال میں مسکراہٹ کی لہریں دور کر رہی ہیں تو بلاشبہ آپ نیکی کی تصویر ہیں۔

اگر آپ کا چہرہ سوگوار ہے، خشک ہے، چہرے پر نفرت و حقارت کے جذبات موجود ہیں، کبر و نخوت کے آثار ہیں اور آپ کا چہرہ خود آپ کو برا لگتا ہے تو آپ برائی کی تصویر ہیں۔قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کے ہر عمل کی فلم بنتی رہتی ہے اور ہر آدمی کی اپنی اس فلم کے لئے اس کا اپنا چہرہ اسکرین ہے۔کراماً کاتبین کی بنائی ہوئی فلم انسانی چہرہ پر چلتی رہتی ہے۔

☆☆☆☆☆

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے شہد چاہئے۔نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عثمان کے پاس چلے جاؤ۔

جب یہ شخص حضرت عثمان کی خدمت میں پہنچا تو وہاں بہت سارے اونٹ بیٹھے ہوئے تھے۔گیہوں کی بوریاں لادی جارہی تھیں۔ایک بوری کا منہ کھل کر چند کلو گیہوں زمین پر گر گیا۔حضرت عثمان نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے اپنے ملازم سے باز پرس کی اور اس کو ڈانٹا ڈپٹا کہ یہ گیہوں زمین پر کیوں گرا ہے۔شخص مذکور یہ دیکھ کر واپس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شہد چاہئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی ارشاد فرمایا، عثمان کے پاس جاؤ۔ اس نے ساری روئداد سنا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جاؤ تو سہی، تم جا کر شہد مانگو تو۔ یہ شخص دوبارہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے ملازم سے شہد مانگا۔ ملازم نے حضرت عثمان سے کہا کہ اس آدمی کو شہد چاہئے۔

حضرت عثمان نے فرمایا اسے شہد دے دو۔ ملازم نے برتن مانگا، شخص مذکور نے کہا میرے پاس برتن نہیں ہے۔ ملازم نے پھر حضرت عثمان سے عرض کیا، حضور! اس کے پاس شہد لینے کے لئے برتن نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا شہد کا کپا اٹھا دو (ایک کپے میں تقریباً ڈیڑھ کنستر شہد آتا ہے)۔ سائل نے کہا میں کمزور آدمی ہوں، اتنا زیادہ وزن نہیں اٹھا سکتا۔ ملازم پھر حضرت عثمان کے پاس پہنچا اور عرض کیا ایک کپا شہد اٹھانا سائل کے لئے ممکن نہیں ہے۔ حضرت عثمان کو ملازم کی باربار مداخلت پسند نہ آئی، ذرا تیز لہجے میں فرمایا اونٹ پر لاد کر دے دو اور سائل اونٹ اور شہد لے کر چلا گیا۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضور قلندر بابا اولیاء نے فرمایا، مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ ہر مسلمان دولت مند بننا چاہتا ہے لیکن کوئی آدمی حضرت عثمان کے طرز عمل کو اختیار کرنا نہیں چاہتا۔



میں نے حضور قلندر بابا اولیاء سے ایک روز سوال کیا کہ سب کے ساتھ بشری تقاضے ہیں، کمزوریاں ہیں، مجبوریاں ہیں۔ پھر ہر شخص کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ تو انہوں نے مجھے تین باتیں بتائیں کہ ان تینوں کو اختیار کر کے آدمی ہمیشہ خوش رہ سکتا ہے۔ فرمایا، پہلی بات یہ ہے کہ جو تمہارے پاس ہے اس کا شکر ادا کرو، جو تمہارے پاس نہیں ہے اس کا شکوہ نہ کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جدوجہد کرو، اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ میں کسی کی کوشش رائیگاں نہیں کرتا۔ ان دونوں باتوں کو ملائیں تو یہ فارمولہ بنتا ہے کہ بالفرض آپ کے پاس ریڈیو ہے، ٹی وی نہیں ہے۔ آپ ریڈیو پر شکر ادا کریں اور ٹی وی کے لئے جدوجہد شروع کر دیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو چیز پاس ہے اس کا شکر ادا کرو، جو نہیں ہے اس پر شکوہ نہ کرو بلکہ اس کے لئے جدوجہد اور کوشش کرو۔ اور پھر فرمایا کہ تیسری بات یہ ہے کہ کسی سے توقع قائم نہ کرو۔



برسوں پرانی بات ہے کہ ایک بزرگ تھے جن کا سلسلہ سہروردیہ سے تعلق تھا۔ پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ شخص تھے۔ ایک روز داتا صاحب کے مزار پر حاضری دی۔ صاحب مراقب تھے، داتا صاحب کی زیارت ہوئی۔ سلام دعا کے بعد عرض کی کہ میں فلاں کام کرنا چاہتا ہوں کر لوں اور کیا مجھے فائدہ ہوگا۔ داتا صاحب نے

فرمایا، ہاں کرلو۔ ان صاحب نے یہ کیا کہ گھر کی جمع پونجی اکٹھی کی اور دوست احباب سے بھاری قرض بھی لے لیا۔ سب سے کہہ دیا، جب داتا صاحب نے کہہ دیا ہے تو فائدہ تو ضرور ہوگا۔ جو کام ایک لاکھ روپے کا تھا وہ پندرہ بیس لاکھ روپے سے کیا۔

ظاہر ہے آدمی دنیا میں رہتا ہے تو لالچ بھی آجاتا ہے پھر داتا صاحب کا سہارا مل گیا تھا۔ ہوا یہ کہ سارا کیا کرایا الٹ ہوگیا۔ اتنا بڑا نقصان ہوا کہ اپنی رقم گئی سو گئی، الٹا ادھار قرض چڑھ گیا۔ وہ صاحب، داتا صاحب سے ناراض ہوگئے اور لاہور جانے کے باوجود ان کے مزار پر حاضری نہیں دی۔ ان کے پیر صاحب بھی لاہور ہی میں مقیم تھے جب وہ داتا صاحب کے ہاں گئے تو داتا صاحب نے فرمایا کہ وہ ہم سے اتنا ناراض ہوگیا کہ ہمارے مزار کے سامنے سے گزر گیا اور ہمیں سلام تک نہ کیا۔ پیر صاحب نے کہا، حضور! اس نے آپ سے مشورہ کے بعد اپنا سارا سرمایہ اور ادھار قرض جمع کر کے لگا دیا۔ داتا صاحب نے فرمایا، جب ہم نے کہا یہ کام کرلو تو ہمارے ذہن میں یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہم دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں ہماری قبول فرمالیں گے۔

ہم نے اللہ سے دعا کی مگر اللہ نے قبول نہ کیا۔ جس وقت اس نے ہم سے دعا کے لئے کہا تھا اس وقت اس کے ذہن میں یہ بات نہیں تھی زیور فروخت کردوں گا یا دوست احباب سے قرض بے لے لوں گا۔ اس نے لالچ کیا۔ فقیر کی دعا سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اگر دس ہزار میں دو ہزار کا فائدہ ہوسکتا ہے تو بزرگ سے مشورے کے بعد آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں کاروبار ایک لاکھ سے کیوں نہ کروں جبکہ اس کام کی مالیت اتنی نہیں ہے، نقصان تو ہونا ہی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول کرتے ہیں تو کام ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ دنیا میں کوئی ایسا روحانی بزرگ نہیں ہے جس نے یہ کہا ہو کہ میں جو چاہے کرسکتا ہوں۔ وہ یہی کہتا ہے کہ ہم دعا کریں گے، تم بھی دعا کرو، محنت کرو تو انشاءاللہ کام ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆

سقراط افلاطون کا مرشد ہے اور ارسطو کا مرید ہے۔ سقراط نے اپنی ساری زندگی باتوں میں گزار دی اور باتوں ہی باتوں میں ایسا فلسفہ چھوڑ گیا جس سے آنے والی نسلیں دو ہزار سال سے استفادہ کررہی ہیں۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا فرد ہوگا جو زیور علم سے آراستہ ہو اور یونان کے ان تین مفکرین کو نہ جانتا ہو۔ سقراط کے فلسفے میں یہ صداقت پنہاں ہے کہ ہر آدمی کا وجود اس کے باطن کے تابع ہے۔

سقراط کا باپ سنگ تراش تھا۔ وہ کسی خوبصورت پارک کے لئے فوارے کا منہ شیر کی شکل کا بنا رہا تھا۔ اس نے سنگ مرمر کا ایک گول ٹکڑا لے کر اسے تراشنا شروع کردیا۔ چوکور، نوکیلی اور تیز میخوں سے پتھر پر

ضرب لگائی تو آہستہ آہستہ پتھر میں سے شیر کا منہ نمودار ہوا، پہلے منہ بنا پھر چپٹی ناک بنی اور اس کے بعد شیر کی خوفناک آنکھیں ظاہر ہوئیں۔ سقراط بیٹھا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ نے برسوں ریاضت کی ہے اور یہ ریاضت کا ہی نتیجہ ہے کہ پتھر میں سے شیر نکل آیا۔ سقراط نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا، آپ کو کس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ تیشہ کہاں کہاں رکھیں اور اس پر کتنی سخت یا نرم چوٹ لگائیں۔

باپ نے کہا، یوں سمجھو کہ شیر بنانے اور پتھر میں سے شیر باہر نکالنے کے لئے ہمیں پتھر کے اندر شیر دیکھنا پڑتا ہے۔ جب ہم پتھر کے اوپر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ پتھر کی تہہ در تہہ کے نیچے شیر قید ہے۔ جتنے یقین کے ساتھ ہم پتھر کی سطح میں شیر کو دیکھ لیتے ہیں اسی مناسبت سے تیشہ پر ہاتھ کی گرفت کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ پتھر کے اندر شیر کی کھوپڑی سخت ہے جبکہ پتھر کے اندر شیر کی آنکھ نرم و نازک ہے۔ ہمارے اندر ہمارا وجود ہمیں بتاتا رہتا ہے کہ کون سا عضو کتنی ضرب برداشت کرسکتا ہے اور از خود ہاتھ کی حرکت کم و بیش ہو جاتی ہے اور پتھر میں قید شیر آزاد ہو جاتا ہے۔

سقراط کی تعلیمات کو سامنے رکھ کر سوچا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیر پرت در پرت پتھر کے اندر ہے۔ پتھر میں سے شیر باہر لانے کے لئے نقشہ، سنگ تراش کے دماغ میں ہے۔ دنیا کی نظر میں سقراط ایک فلسفی ہے اور فلسفے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اندھے لوگ اندھیرے میں ایک کالی بلی کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

بڑی عجیب بات ہے کہ عقل و دانش کے دعویدار لوگ ہر اس بات کو جو عقل کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی اسے کالی بلی کہہ دیتے ہیں جو اندھیرے میں اندھوں کو نظر نہیں آتی لیکن اس سے بھی بڑا طرفہ تماشہ یہ ہے کہ فلسفے کے بغیر عقل و دانش کی تکمیل نہیں ہوتی۔ کون نہیں جانتا کہ ایک شاندار عمارت تعمیر کرنے کے لئے پہلے سے نقشہ موجود نہ ہو تو شاندار عمارت تو کجا معمولی عمارت بھی نہیں بنتی لیکن کوئی بصیرت سے اندھا فرد عقل و دانش سے یہ سوال نہیں کرتا کہ عمارت کا نقشہ کہا ہے، نقشہ کس طرح بنا، کاغذ پر دیواروں کے خطوط کیسے قائم ہوئے۔

چھ ارب انسان کہتے ہیں ظاہر الوجود۔ پانچ ارب ننانوے کروڑ ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے لوگوں کے برعکس ایک فلسفی کہتا ہے کہ عقل کیوں تسلیم نہیں کرتی ظاہر الوجود فانی ہے اور باطن الوجود کو بقاء ہے۔ کیا ایک کم چھ ارب انسان اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ مصور کو موت چاٹ جاتی ہے اور سنگ تراش مٹی کے ذرات میں مل کر مٹی بنتا رہتا ہے۔ سوچنا یہ ہے کہ شداد کی جنت اور نمرود کی ایجادات کہاں ہیں۔ فراعین مصر کے اہرام تو ابھی تک نوحہ کناں ہیں کہ ہمارے خداؤں کی میوزیم میں جگہ جگہ ٹکٹ لگا کر تذلیل کی جارہی ہے۔ بادشاہ نہیں ہوئے بندر کا تماشہ بن گئے۔ تفکر جھنجھوڑتا ہے، دنیا میں ظاہر الوجود کا ڈرامہ اور باطن الوجود کی حقیقت، نکلتے سورج اور ڈوبتے آفتاب کے ساتھ ہمارے اوپر عیاں ہوتی رہتی ہے۔

یہ دنیا کیا ہے، ایک اسٹیج ڈرامہ ہی تو ہے ۔مختلف افراد اپنے اپنے کردار کا مظاہرہ کر کے گمنام ہو رہے ہیں اور سیریل ڈرامہ ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا کیونکہ ڈرامے میں سے ایک اور نیا ڈرامہ ظاہر الوجود کے ساتھ ڈسپلے ہو رہا ہے ۔فلسفے کی موشگافیوں سے قطع نظر اگر باطن الوجود نہیں ہو گا تو ظاہر الوجود کہاں سے ظاہر ہو گا۔ باطن الوجود کیا ہے ۔

باطن الوجود............برکھارت ہے

باطن الوجود............شاعر کا تخیل ہے

باطن الوجود............مصور کی شاہکار تصویر ہے ۔

باطن الوجود............پتھر کے اندر رقیدی شیر کو آزاد کرنے کا عمل ہے

ظاہر الوجود، باطن الوجود سے ہمیشہ دست و گریباں رہتا ہے

اس جنگ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا

اس جنگ میں سرمد کا سر قلم ہوا

اس جنگ میں منصور حلاج نے سنگسار ہو کر قیمت چکائی

اس جنگ میں ابراہیم بن ادھم نے بادشاہت چھوڑی

اس جنگ میں بدھا صاحب جنگ ہار کر امر ہو گئے

کوئی مانے یا نہ مانے ، ظاہر الوجود عقل کی بھٹی میں بھسم ہو رہا ہے ۔یہی عقل اگر باطن الوجود سے ہم رشتہ ہو جائے تو چھ ارب انسان زمین پر سلگتی اور بھڑکتی ہوئی آگ سے محفوظ ہو جائیں گے۔کومل ،معصوم بچوں اور ہمارے نونہالوں کو ابدی سکون حاصل ہو جائے گا۔

☆☆☆☆☆

حضور قلندر بابا اولیاء کی خدمت میں ایک لڑکی کو پیش کیا گیا جو پیدائشی طور پر گونگی اور بہری تھی ۔جن لوگوں نے حضور قلندر بابا اولیاء کو قریب سے دیکھا ہے وہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کے مزاج میں احتیاط بہت تھی اور وہ کرامات سے طبعاً گریز فرماتے تھے ۔اس دن نامعلوم کون سا وقت تھا کہ حضور بابا صاحب نے لڑکی کو مخاطب کر کے فرمایا، تیرا نام کیا ہے ۔ظاہر ہے گونگی بہری لڑکی کیا جواب دیتی ، خاموش رہی ۔دوسری دفعہ آپ نے پھر فرمایا، بتا تیرا نام کیا ہے ۔لڑکی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہی ۔تیسری بار انہیں جلال آ گیا ۔سخت جلال کے عالم میں مارنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھایا اور فرمایا، بتا تیرا نام کیا ہے اور لڑکی نے بولنا شروع کر دیا ۔میرا اندازہ ہے اس وقت لڑکی کا سن سولہ، سترہ کا ہو گا۔

☆☆☆☆☆

عقل و دانائی کا جب تذکرہ ہوتا ہے تو اس نقطے پر ذہن ٹھہر جاتا ہے کہ عقل کہاں سے آتی ہے، عقل کا ماخذ کیا ہے، عقل کہاں پیدا ہوتی ہے، عقل کیا پیدا ہو کر پھیلتی ہے، سمٹتی ہے، محدود ہوتی ہے یا محدودیت کے دائرے میں قید اور مجبور محسوس کرتی ہے۔ سوچنے والے بہت کچھ سوچتے ہیں، نہیں سوچنے والے کچھ بھی نہیں سوچتے۔ ایک بچہ ایک سال سے چار سال تک کس طرح سوچتا ہے اور وہی بچہ چار سے بارہ سال کی عمر تک زندگی کو کس طرح سمجھتا ہے اور یہی بچہ بارہ سال سے اٹھارہ سال کی عمر تک زندگی گزارنے میں کیا تدابیر اختیار کرتا ہے اور اٹھارہ سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک معاشرے کی ذمہ داریوں کو جس میں شادی بیاہ، اولاد، والدین کے حقوق، قوم کے حقوق کو کس طرح سمجھتا ہے، کس طرح پورے کرتا ہے۔ پورے کرتا ہے یا خودغرضانہ زندگی کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے۔

ان عوامل پر یونیورسٹیوں میں بہت سارے لیکچرز دیئے جاتے ہیں، بہت ساری کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ڈگریاں ملتی ہیں، لوگ Ph.D کرتے ہیں لیکن اس سوال کا جواب کسی یونیورسٹی نے نہیں دیا کہ عقل کیا ہے، کہاں سے آتی ہے اور اگر کسی آدمی کے اندر عقل نہیں ہوتی تو کیوں نہیں ہوتی۔

بہت آرام سے کہہ دیا جاتا ہے کہ پڑھنے لکھنے اور مطالعہ کے ذوق سے آدمی کے اندر عقل آجاتی ہے، آدمی دانشور بن جاتا ہے لیکن ایسا سوفیصد نہیں ہے۔ ہم اس بات واقف ہیں کہ بعض کم پڑھے لکھے لوگ Ph.D، ڈاکٹرز اور پروفیسر صاحبان سے زیادہ سمجھ بوجھ کی بات کرتے ہیں۔ سارے Ph.D، کالج اور یونیورسٹی میں پڑھانے والے تمام پروفیسرز یکساں ذہانت نہیں رکھتے۔

اگر پڑھنے لکھنے، مطالعے کے شوق سے ذہانت حاصل ہو جاتی تو آج کی دنیا میں سارے لوگ غالب، ذوق، مومن، علامہ اقبال نظر آتے ہیں جبکہ ان معززاور علم وفضل والے لوگوں کے مقابلے میں اور حضرات بھی ایسے ہیں کہ جنہوں نے زیادہ علم حاصل کیا اور جن کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت زیادہ غور طلب ہے کہ

ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کے والدین اسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق، فطرت میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں اور جس دنیا میں نامعلوم مقام سے آتے ہیں اس میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ جب بچہ اس دنیا میں پہلا قدم رکھتا ہے تو وہ دراصل ایسے مقام میں داخل ہوتا ہے جس کا اپنا ایک ماحول ہے، اس ماحول کی پہلی سیڑھی محدودیت ہے۔

پیدائش کے بعد ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بچہ جس لامحدود مقام سے آیا ہے اس لامحدود مقام کو بھول گیا

ہے۔ لامحدود مقام کی لامحدود صفات اس کے اندر موجود ہوتی ہیں۔ جیسے جیسے بچہ محدودیت میں زندگی بسر کرتا ہے اسی مناسبت سے محدودیت کا پردہ تہہ در تہہ موٹا ہوتا رہتا ہے اور لامحدودیت اس پردے کے پیچھے چھپتی رہتی ہے۔ پردہ کتنا ہی موٹا اور دبیز ہو جائے لیکن سوچ اور فکر کی بساط لامحدودیت ہی رہتی ہے۔ محدود دنیا کے محدود حساب کے تحت میٹرک تک کا وقت تقریباً چالیس ہزار گھنٹے بنتا ہے یعنی ہمارا بچہ اپنی زندگی کے چالیس ہزار گھنٹے گزار کر صرف اس قابل ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کر سکے اسے معاش کے لئے کون سا شعبہ اختیار کرنا ہے۔ زیادہ تر شعبہ کے اختیار میں سرپرست کا عمل دخل ہوتا ہے۔

جب بچہ دنیاداری کو سمجھنے لگتا ہے، کاروبار کرتا ہے یا ملازمت اختیار کرتا ہے تو تقریباً بائیس سال کی محدودیت اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اس محدودیت کو مزید استعمال کر کے زندگی گزارتا ہے اور اس زندگی کو کامیاب زندگی قرار دیا جاتا ہے۔ لامحدود حواس کے تحت مذہب یا مذاہب عالم کی تعریف یہ ہے کہ انسانی ذہن لامحدود اور محدود حواس کو سمجھتا ہو اور آدھی زندگی لامحدود حواس میں اور آدھی زندگی محدود حواس میں گزرتی ہو۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، میں تمہارے اندر ہوں، تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں ہو۔

آدمی کی شان بھی نرالی شان ہے۔ وہ کہتا کچھ ہے، سمجھتا کچھ اور ہے۔ ایک طالب علم کو والدین، کالج یا یونیورسٹی کے ہاسٹل میں بھیجتے ہیں۔ وہ بچہ چار سال، پانچ سال، ماں باپ سے الگ، معاشرے کی ذمہ داریوں سے آزاد ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بچہ نے علم حاصل کیا ہے۔ ایسا علم جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکتا ہے، پیٹ کا ایندھن اکٹھا کر سکتا ہے، بیوی بچوں کو پال سکتا ہے۔ دوسرے باپ نے اپنے بیٹے کو طالب علم کی حیثیت سے خانقاہ کے ہاسٹل میں بھیج دیا تاکہ وہ محدود علوم کے ساتھ ساتھ لامحدود علوم بھی حاصل کرے۔ خاندان کے افراد کہتے ہیں بچے کو راہب بنا دیا ہے جبکہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ بتایئے، اس کا مطلب کیا ہوا۔ ہماری دانست میں مطلب یہ ہوا کہ ہم لامحدود اور لاشعوری علوم سیکھنا ہی نہیں چاہتے۔

☆☆☆☆☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں لڑکیوں کو حقارت سے دیکھا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی بنت زینب کو گود میں لے کر یا کاندھے پر بٹھا کر نماز قائم فرماتے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو ایک طرف بٹھا دیتے تھے اور جب قیام فرماتے اٹھا کر گود میں بٹھا لیتے تھے۔

حضرت انس کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چھوٹے بھائی کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ ابوعمیر نے ایک بلبل پال رکھی تھی اور اس سے اسے بہت محبت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرمایا کرتے تھے،

اے عمیر! بلبل کیسی ہے، اس کا کیا حال ہے۔ ام خالد بنت خالد کہتی ہیں کہ ایک دن میں اپنے والد کے ساتھ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ میں اس وقت زرد قمیض پہنے ہوئے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا، یہ بہت اچھی ہے، بہت اچھی ہے۔ پھر میں آپ ﷺ کی پشت میں جا کر مہر نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے والد نے مجھے ڈانٹا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد سے فرمایا، اسے کھیلنے دو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ تشریف لائے تو حضرت عبدالمطلب کے بچے آپ ﷺ کے استقبال کے لئے بھاگے ہوئے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے ان میں سے ایک کو اپنے آگے اور دوسرے کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔



مکہ میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص جنات سے ملاقات کرنا چاہتا ہے آج رات میرے پاس آجائے۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کوئی نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ساتھ لے کر مکہ کی ایک اونچی پہاڑی پر پہنچے اور حصار کھینچ کر فرمایا کہ تم حصار سے باہر نہ آنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ کھڑے ہو کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد ایک جماعت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح گھیرلیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ میں چھپ گئے۔ جنات کے گروہ نے کہا کہ تمہارے پیغمبر ہونے کی گواہی کون دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ درخت گواہی دے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت سے پوچھا میں کون ہوں۔ درخت نے گواہی دی کہ آپ اللہ کے فرستادہ بندے اور آخری نبی ہیں۔ یہ دیکھ کر سارے جنات ایمان لے آئے۔



ایک روز حضور قلندر بابا اولیاء نے اللہ کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے شوق پیدا ہوا کہ اللہ کو دیکھنے والے، اللہ کی ذات کو عرفان رکھنے والے جو بندے ہیں، میں ان کی ایک فہرست بناؤں کہ کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کو دیکھا ہے۔ اللہ سے باتیں کیں ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

پھر دیکھوں کہ کتنے حضرات اقدس ایسے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک ہی روپ میں دیکھا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اللہ تعالیٰ کو کس جلوے میں دیکھا، داتا صاحب نے اللہ تعالیٰ کو کس روپ میں دیکھا، بری امام صاحب نے اللہ تعالیٰ کو کس رنگ میں دیکھا۔ قلندر بابا اولیاء فرماتے ہیں، میں اس کام میں

لگ گیا اور میں نے ایک لاکھ سال میں جتنے بھی اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے عارف گزرے ہیں ان سب سے ملاقات کی۔ سب سے پوچھا جناب، آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس روپ میں دیکھا تو ایک لاکھ سال میں جتنے بھی عارف ذات اولیاء اللہ گزرے تھے ان میں سے دو بندے بھی ایسے نہیں ملے جنہوں نے اللہ کو ایک ہی روپ میں دیکھا ہو۔ ہر بندے نے اللہ تعالیٰ کو مختلف روپ میں پایا۔ یہ دیکھ کر مجھ پر ایک دیوانگی اور پریشانی طاری ہو گئی اور جب میں بے حال ہو گیا تو میرے بڑے نانا حضرت نجم الدین کبریٰ کی روح مبارک ظاہر ہوئی اور انہوں نے مجھ سے فرمایا، پاگل ہو جائے گا، اس بات کو چھوڑ دے، ایسی کوششیں بہت سے لوگ کر چکے ہیں۔ کھربوں سال گزر گئے جتنے بھی اللہ کے عارف بندے گزرے ہیں ہر ایک نے اللہ کو الگ روپ میں دیکھا ہے۔



ایک طالب علم جو باشعور ہے اور دوسرے علم میں اعلیٰ مہارت رکھتا ہے۔ جب روحانیت کا علم حاصل کرنا چاہے تو تو اس کے اندر بچے کی افتادِ طبیعت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ روحانیت میں اس کی حیثیت ایک بچے سے زیادہ نہیں۔ امام غزالی بہت بڑے فقیہہ، بہت بڑے اصولی، بہت بڑے متکلم، مدرس، مصنف، واعظ اور مناظر تھے۔ اپنی فکر کی بلند پروازیوں کی وجہ سے ایک مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ شہرت وعزت کے جس مقام پر امام غزالی پہنچے یہ مقام آدم کی اولاد میں چند خوش نصیبوں کو ملا ہے۔

انہیں اپنے عہد کی سب سے بڑی حکومت کے فرمانروا، کرتا دھرتا وزیر، نظام الملک طوسی کی نگاہوں میں نہایت قدر و منزلت حاصل تھی۔ زرنگار ریشمی عبا اور چوغے ان کا لباس تھا۔ غزالی کے گھر میں ایک خوبصورت باغ تھا۔ جس گھوڑے پر غزالی سوار ہوتے تھے اس کی لگام، رکاب، زین کی قیمت ہزار سال پہلے پانچ سو اشرفی تھی۔ غزالی کے دوست الفارسی نے لکھا ہے فطرتاً غزالی بہت تند خو، تنگ مزاج آدمی تھے۔ عام آدمیوں کو حقارت سے دیکھتے تھے۔ نخوت وخود پسندی کا جذبہ غالب تھا۔ قوت گویائی، ذہنی فکر اور دلیل پر ان کو بڑا ناز تھا۔ علم کا یہ حال تھا کہ مناظروں میں ان کے شاگرد کہتے تھے پہلے ہم سے بات کرو۔ اگر ہم تمہیں مطمئن نہ کر سکے پھر غزالی کے پاس جانا۔

ابن جوزی نے لکھا ہے جب غزالی پہلی مرتبہ بغداد میں آئے تو ان کا حال یہ تھا کہ جتنے القاب و آداب ان کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے تھے وہ ان کو کم خیال کر کے چاہتے تھے کہ لوگ ان القاب و آداب میں اور اضافہ کریں۔ امام غزالی نے علم فقہ، اصول فقہ و کلام، منطق و فلسفہ، تصوف و اخلاق پر عربی اور فارسی زبان میں پچاس بہترین کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں میں چالیس جلدوں پر مشتمل قرآن کی تفسیر بھی

ہے۔

غزالی نے جب ظاہرہ علوم کی بلندیوں کو چھولیا تو انہیں خیال آیا کہ ظاہرہ علوم کے علاوہ بھی دوسرے علوم ہیں ان کو بھی دیکھنا چاہئے۔اس زمانے کے فقراء کے پاس گئے اور دس سال اس تلاش وجستجو میں سیاحی کی اور تھک کر بیٹھ گئے اور فیصلہ کیا کہ علوم باطن کی کوئی حیثیت ایسی نہیں ہے جس کا ظاہری علوم سے موازنہ کیا جائے۔غزالی کے ایک دوست نے کہا ایک علوم باطن کے عالم ابو بکر شبلی رہ گئے ہیں جن کے پاس آپ نہیں گئے۔غزالی نے سوچا ان کے پاس بھی ہو آنا چاہئے ورنہ یہ خیال دامن گیر رہے گا کہ سفر پورا نہیں ہوا۔امام غزالی ابو بکر شبلی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

جس وقت ابو بکر شبلی کے پاس پہنچے وہ مسجد کے صحن میں بیٹھے گدڑی سی رہے تھے۔امام غزالی حضرت ابو بکر شبلی کی پشت کی جانب کھڑے ہو گئے۔حضرت ابو بکر شبلی نے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر فرمایا کہ غزالی آ گیا،تو نے بہت وقت ضائع کر دیا ہے۔علم سیکھنے کے لئے پہلے عمل کیا جاتا ہے پھر علم آتا ہے۔اگر تو اس بات پر قائم رہ سکتا ہے تو میرے پاس قیام کر ورنہ واپس چلا جا۔امام غزالی نے کچھ توقف کیا اور کہا میں آپ کے پاس قیام کروں گا۔یہ سن کر حضرت ابو بکر شبلی نے فرمایا کہ سامنے مسجد کے کونے میں جا کر کھڑا ہو جا اور امام غزالی نے حکم کی تعمیل کی۔کچھ دیر کے بعد اپنے ساتھ گھر لے گئے۔تین روز نہایت اعلیٰ پیمانے پر مہمان نوازی ہوئی۔امام غزالی بہت خوش ہوئے کہ مجھے بہت اچھا استاد مل گیا ہے، جس نے میرے اوپر آرام و آسائش کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

حضرت ابو بکر شبلی نے امام غزالی سے فرمایا اب کام شروع ہو جانا چاہئے اور کام کی ابتداء یہ ہے کہ ایک بوری کھجور لے جا کر شہر کے بازار میں بیٹھ جاؤ اور بوری کھول کر یہ اعلان کر دو کہ جو آدمی میرے سر پر ایک چپت رسید کرے گا اسے ایک کھجور ملے گی۔امام غزالی تین سال تک بازار میں کھجور کی مفت دکان لگائے بیٹھے رہے۔

تین سال کے مراقبات و مجاہدات نے، لوگوں کے تلخ و تند الفاظ کے ہتھوڑوں نے جھوٹی عزت و شہرت کے چھلکوں کا اتار دیا۔پھر لوگوں نے دیکھا کہ پانچ سو اشرفیوں کے لباس اور زرہ و جواہر سے مرصع زین اور رکاب کے ساتھ مزین سواری پر نکلنے والا امام، بغداد کا ایک فقیر ہے۔جب لوگوں کا ہجوم جمع ہوا اور رقال کے مقابلے میں حال کے بارے میں استفسار کیا تو امام غزالی نے فرمایا، اللہ کی قسم! یہ وقت میرے اوپر نہ آتا تو میری ساری زندگی ضائع ہو جاتی۔امام غزالی کے الفاظ نہایت فکر طلب ہیں۔اپنے زمانے کے یکتا عالم فاضل و دانشور یہ کہہ رہا ہے کہ روح کا سراغ نہ ملتا تو زندگی ضائع ہو جاتی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک دن کفن کے کپڑے ہاتھ میں پکڑے امام غزالی یہ کہتے ہوئے باہر نکلے، بہ سروچشم بندہ حاضر ہے اور اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اس واقعہ میں یہ حکمت ہے کہ بندہ کے اندر جب تک اپنی انا کا زعم اور علم موجود ہے وہ استاد سے کچھ بھی نہیں سیکھ سکتا۔ جب تک شعوری واردات و کیفیات اور روایتی پابندی، روابط و تعلقات کو ذہن سے نکال کر پھینک نہیں دیا جاتا، علم کے حصول میں مزاحم ہوتا ہے۔

امام غزالی کھجور کی تقسیم پر علمی مناظرہ شروع کر دیتے تو انہیں یہ علم حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ باریک بین نظر، گہرے تفکر اور براہ راست طرز فکر سے غور کیا جائے تو مفہوم بالکل واضح ہے۔ پابندی چاہے خود اختیاری ہو یا روایتاً ورثہ میں ملی ہو کوئی شخص اس سے نجات حاصل کئے بغیر آزاد طرز فکر، آزاد دنیا اور غیب میں داخل نہیں ہو سکتا۔



نام کتاب : تذکرہ خواجہ شمس الدین عظیمی

تحقیق وتدوین : شہزاد احمد عظیمی

معاونین : عدنان عادل عظیمی روبینہ سعید عظیمی

محمد حسین عظیمی پروین رشید عظیمی

محمد ذیشان عظیمی عالیہ عظیمی

اشفاق حسین عظیمی نسیم رشید عظیمی

محمد اعظم عظیمی سیما ناز عظیمی

ممتاز احمد رضا

ساقی! ترا مخمور پیے گا سو بار

گردش میں ہے ساغر تو رہے گا سو بار

سو بار جو ٹوٹے تو مجھے کیا غم ہے!

ساغر مری مٹی سے بنے گا سو بار

محمد عظیم برخیا